مسنون معاشرت

احکام و آداب

اُسوۂ نبوی کی روشنی میں

جلدِ دوم

مفتی محمد ابوبکر جابر قاسمی
مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

نامِ کتاب : مسنون معاشرت احکام وآداب، اُسوۂ نبوی کی روشنی میں
جلدِ دوم
مصنّفین : مفتی ابوبکر جابر قاسمی، مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی
صفحات : ۴۷۶
سنِ طباعت : شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ م جون ۲۰۱۴ء
کمپوزنگ وتزئین : حبیب گرافکس — فون : 040-65583159
ناشر :

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس بورابنڈہ، حیدرآباد 040-23836868
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد 040-66710230
- فضل بک ڈپو جامع مسجد ملے پلی، حیدرآباد +91-40-9440039231
- مکتبہ احیاءِ سنت مسجدِ ٹین پوش لال ٹیکری، حیدرآباد 040-23325952
- مکتبہ فیض العلوم سعید آباد، حیدرآباد 040-24557422
- ہندوستان پیپر ایمپوریم مچھلی کمان، حیدرآباد 040-66714341
- **مکتبہ کلیمیہ** رحمٰن کامپلکس (پہلی منزل)، روبرو ہمالیہ بک ڈپو
  حضرات یوسفینؒ چوراستہ، نامپلی، حیدرآباد 9885655591, 9030474265
- مکتبہ عمر نواب صاحب کنٹہ، حیدرآباد

فہرستِ مضامین

عناوین	صفحہ
بوڑھے شریعت کی نظر میں	۱۱
دوستی: آداب وتقاضے	۱۵
کفار ومشرکین کے تعلقات کی مختلف نوعیتیں اور اس کے احکام	۲۶
پہلا درجہ ”موالات“ یعنی قلبی تعلق	۲۶
دوسرا درجہ ”مواسات“	۲۸
تیسرا درجہ ”مدارات“	۳۵
چوتھا درجہ ”معاملات“	۳۶
کافر کو اُجرت پر لینا	۳۷
کافر کو وکیل بنانا	۳۷
کافر کو کفیل بھی بنایا جاسکتا ہے	۳۷
کافر سے علاج بھی کروایا جاسکتا ہے	۳۸
کافر سے علم حاصل کرنا	۳۸
کافر کو گواہ بنایا نہیں جاسکتا	۳۹
کافر کی حمایت حاصل کرنا جائز ہے	۳۹
کفار سے جنگی مدد لینا	۴۴
کافروں کی کتابیں پڑھنے کے احکام	۴۶
کفار کی بستی میں رہائش کے احکام	۴۷
مسلم اقلیتی ممالک میں شہریت کے احکام	۵۳
کفار سے ہدایا قبول کرنے کے احکام	۵۵

عناوین	صفحہ
کافر ماں باپ اور کافر ساس، سسر سے حسن سلوک	۵۶
غیروں سے مشابہت کی ممانعت، وجوہات و دلائل	۵۹
امحاءِ امتیاز: (امتیاز کا مٹ جانا)	۶۱
استخفافِ اوضاعِ شریعت (شریعت کی وضع و قطع کی حقارت)	۶۹
میلان با اغیار (غیروں کی جانب میلان ورجحان)	۷۰
الغاءِ تعاملِ سلف: (سلف کے لباس کے متعلق معمول کو لغو سمجھنا)	۷۱
شہادتِ سیئہ: (مسلمانوں کی اس کے حق میں گواہی)	۷۳
اجراءِ احکامِ کفار (اس پر کفار کے سے احکام مرتب ہونا)	۷۴
عیدوں اور تہواروں کے اسلامی اُصول	۸۲
داڑھی کی شرعی حیثیت	۸۸
سر کے بال	۱۰۸
اسلامی کیلنڈر کی شرعی حیثیت	۱۱۵
ہدیہ آداب واحکام	۱۲۲
سفارش: آداب واحکام	۱۳۱
قرض: آداب واحکام	۱۳۸
مساجد آداب واحکام	۱۴۹
بھیک مانگنا، مسلم معاشرہ کیلئے عیب	۱۶۳
میزبانی کے آداب	۱۶۹
مہمانی کی آداب	۱۷۳
لباس کے آداب واحکام	۱۷۷
شہرت ونمائش کیلئے کپڑے نہ پہنے جائیں	۱۸۱

عناوین	صفحہ
ایک ضروری بات	۱۸۹
پردہ کے شرعی حدود وقیود	۱۹۰
حیاء حیاتِ انسانی کا جوہر	۱۹۰
پردہ کا پہلا درجہ	۱۹۵
پردہ کا دوسرا درجہ	۱۹۷
پردہ کا تیسرا درجہ	۲۰۰
ستر اور حجاب میں فرق	۲۰۹
مرد کا ستر	۲۰۹
نابالغ بچے کا ستر	۲۱۰
اَمرد کا ستر	۲۱۰
عورت کا ستر مرد سے	۲۱۱
عورت کا ستر عورت سے	۲۱۱
عورت کا پردہ	۲۱۲
لڑکی کتنی عمر سے پردہ کرے؟	۲۱۳
کافر عورتوں سے مردوں کی طرح پردہ	۲۱۴
عورت کی آواز کا پردہ	۲۱۶
دل ودماغ کا بھی پردہ ضروری ہے	۲۱۸
پازیب کی جھنکار کی آواز کا پردہ	۲۱۹
جسم سے مہکنے والی خوشبو کا پردہ	۲۱۹
آج کل کے بھڑکیلے اور شوخ برقعوں سے پردہ نہیں ہوتا	۲۲۰
عورت کا مرد سے پردہ تین طرح کا ہوتا ہے	۲۲۱

عناوین	صفحہ
عورت کا اپنے محرم رشتہ داروں سے پردہ	۲۲۱
عورت کا نامحرم سے پردہ	۲۲۲
محارم و غیر محارم کی فہرست	۲۲۲
مرد احباب کیلئے ان عورتوں سے پردہ کرنا ضروری ہے	۲۲۳
عورتوں کیلئے ان مردوں سے پردہ کرنا ضروری ہے	۲۲۴
بے پردگی کے نقصانات	۲۲۸
حیاء اور عفت کے واقعات	۲۳۰
عورتوں کا موٹر سائیکل چلانا	۲۳۶
اجازت کے احکام	۲۳۸
مجلس کے آداب	۲۵۰
گفتگو کے آداب	۲۵۵
سلام، آداب و احکام	۲۶۲
مصافحہ کے آداب	۲۷۳
معانقہ کے احکام	۲۸۱
تقبیل اور بوسہ لینا	۲۸۲
کسی کیلئے احتراماً اور تعظیماً کھڑے ہونا	۲۸۵
قیامِ تعظیمی کے جواز اور عدمِ جواز کا مسئلہ	۲۸۷
چھینکنے کے آداب	۲۸۸
جمائی لینے کے آداب	۲۹۰
عہد اور وعدہ کی پاسداری کے احکام	۲۹۲
رازداری کے احکام	۲۹۸

عناوین	صفحہ
کن مواقع پر رازداری سے کام لے	۲۹۹
مشورہ: آداب واحکام	۳۰۳
موبائل فون: آداب واحکام	۳۱۳
کھانے پینے کے آداب	۳۲۳
پانی پینے کا مسنون طریقہ	۲۳۹
سونے کے آداب	۲۴۲
خواب کی شرعی حیثیت	۳۵۰
گھر کی تعمیر: آداب وہدایات	۳۵۶
گھر سے نکلنے اور داخل ہونے کے آداب	۳۶۷
راستہ پر چلنے کے آداب	۳۷۰
ٹرافک کے آداب	۳۷۵
سفر کے آداب	۳۷۸
افواہیں اور ہمارا رویہ	۳۸۸
تمباکو نوشی: مضر صحت اور غیر شرعی عمل	۳۹۲
کھیل کود اور تفریح طبع کے احکام	۳۹۵
سواری کی مشق	۳۹۸
تیراکی کی مشق	۳۹۹
شاعری: آداب واحکام	۴۰۷
رسوم کی مذمت، دلائل ووجوہات	۴۱۳
اسراف اور فضول خرچی	۴۱۳
ریاء اور نمود	۴۱۵

عناوین	صفحہ
غیر ضروری چیزوں کا التزام	۴۱۷
بدفالی اور نحوست کا تصور	۴۱۸
تحفے وتحائف کا با دل ناخواستہ تبادلہ	۴۱۹
بے پردگی	۴۲۱
بلا ضرورت قرض لینا	۴۲۴
کفار سے مشابہت	۴۲۵
نماز کا چھوٹ جانا یا با جماعت نماز سے رہ جانا	۴۲۶
سنت سے محرومی	۴۲۷
اسلامی معاشرہ اور عملیات	۴۲۹
شیطان سے استعاذہ (شیطان سے پناہ چاہنا)	۴۲۹
اہل اولاد اور مال کیلئے شیطان سے پناہ مانگی جائے	۴۳۰
بیوی سے وظیفہ زوجیت کے وقت ان الفاظ سے شیطان سے پناہ چاہے	۴۳۱
اللہ کا ذکر شیطان سے پناہ گاہ	۴۳۱
جنات وشیاطین کے شر سے حفاظت کی دُعا	۴۳۲
شیطان کے شر سے حفاظت کی تدبیر	۴۳۳
سحر وغیرہ سے بچنے کی دُعا	۴۳۳
چند مسنون طریقہ علاج	۴۳۴
نظر بد کا رقیہ	۴۳۴
نظر لگانے والوں کو وضو کرنے کو کہا جائے	۴۳۴
جادو کا علاج	۴۳۶
جن چڑھنے کا علاج	۴۵۱

عناوین	صفحہ
نفسیاتی امراض کا علاج	۴۵۲
پھوڑے اور زخم کا علاج	۴۵۳
بے چینی کا علاج	۴۵۳
مریض خود اپنا علاج کیسے کرے	۴۵۴
بے چینی اور نیند میں گھبراہٹ کا علاج	۴۵۴
بخار کا علاج	۴۵۴
بچھو اور سانپ کے ڈسے ہوئے کا علاج	۴۵۴
جانوروں کے حقوق	۴۵۶
مراجع	۴۶۵

بوڑھے حضرات شریعت کی نظر میں

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو بالکل ناتواں، نحیف اور کمزور ہوتا ہے، نہ خود کھا سکتا ہے، نہ کھڑا ہو سکتا ہے، نہ بیٹھ سکتا ہے، نہ چل سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے، پھر اس میں کھڑے ہونے، چلنے، خود سے کھانے پینے، بولنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، آہستہ آہستہ وہ رینگتے رینگتے اپنے پاؤں کے بل کھڑا ہونا سیکھتا ہے، اس کے تمام قوی واعضاء مضبوط ہو جاتے ہیں، پھر وہ جوانی کی دہلیز پر پہنچتا ہے تو نہ صرف وہ اپنے پاؤں کے بل کھڑا ہو سکتا ہے بلکہ اپنی محنت اور کاوش سے ایک پورے کنبہ اور خاندان کی پرورش اور ان کی کفالت اور ان کی تمام ضروریاتِ زندگی کا تکفل کرنے والا بن جاتا ہے، پھر جب یہ جوانی کی بہار اور شادابی رخصت ہونے لگتی ہے تو پھر بوڑھاپے کا خزاں اس کو لگ جاتا ہے، اور یہ جوانی کی تمام بہار آہستہ آہستہ کر کے چلی جاتی ہے، پھر بوڑھاپا سایہ فگن ہو جاتا ہے، اب قوی اور اعضاء کمزور پڑ رہے ہے، چہرے پر جھریاں نمایاں ہوگئی ہیں، آنکھوں پر موٹی عینک ہے، ہاتھ میں عصا ہے، قوت سماعت اور بصارت نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہے، قدموں پر بھی رعشہ طاری ہے، ذہانت اور قوتِ حافظہ بھی جواب دے رہا ہے۔

انسانی زندگی کا یہ مرحلہ نہایت ہی رحم وکرم کے قابل مرحلہ ہوتا ہے، اس لئے اسلام نے بوڑھوں کے ساتھ خصوصی احترام واکرام کا حکم دیا ہے۔

☆ اسلام نے سب سے پہلے تو یہ تصور دیا ہے کہ آدمی یہ تصور نہ کرے کہ یہ رزق اور معاش جو اسے حاصل ہو رہا ہے، اس کے قوتِ بازو کی کمائی ہے، بلکہ شریعت اور اسلام نے یہ تصور دیا ہے کہ تم لوگوں کو جو رزق حاصل ہو رہا ہے یہ تمہارے کمزور اور ناتواں لوگوں کی وجہ سے حاصل ہو رہا ہے " هل تنصرون وترزقون الّا بضعفائكم " (۱)

---

(۱) بخاری: باب من استعان بالضعفاء والصالحين، حديث: ۲۸۹۶

آپ ﷺ نے اس روایت کے ذریعہ اس تصور کو یکلخت ختم کر دیا کہ یہ بوڑھے صرف کھاتے ہیں کماتے نہیں، بلکہ یہ تصور دیا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے خزانے سے رزق تمہیں حاصل ہو رہا ہے، یہ تمہارے انہیں بزرگوں، کمزوروں اور بوڑھوں کی وجہ سے، اس لئے ان لوگوں کے وجود کو اپنے گھر کیلئے رحمتِ خداوندی اور نعمتِ ایزدی کا وجود تصور کرو۔

☆ شریعت نے بوڑھوں کو نہایت قدر و احترام اور عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھا ہے، ان کیلئے ان کی عمر اور ضعف و کمزوری کے لحاظ سے رعایت پر مبنی احکام دیئے ہیں، چنانچہ نماز میں قیام جو کہ فرض ہے بوڑھاپے کی وجہ سے اس کی سکت نہ ہو تو بیٹھے ہوئے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، اگر رکوع اور سجدہ جو کہ فرض ہیں اس کی ادائیگی کی سکت نہ ہو تو ان کی اشارہ سے ادائیگی کو کہا گیا ہے، اور روزہ کی سکت نہ ہو تو فدیہ اس کی طرف سے کافی ہوگا اور اگر کمزوری کی وجہ سے سفر ممکن نہ ہو تو حج بدل کروانے کی گنجائش دی گئی ہے، ان لوگوں سے جہاد کا معاف ہونا یہ سارے احکام ان کیلئے سہولت پر مبنی ہیں۔

☆ بوڑھے حضرات کی شرعاً کفالت واجب ہے، اگر وہ ماں باپ ہیں تو اگر وہ کسبِ معاش کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں تب بھی بال بچوں پر ان کی ضروریات کی تکمیل واجب ہے، اگر دیگر رشتہ دار ہیں اور ان کی اولاد نہ ہو تو قریب ترین رشتہ داران کی کفالت کے ذمہ دار ہوں گے، اگر خود ان کے اندر کمانے اور ضرورت کی تکمیل کی صلاحیت ہو تو ان کی ذمہ داری دوسروں پر نہیں۔ (۱)

☆ بڑھاپے میں آدمی یہ چاہتا ہے کہ چھوٹے ان کے ساتھ احترام و اکرام کا معاملہ کریں، آپ ﷺ نے ان کے ان جذبات کا احترام فرمایا کہ جو شخص چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہم سے نہیں، "لیس منّا من لم یرحم صغیرنا ویوقّر کبیرنا" (۲)

---

(۱) ردالمحتار : ٥/٣٥٥-٣٥٢

(۲) ترمذی: باب ماجاء فی رحمة الصبیان، حدیث: ١٩٢١، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اور ایک جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی رعایت کرتے ہوئے تعظیم کرے گا تو جب وہ نوجوان اس عمر کو پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے بھی ویسا ہی تعظیم کرنے والا مہیا کرے گا "ما أکرم شابّ شیخا لسنّه الاّ قیض اللّٰه له من یکرمه عند سنّه" (۱)

☆ بزرگوں کی تعظیم واکرام کے عمومی احکام تو ہیں لیکن چند خصوصی مواقع سے ان کے ساتھ خصوصی احترام واکرام کا معاملہ کرنے کی تاکید آئی ہے، جس سے شریعت میں بوڑھے وبزرگ لوگوں کی فضیلت واہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کئی لوگ ہوں اور ان کو اپنی بات پیش کرنی ہو تو بڑے کو گفتگو کا اور نمائندگی کا موقع دینا چاہئے، "کبّر الکبر فی السنّ" (۲)

ایسے ہی اگر دو اشخاص علم وقرأت اور ورع وتقویٰ کے اعتبار سے برابر ہوں تو جو ان میں عمر دراز ہو، اس کو حقِ امامت میں اولیت حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے دو رفقاء کو رخصت کرتے ہوئے اس کی نصیحت فرمائی "ولیؤمکما أکبرکما سنّا" (۳)

☆ اسی طرح بڑوں، بوڑھوں کے احترام واکرام میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کوئی بوڑھا جا رہا ہو، بوجھل سامان اس کے ہاتھ میں ہو، آپ نوجوان ہیں تو آپ کا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ آپ ان کا تھیلا اپنے کاندھوں پر اٹھالیں اور منزلِ مقصود تک پہنچادیں، آپ بس یا ٹرین میں سفر کر رہے ہیں، آپ کو سیٹ مل چکی ہے، لیکن کوئی بوڑھا ضعیف شخص کھڑا ہے، بوڑھاپے کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنی سیٹ سے اٹھ کر ان کو بیٹھنے کیلئے جگہ دیں، اگر ہم ان ضعیف اور بوڑھے، بزرگ لوگوں کے ساتھ یہ طرزِ عمل اور حسنِ سلوک اور تعظیم وتوقیر کا معاملہ کریں گے تو

---

(۱) ترمذی: باب ماجاء فی اجلال الکبیر: حدیث: ۲۰۲۲، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۲) مسلم: کتاب القسامة والمحاربین، حدیث: ۱۶۶۹

(۳) بخاری: باب اثنان فما فوقهما، حدیث: ۶۲۷

حضور ﷺ کی حدیث کے بموجب ہمارے بوڑھاپے اور درازگی عمر کے وقت ہمیں اللہ عزوجل ایسے لوگ عطا فرمائیں گے جو ہمارا احترام واکرام کریں گے، اگر ہمارا رویہ بوڑھوں کے ساتھ بے توقیری، بے ادبی اور ناشائستگی اور تمسخر واستہزاء کا ہوگا اور سن رسیدہ لوگوں کے ساتھ ہم دستِ تعاون دراز نہ کریں گے تو یہ یہی سلوک اور رَویہ بوڑھاپے میں ہمارے ساتھ ہوگا۔

دوستی: آداب اور تقاضے

☆ دوستی اور محبت جس کا نام ہے، یہ دنیا کی مخلوق میں حقیقی اور صحیح معنی میں ہو ہی نہیں سکتی، اصل دوستی اور محبت کے لائق ذات تو وہ وحدہ لاشریک لہٗ کی ہے جو ساری کائنات اور اس کی تمام چیزوں کا مالک اور خود ہمارا خالق ہے، اس نے انسان کے جسم میں جو دل دیا ہے، وہ صرف اپنے لئے بنایا ہے، اس لئے دل میں صرف اسی کو بسایا جائے۔

اس کو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”لو كنتُ متّخذًا خليلًا لأتخذت ابابكر خليلًا“ (۱)

مطلب یہ ہے کہ میں نے دنیا میں اللہ کے سوا کسی کو دوست بنایا ہی نہیں ہے۔

☆ اس لئے دنیا میں جو بھی دوستیاں اور تعلقات ہوں گے وہ اللہ کی محبت اور دوستی کے تابع ہوں گے، دوستی ہوگی تو اللہ عزوجل کیلئے ہوگی، دوست کے کہنے کی وجہ سے اللہ عزوجل کی نافرمانی نہیں کی جائے گی، جو دوستی صرف خدا کے احکام اور خدا کی محبت کے تابع ہوگی یہ دوستی صرف دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں نفع بخش ہوگی، دنیوی دوستی دنیاوی منافع اور فوائد کے حصول کیلئے ہوگی، ویسے تو تمام مسلمان ایک دوسرے کے دوست اور اسلامی بھائی اور خیر خواہ ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے میں، ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے میں ایک بدن کی طرح ہے، جب اس کا کوئی عضو دکھتا ہے تو اس دُکھن کی وجہ سے بدن کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریکِ حال ہوجاتے ہیں ”مثل المؤمنين في توادّهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد“ (۲)

---

(۱) بخاری: کتاب الفضائل: باب قول النبی لو کنتُ متّخذًا خلیلًا، حدیث: ٣٤٥٤

(۲) مسلم: تراحم المؤمنین، حدیث: ٦٥٨٥

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا اللہ کی رضا و خوشنودی کیلئے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، انبیاء علیہم السلام اور شہداء ان کے خاص مرتبہ اور مقام کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے" یغبطھم بمکانھم النبیّون والشھداء " (۱)

☆ ہمیشہ نیک اور صالح لوگوں سے دوستی کی جائے، پہلے ان کے اخلاق و عادات کا جائزہ لیں، ورنہ بری عادات کا اثر خود پر پڑے گا اور بجائے ہم ان پر اثر انداز ہونے کے خود متاثر ہو جائیں گے۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لئے ہر آدمی کو غور کر لینا چاہئے کہ کس سے دوستی کر رہا ہے" المرء علی دین خلیله فلینظر أحد کم من یخلل " (۲)

اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا: دیندار اور متقی شخص کے ساتھ رہو، اور تمہارا کھانا متقی اور پرہیزگار لوگ ہی کھائیں، "لا تصاحب الاّ مؤمنًا ولا یأکل طعامك الاّ تقیّ "(۳)

چونکہ متقی لوگ کھانا کھائیں گے تو وہ اس سے حاصل ہونے والی قوت کو اللہ کی عبادت اور اطاعت میں صرف کریں برخلاف اللہ کے نافرمان کے وہ اس کی نافرمانی میں حاصل ہونے والی طاقت کو صرف کریں گے۔

---

(۱) صحیح ابن حبان: باب الصحبة والمجالسة، حدیث: ۵۷۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو عبداللہ بن احمد، طبرانی نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے، عبداللہ اور طبرانی کے رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد باب المتحابین فی اللہ عزوجل، حدیث: ۱۸۰۰۸

(۲) ترمذی: باب من باب ما جاء فی أخذ المال، حدیث: ۲۳۷۸، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) ترمذی: باب صحبة المومن، حدیث: ۲۳۹۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

اور ایک موقع سے حضور ﷺ نے اچھے اور برے دوست اور ان سے حاصل ہونے والے اثرات کو اس تمثیل کے ذریعہ واضح کیا ''اچھے اور برے دوست کی مثال مشک بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے لوہار کی طرح ہے،، مشک بیچنے والے کی صحبت سے تم کو کچھ فائدہ ضرور پہنچے گا یا مشک خرید وگے یا تو مشک کی خوشبو پاؤ گے ''امّا أن تبتاع منه وامّا أن تجد منه ريحًا طيّبًا '' لیکن لوہار کی بھٹی تمہارا گھر یا کپڑے جلائے گی یا تمہارے دماغ میں اس کی بدبو پہنچے گی۔ (۱)

ابوداؤد شریف میں ہے ''نیک دوست کی مثال جیسے مشک بیچنے والے کی دکان کہ اور کچھ فائدہ نہ بھی ہو تو خوشبو تو ضرور آئے گی اور برا دوست ایسا ہے جیسے بھٹی آگ نہ لگے تو دھوئیں سے کپڑے تو ضرور کالے ہو جائیں گے۔ ''اما أن يحرق ثيابك واما ان تجد ريحا خبيثة '' (۲)

☆ اللہ عزوجل کی رضا اور خوشنودی کیلئے صالحین اور نیکوکاروں کے ساتھ محبت اور تعلق رکھئے اور خدا سے صالح اور نیک صحبت کے حصول کیلئے دعا کیجئے، اگر ہم کسی درجہ میں نیک نہ بھی بن سکے تو ان کے صالح اثرات سے تو ضرور مستفید ہوں گے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک شخص کسی نیک آدمی سے اس کی نیکی کی بناء پر محبت کرتا ہے، مگر خود اُس شخص جیسے اچھے اعمال نہیں کرتا، ارشاد فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں، آدمی قیامت کے روز اسی کی معیت میں ہوگا جس سے وہ محبت کرے گا ''المرء مع من أحبّ '' (۳)

ایک رات حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہا: مانگئے

---

(۱) بخاری: باب المسك، حديث: ٥٢٢٤

(۲) بخاری: باب المسك، حديث: ٥٢١٤

(۳) ترمذی: باب أنّ المرء مع من أحب، حديث: ٢٣٨٥، امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

تو نبی ﷺ نے یہ دعا مانگی "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسٰكِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمْنِیْ فَاِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَةً فِیْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ" (۱) اے اللہ! میں تجھ سے نیک کاموں کی توفیق چاہتا ہوں، اور برے کاموں سے بچنے کی قوت چاہتا ہوں اور مسکینوں کی محبت چاہتا ہوں اور یہ کہ تو میری مغفرت فرمادے اور مجھ پر رحم فرمائے اور جب تو کسی قوم کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو مجھے اس حال میں اٹھالے کہ میں اس سے محفوظ رہوں اور میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس شخص کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی توفیق چاہتا ہوں، جو تیرے قرب کا ذریعہ ہو"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک شخص اپنے (مسلمان) بھائی سے دوسری بستی میں ملاقات کیلئے روانہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے راستے پر ایک فرشتہ کو بٹھایا (جب وہ شخص اس فرشتے کے قریب پہنچا) تو فرشتہ نے اس سے پوچھا: تمہارا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس شخص نے کہا: میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جارہا ہوں، فرشتے نے پوچھا: کیا تمہارا اس پر کوئی حق ہے، جس کو لینے کیلئے جارہے ہو؟ اس شخص نے کہا: نہیں میرے جانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ مجھے اس سے اللہ تعالیٰ کیلئے محبت ہے، فرشتے نے کہا: مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کیلئے بھیجا ہے کہ جس طرح تم اس بھائی سے محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت کرتے ہو، اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرتے ہیں" بأنّ اللّٰه قد أحبّك كما احببته فيه " (۲)

☆ جس کسی سے محبت، تعلق اور دوستی ہو اس کا اظہار اس سے کرے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ

---

(۱) مسند احمد: حدیث معاذ بن جبل، حدیث: ۲۲۱۶۲، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں سعید بن سنان ہیں اور یہ ضعیف ہیں، اور بعض لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے؛ لیکن اس پر توجہ نہیں دی گئی: مجمع الزوائد: باب باب فیما راہ النبی ﷺ فی المنام حدیث: ۱۱۷۴۳

(۲) مسلم: باب فضل الحب في الله تعالىٰ، حديث : ۲۵۶۷

وہ بھی آپ سے خلوص اور تہہ دل سے محبت کرے گا، تعلقات بڑھیں گے، ایک دوسرے سے قربت اعتماد اور محبت استوار ہوگی، اس طرح وہ ایک دوسرے کے تمام دیگر معاملات میں دلچسپی لینے لگیں گے۔

حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب آدمی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اس کو اس کی اطلاع دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے " فلیخبرہ أنّہ یحبّہ "(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک دفعہ آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص کا گذر ہوا، آپ ﷺ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، انہیں میں سے ایک شخص نے کہا: میں اس گذرنے والے شخص سے اللہ کیلئے محبت کرتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اس کی اطلاع اس کو دی ہے "اعلمتہ" اس نے کہا: نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ جا کر اسے اطلاع دو، اس شخص نے اس کو اپنی محبت اور تعلق خاطر سے آگاہ کیا تو اس نے کہا: تم سے وہ ذات محبت کرے جس کیلئے تم مجھ سے محبت کی ہے "أحبّك الذی احببتنی لہ" پھر وہ شخص لوٹ کر آیا اور اس کے جواب کی حضور ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "أنت مع من أحببت" تمہارا حشر اس شخص کے ساتھ ہوگا جس سے تم نے محبت کی اور تم کو تمہارے گمان کا بدلہ ملے گا۔ (۲)

☆ دوستانہ تعلقات کو مزید استوار اور نتیجہ خیز بنانے اور مزید قربت پیدا کرنے کیلئے دوستوں کے شخصی اور ذاتی معاملات میں دلچسپی لی جائے اور اس سے اپنے قرب اور خصوصی تعلق کا اظہار کرے۔

اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی سے دوستی اور اخوت کا رشتہ جوڑے تو اس کا نام اور اس کے والد کا نام اور اس کے خاندان کے احوال دریافت کرے، کیونکہ

---

(۱) ابوداؤد: باب اخبار الرجل الرجل، حدیث: ۱۵۲٤، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے: مجمع الزوائد: باب المرء مع من أحب، حدیث: ۱۸۰۳۳

(۲) شعب الایمان: قصة ابراهیم في المعانقة، حدیث: ۹۰۱۱

اس سے باہمی الفت اور محبت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں " فلیسأله عن اسمه واسم أبيه وممن هو فانّه أوصل للمودّة " (۱)

☆ دوستی اور دشمنی میں بھی حدّ اعتدال میں رہے، نہ اس قدر قربت اور نزدیکی کو اپنائے کہ اپنے ہر چھوٹے بڑے معاملہ اور اپنے ہر راز کو اس کے سامنے اگل دے کہ پھر دشمنی ہونے پر وہ تمہارے رازوں کو ظاہر کرتا پھرے جس سے تم کو اذیت اور تکلیف کا سامنا ہو، اور اسی طرح دشمنی میں بھی حد اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے کہ دوست ہونے پر دشمنی کے دوران اس کے ساتھ کئے ہوئے برے سلوک پر پچھتاوا اور افسوس کرنا نہ پڑے۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے دوست سے دھیرے دھیرے محبت کرو، یعنی اعتدال سے کرو، کیونکہ ہوسکتا ہے تمہارا دوست کسی دن تمہارا دشمن بن جائے، اور مبغوض بن جائے، " أحبب حبيبك هونًا مّا عسٰى أن يكون بغيضك يومًا ما " (۲)

اور جس شخص سے تمہیں دشمنی اور بغض ہے اس کے ساتھ بغض اور دشمنی بھی دھیرے دھیرے کرو، کیا پتہ کہ وہ شخص کسی دن تمہارا محبوب اور دوست بن جائے۔

حضرت اسلم ؓ کا بیان ہے کہ: حضرت عمر ؓ نے فرمایا: تمہاری محبت جنون کی شکل نہ اختیار کرنے پائے، اور تمہاری دشمنی ایذاءرسانی کا باعث نہ بنے، میں نے کہا: وہ کیسے؟

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في اعلام الحب، حديث: ۲۳۹۲، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو غریب کہا ہے، بوصیری نے اس کی سند کو صحیح مرسل قرار دیا ہے، یزید کی حضور ﷺ سے صحبت کے سلسلے میں اختلاف ہے امام بخاریؒ صحبت کو ثابت مانتے ہیں، ذہبیؒ نے کاشف میں کہا ہے کہ: یہ ان کا وہم ہے، اور ابوحاتم نے کہا ہے کہ یہ صالح الحدیث ہیں، ان کو ابن حبان نے ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے: اتحاف خيرة المهرة: باب في أداب شتي: ۶/ ۱۶۰، دار الوطن للنشر، الرياض

(۲) ترمذی: الاقتصاد في الحب والبغض، حديث: ۱۹۹۷، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو غریب کہا ہے، بوصیری نے اس حدیث کو موقوف قرار دیا ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے اور ہبیرہ کو مختلف فیہ قرار دیا ہے اور اس کی سند کے بقیہ رجال کو ثقہ بتلایا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جب محبت کرنے لگو تو بچوں کی طرح چمٹنے اور طفلانہ حرکتیں کرنے لگو اور جب کسی سے ناراض ہوجاؤ تو اس کے جان ومال کی تباہی کے درپے ہوجاؤ "اذ أحببت كلفت كلف الصبيّ واذا أبغضت أحببت لصاحبك التلف" (۱)

☆ دوستوں کے ساتھ خیر خواہی کی جائے، ان کو دینی، اخلاقی، روحانی اور تعلق مع اللہ کے اعتبار سے آگے بڑھانے کی کوشش کی جائے، چونکہ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کی آخرت بنے اللہ عزوجل سے تعلق استوار ہو، اور اس دنیا میں احکام خداوندی کی تعمیل کے ذریعہ اخروی سرخروئی سے ہمکنار ہو، اسی طرح یہ چیز وہ اپنے بھائی کیلئے بھی پسند کرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ بھائی کیلئے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے، "يحبّ لاخيه ما يحبّ لنفسه" (۲)

اور ایک موقع سے حضور ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں جب ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے، جب دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرے، جب اسے چھینک آئے (اور وہ الحمد لله کہے) تو اس کے جواب میں "يرحمك الله" کہے، جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، جب انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس کیلئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے "ويحبّ له ما يحب لنفسه" (۳)

☆ دوست کے دکھ درد میں شریک رہے، اس کی خوشیوں میں بھی حصہ لے، اس کے غم غلط کرنے کی کوشش کرے، اس کی خوشیوں میں شریک ہو کر اس میں اضافہ کی کوشش کرے۔

---

(۱) الأدب المفرد: باب لا يكون بغضك تلفا، حديث: ۱۳۲۲، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب من الايمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، حديث: ۱۳

(۳) ابن ماجة: باب ما جاء في عيادة المريض، حديث: ۱٤۳۳، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے، ترمذی: باب تشميت العاطس، حديث: ۲۷۳٦

حضور ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے ایک عمارت کی طرح ہے، وہ ایک دوسرے کو قوت پہنچاتا اور سہارا دیتا ہے، جیسے عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا بنتی ہے، اور قوت پہنچاتی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں اور اس طرح مسلمانوں کے باہمی تعلق اور قُرب کو واضح فرمایا " المؤمن للمؤمن كالبنيان يشدّ بعضه بعضًا ثمّ شبّك بين أصابعه"(۱)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مسلمانوں کو باہم رحم دلی، باہم الفت ومحبت اور باہم تکلیف کے احساس میں ایسا پاؤ گے جیسے ایک جسم کہ اگر ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں اس کا شریک رہتا ہے " كمثل جسد اذا اشتكى عضوًا تداعىٰ له سائر الجسد بالسهر والحمّٰى " (۲)

☆ سچا، مخلص، اور ایماندار دوست وہی ہوتا ہے جو نیکیوں پر حوصلہ افزائی کرتا ہو اور برائیوں پر ٹوکتا ہو، اخلاقی عیوب ونقائص کی نشاندہی کر کے اس کی اصلاح کرتا ہو؛ لہٰذا وہ دوست سچا اور مخلص نہیں جو مخرب اخلاق اعمال سے بچانے کے بجائے تاویلات کر کے ان عیوب کو ہنر یا مجبوری ومعذوری کا نام دے کر پردہ پوشی کرتا ہو۔

اسی کو حضور ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک "اپنے بھائی کا آئینہ ہے، پس اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی خرابی دیکھے تو اسے دور کردے "المؤمن مراۃ المؤمن" (۳)

حضرت عبد اللہ بن حنطب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان

---

(۱) بخاري: باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره، حديث: ٤٦٧

(۲) بخاري: باب رحمة الناس والبهائم، حديث: ٥٦٦٥

(۳) ابوداؤد: باب في النصيحة، حديث: ٤٩١٨، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار، طبرانیؒ نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں عثمان بن محمد ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن کے لڑکے، ابن القطان نے ان کے بارے میں کہا ہے: ان کی حدیث میں غالب وہم ہوتا ہے، اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: باب المؤمن مراۃ المومن، حديث: ١٢١٢٠

دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی جائیداد کا دفاع کرتا ہے اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے" المؤمن أخو المومن حيث يغيب يحفظه من ورائه ويكف عنه ضيعته " (۱)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح آدمی آئینہ کے سامنے کھڑا ہو تو آئینہ بے کم و کاست اس کے محاسن اور عیوب کو ظاہر کرتا ہے، ایک مخلص مسلمان بھی اپنے بھائی کی کمی و کوتاہی کی چپکے سے نشاندہی کر کے اس کو اس کے ازالہ کیلئے آمادہ کرتا ہے۔

☆ ان اوصاف کے حامل لوگوں سے دوستی کرے:

۱۔ عقل مند ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف دنیوی معاملات میں زیرک، دانا اور ہوشیار نہ ہو بلکہ ساتھ ہی ساتھ اخروی معاملات میں اس سے کہیں زیادہ ہوشیار اور عقل مند ہو، ایسا شخص ہی دوستی اور قربت کے لائق ہے۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: عقل مند وہ ہے جو خود کو پہچان لے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کی تیاری کرے، مجنون و بے وقوف اور نادان شخص وہ ہے جو دنیوی زندگی میں اپنے نفس کی خواہشات پر چلے اور اللہ تعالیٰ سے صرف امیدیں باندھا رہے (کہ وہ بڑے بخشنے اور معاف کرنے والے ہیں) "والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله " (۲)

۲۔ اخلاقِ حسنہ کا حامل ہو: جھوٹ، غیبت، چغلی، حسد، کبر و غرور، فضول گوئی اور چاپلوسی جیسے اخلاقِ سیہ سے پاک ہو، صداقت، امانت، دیانت، ایثار و سخاوت، سچائی و صداقت، احترام و شفقت، حلم و بردباری کی صفات سے متصف ہو، متبع سنت ہو، یورپین تہذیب اور اس کی چکا چوند سے مرعوب نہ ہو۔

---

(۱) شعب الایمان: الثالث والخمسون من شعب الایمان، حدیث: ۷٦٤٤

(۲) ترمذی: باب حدیث الکیس من دان نفسه، حدیث: ۲٤٥۹، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: " اکمل المؤمنین ایمانًا أحسنهم خلقًا " کامل مومن وہ ہے جو اخلاقی اعتبار سے بہتر ہے۔ (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ "اشرفکم عند اللّٰہ احسنکم خلقًا" (۲)

۳۔ متبع سنت ہو: بدعتی سے دوستی ناپسندیدہ ہے؛ کیونکہ بدعت گمراہی کا باعث ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: " کلّ بدعة ضلالة و کلّ ضلالة فی النّار " ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔ (۳)

۴۔ کفایت شعار ہو: قناعت پسند، کفایت شعار ہو، جب کچھ مل جائے اس پر راضی اور قانع ہو، گنجائش سے زائد خرچ کر کے قرض کا بوجھ مول لینے والے سے دوستی کرنا آئندہ تباہی کے دروازے کھول دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " قد أفلح من أسلم ورزق كفافًا وقنع اللّٰه بما اتاه " کامیاب ہوا وہ شخص جو اسلام لایا اور بقدر کفاف جسے رزق عطا کیا گیا اور اس نے اللہ عزوجل کی عطا پر قناعت سے کام لیا۔ (۴)

۵۔ فاسق نہ ہو: فاسق خواہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو یا گناہِ صغیرہ پر اصرار کرتا ہو، مثلاً: سود خور، زانی، چغل خور، شرابی، جواری وغیرہ کی دوستی، اس کی وجہ سے نہ صرف خود اس کے گناہوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے؛ بلکہ پابندِ صوم وصلاۃ شخص بھی اس کی صحبت میں بگڑ جاتا ہے اور تارکِ صلوۃ ہو جاتا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: فَاَعۡرِضۡ عَمَّنۡ تَوَلّٰی عَنۡ ذِکۡرِنَا وَلَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا " (۵)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ دوست کس کو بنایا جائے اس کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ

---

(۱) ترمذی: حق المراة على زوجها، حديث: ١١٦٢، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) السنن الکبری: باب لا یردّ نکاح غیر الکفو، حدیث: ١٣٥٦٢، امام بیہقی نے اس کی سند کو منقطع کہا ہے۔

(۳) نسائی: کیف الخطبة، حدیث: ١٥٧٨

(۴) مسلم: باب فی الکفاف والقناعة: حدیث ٢٤٧٣

(۵) النجم: ٢٩

''اور جن سے دوستی اور راہ ورسم زیادہ ہے ان میں اس کا خیال رکھو کہ اول تو ہر کسی سے دوستی اور راہ ورسم مت پیدا کرو، ہر آدمی دوستی کے قابل نہیں ہوتا، البتہ جس میں پانچ باتیں ہوں اس سے راہ ورسم رکھنے میں مضائقہ نہیں۔

۱۔ عقلمند ہو: کیونکہ بیوقوفوں سے اول دوستی کا نباہ نہیں ہوتا، دوسرے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فائدہ پہنچانا چاہتا ہے مگر بیوقوفی کی وجہ سے الٹا نقصان کر گذرتا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے اخلاق وعادات اور مزاج اچھا ہو، اپنے مطلب کی دوستی نہ ہو، اور غصے کے وقت آپے سے باہر نہ ہو جائے، ذرا ذرا سی بات میں طوطے کی سی آنکھیں نہ بدلے۔

۳۔ دیندار ہو: کیونکہ جو شخص دیندار نہیں، جب وہ اللہ کا حق ادا نہیں کرسکتا تو تم کو اس سے کیا امید؟ دوسری خرابی یہ ہے کہ اس کی صحبت کا اثر تم کو بھی پہنچے گا، اور ویسے ہی گناہ تم سے بھی ہونے لگیں گے۔

۴۔ اس کو دنیا کی حرص نہ ہو: کیونکہ حرص والوں کے پاس بیٹھنے سے ضرور دنیا کی حرص بڑھتی ہے اور جس کو خود حرص نہ ہو موٹا جھوٹا کھانا کپڑا ہو، دنیا کی ناپائیداری کا ذکر ہو، اس کے پاس بیٹھو کہ جو کچھ تھوڑی بہت حرص ہو وہ بھی بالکل نکل جاتی ہے۔

۵۔ جھوٹ بولنے کی عادت نہ ہو: جھوٹ بولنے والے کا اعتبار نہیں ہوتا، خدا جانے اس کی کس بات کو سچا سمجھ کر آدمی دھوکہ میں آجائے۔

پھر فرماتے ہیں کہ

ان پانچ باتوں کا خیال تو دوستی پیدا کرنے سے پہلے کرنا چاہئے، اور جب کسی سے دوستی اور راہ ورسم پیدا کرلی اب اس کا حق اچھی طرح ادا کرو جہاں تک ہوسکے اس کی ضرورت میں کام آؤ، اگر خدا تعالیٰ گنجائش دیں تو اس کی مدد کرو، اس کا بھید کسی سے نہ کہو، جو کوئی اس کو برا کہے اس کو خبر مت کرو، جب وہ بات کرے کان لگا کر سنو، اگر اس میں کوئی عیب دیکھو نرمی وخیر خواہی سے تنہائی میں سمجھاؤ، اگر اس سے کوئی خطا ہوجائے تو درگذر کرو، اس کی بھلائی کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔

کفار و مشرکین سے تعلقات کی مختلف نوعیتیں اور اس کے احکام

کفار و مشرکین کے تعلقات کی مختلف نوعیتیں ہیں اور قرآن و حدیث میں کفار و مشرکین کے ساتھ تعلقات کی ممانعت اور ان کے ساتھ مواساۃ اور ہمدردی پر مشتمل جو احکام ہیں ان کی نوعیت مختلف احوال سے متعلق ہے۔

۱۔ پہلا درجہ ”موالات“ یعنی قلبی تعلق

موالات یا دِلی محبت و مودت کا ہے، یہ صرف مومنین کے ساتھ مخصوص ہے، غیر مومن کے ساتھ مومن کا یہ تعلق کسی حال میں قطعاً جائز نہیں، ان سے قلبی دوستی جائز نہیں۔

اسی کو مختلف آیتوں میں یوں فرمایا گیا ہے :

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَـآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْئٍ “(۱) مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو دوست نہ بناویں، مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کر کے اور جو شخص ایسا کرے گا سو وہ اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں۔

اور ایک جگہ فرمایا: يَـآ اَيُّهَـا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُـلْقُوْنَ اِلَيْهِ بِالْمَوَدَّةِ “(۲) یعنی اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن یعنی کافر کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کو پیغام بھیجو دوستی کے۔

---

(۱) ال عمران: ۲۸

(۲) الممتحنۃ: ۱

☆ ان کی اطاعت نہ کی جائے، ان کی پیروی نہ کی جائے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ" (۱) اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو الٹا پھیر دینگے پھر تم ناکام ہو جاؤ گے۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (۲) اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے۔

☆ ان کی جانب میلان اور رجحان نہ رکھا جائے:

"وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ" (۳) اور (اے مسلمانو) ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے اور (اس وقت) خدا کے سوا تمہارا کوئی رفاقت کرنے والا نہ ہو پھر حمایت تو تمہاری ذرا بھی نہ ہو۔

☆ ان سے اپنے امور میں مشورہ نہ کیا جائے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ" (۴) اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو صاحب خصوصیات مت بناؤ، وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو۔

یہاں جو غیر مذہب والوں سے خصوصیت کی ممانعت فرمائی ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ

---

(۱) ال عمران: ۱۴۹ (۲) الکہف: ۲۸
(۳) ہود: ۱۱۳ (۴) ال عمران: ۱۱۸

ان کو اپنا ہمراز نہ بنایا جائے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے خاص امور انتظامی میں ان کو داخلہ نہ دیا جائے۔

☆ ان سے محبت اور مودت نہ رکھی جائے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (۱) جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کے (قلوب) کو اپنے فیض سے قوت دی ہے (فیض سے مراد نور ہے)۔

☆ ان کے یہاں ذلت اور پستی کے ساتھ نہ رہا جائے:

"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" (۲) اللہ کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق مع اللہ کے) اور مسلمانوں کی (بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے) اور لیکن منافقین جانتے نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ کافر کے یہاں ذلیل اور خسیس اور گھٹیا قسم کے کام جس میں اس کی تعظیم کا پہلو نظر آتا ہو نہ کیا جائے، اس کے سامنے تعظیم سے کھڑا نہ ہوا جائے اور اس کی مبالغہ آمیز تعریف نہ کی جائے، اس کو اس عزت و عظمت پر مشتمل القاب سے مخاطب نہ کیا جائے۔

۲- دوسرا درجہ "مواسات"

جس کے معنی ہیں ہمدردی و خیر خواہی اور نفع رسانی کے یہ بجز کفار اہل حرب کے جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار رہیں، باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔

---

(۱) المجادلة: ۲۲

(۲) المنافقون: ۸

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ " (۱) اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا ان سے جو لڑتے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان کے ساتھ احسان اور انصاف کا سلوک کرو۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (۲) ان (کافروں) کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ (فرض وواجب) نہیں، لیکن خدا تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت پر لے آویں اور (اے مسلمانو!) جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدے کی غرض سے کرتے ہو اور تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے بجز رضا جوئی ذات پاک حق تعالیٰ کے اور جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب (یعنی اس کا ثواب) پورا پورا تم کو مل جاوے گا اور تمہارے لیے اس میں ذرا کمی نہ کی جائے گی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بعض انصار کی بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں سے قرابت تھی، انصار ان پر اس لئے صدقہ نہیں کیا کرتے تھے کہ جب ضرورت مند ہوں گے تو اسلام قبول کریں گے۔ (۳)

یعنی ان کی ہدایت کا تعلق تو اللہ تعالیٰ سے ہے، لیکن تم اس کی وجہ سے ان کا دستِ تعاون نہ کھینچو۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء نے عملی طور پر اس کو برت کر دکھایا، مکہ میں شدید قحط پڑا، حتیٰ کہ لوگ مردار وغیرہ کھانے پر مجبور ہو گئے، یہ زمانہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان شدید اختلاف اور گرما گرمی کا تھا، اس کے باوجود آپ ﷺ نے مکہ کے قحط زدہ مشرکین کیلئے پانچ سو دینار بھیجے، حالاں کہ اس وقت خود مدینہ کے مسلمان سخت مالی پریشانیوں اور

---

(۱) الممتحنة: ۸

(۲) البقرة: ۲۷۲

(۳) الجامع لاحکام القرآن: ۳/۳۳۷

فاقہ کشی کے شکار تھے، نیز آپ ﷺ نے یہ رقم سرداران قریش ابوسفیان اور صفوان بن امیہ کو بھیجی، جو مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے، اور مشرکین مکہ کی قیادت کررہے تھے۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے غیر مسلم کو دیکھا کہ وہ بھیک مانگ رہا ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ: ہمیں جزیہ ادا کرنا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر فرمایا اور کہا: ''ہم نے تمہاری جوانی کو کھایا اور اب پھر تم سے جزیہ وصول کریں، یہ انصاف کی بات نہیں'' ما أنصفناك أكلنا شيبتك، ثم نأخذمنك الجزية (۲)

☆ انسانی نقطۂ نظر سے شریعت نے غیر مسلموں کی جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کو وہی اہمیت دی ہے جو مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کو حاصل ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے اصولی بات ارشاد فرمائی ہے کہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح، اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح ہیں: '' دمائهم كدمائنا ، وأموالهم كأموالنا ''(۳)

چنانچہ قرآن مجید نے مطلق نفس انسانی کے قتل سے منع کیا ہے، ارشاد ہے: '' وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ '' (۴) اور جس شخص (کے قتل) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر، اور جو شخص ناحق قتل کیا جاوے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے، سو اس کو قتل کے بارے میں حد (شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہئے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

اور ایک موقع پر کسی معقول سبب کے بغیر ایک شخص کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا:

''مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَّمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا '' (۵) جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ

---

(۱) رد المحتار : باب الصرف : ۲/۳۰۲

(۲) نصب الراية : ۳/۴۵۴، بحوالہ غیر مسلم بھائیوں سے تعلقات، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

(۳) نصب الراية : ۳/۳۸۷، دار الحديث، مصر

(۴) سورہ بنی اسرائیل : ۳۳

(۵) سورہ مائدہ : ۳۲

دوسرے شخص کے یا بدون کسی فساد کے (جو) زمین میں (اس سے پھیلا ہو) قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا، اس آیت میں مسلمان اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں ہے، بلکہ مطلقاً کسی بھی انسان کے قتل کو منع کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وہ غیر مسلم (جس سے امن اور بقاء باہم کا معاہدہ ہو) کے قاتل کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت کی بو سے بھی محروم رہے گا، "من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة ، وان ريحها توجد من مسيرة اربعين عاما " (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص عہد والے کو قتل کرے گا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا اور جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔

اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کو قتل کر دے تو مسلمان کو بھی اس کے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا؛ کیوں کہ قرآن مجید نے علی الاطلاق قصاص کا یہی اصول بتلایا ہے کہ جو شخص دوسرے شخص کا قاتل ہو، وہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا " النَّفْسَ بِالنَّفْسِ " (۲)

اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک غیر مسلم (ذمی) کے قصاص میں ایک مسلمان کو قتل کیا گیا " قتل مسلما بذمی " (۳)

حضرت امام شافعیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے بعض اہل ذمہ کو قتل کرنے والے مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا " فقامت عليه البينة ، فأمر بقتله " (۴)

اگر مقتول کے ورثاء سزائے قتل کو معاف کر دیں، یا قتل کے واقعہ میں قصد وارادہ کو دخل نہ ہو؛ بلکہ غلطی سے قتل کا ارتکاب ہوا ہو تو ان صورتوں میں قصاص کے بدلہ خون بہا (دیت)

---

(۱) بخاری: باب إثم من قتل معاهدا، حديث: ٢٩٩٥

(۲) المائده: ٤٥

(۳) نصب الراية : ٤/٣٣٥، مكتبة الريان للطباعة والنشر

(۴) نصب الراية : ٤/٣٣٥، مكتبة الريان للطباعة والنشر

واجب ہوتا ہے، چنانچہ خون بہا بھی مسلمان اور غیر مسلم کا یکساں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے غیر مسلم کی دیت مسلمان ہی کی دیت کی طرح ادا کی

"دية ذمي دية مسلم" (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت اسامہ بن زید اور مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم کی دیت برابر ہوگی۔

☆ انسانی شرافت کی بنیاد پر اسلام نے غیر مسلموں کی املاک کو بھی اسی طرح قابل احترام ٹھہرایا ہے جس طرح مسلمان کے املاک قابل احترام ہے، اس لئے بغیر رضامندی کے کسی مسلمان کا مال لیا جا سکتا ہے اور نہ کسی غیر مسلم کا۔

فتح خیبر کے موقع سے بعض مسلمان فوجیوں نے یہودیوں کے جانور ذبح کر دیئے اور کچھ پھل کھا لئے، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر مختصر خطاب کیا، اس عمل پر ناگواری ظاہر کی اور فرمایا کہ: یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے: آپ ﷺ نے فرمایا "یاد رکھو" اس شخص نے اس (غیر مسلم) شخص پر ظلم کیا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے (جیسے ذمی اور مستامن) یا اس کے حقوق کو نقصان پہنچایا، یا اس پر اس کی طاقت و استطاعت سے زیادہ بار ڈالا (جیسے کسی ذمی سے اس کی حیثیت و استطاعت سے زیادہ جزیہ لیا یا اس حربی مستامن سے جو دارالاسلام میں تجارت کی غرض سے آیا ہو اس کے مال تجارت میں سے عشر یعنی دسویں حصے سے زیادہ لیا) اور یا اس کی مرضی و خوشنودی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو میں قیامت کے دن اس شخص کے خلاف احتجاج کروں گا "فأنا حجيجه يو م القيامة" (۲)

اسلامی قانون کی رو سے چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے جیسے مسلمان کا مال چوری کرنے میں ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان چور غیر مسلم کا مال چوری کرے تو اس صورت میں بھی

---

(۱) نصب الراية: ٤/٣٦٦، مكتبة الريان للطباعة والنشر

(۲) ابوداؤد: باب خروج الدجال، حديث: ٣٠٥٣

اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، علامہ ابن قدامہ المقدسیؒ نے یہ لکھتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں متفق علیہ ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی نظر میں مسلمان اور غیر مسلم کی ملکیت یکساں قابل احترام ہے۔

یہی معاملہ عزت وآبرو اور عصمت کی حفاظت کا ہے، رسول اللہ ﷺ نے بلا تفریق مذہب ہر بڑے کی توقیر کا حکم دیا ہے اور ہر چھوٹے کے ساتھ شفقت اور محبت کی تلقین کی ہے

”لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا“ (۲)

وہ شخص ہماری اتباع کرنے والوں میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم وشفقت نہ کرے، اور ہمارے بڑوں کا جو (خواہ مسلمان ہو یا کافر) احترام ملحوظ نہ رکھے۔

مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا“ (۳) اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے۔

اسی طرح مردوں سے فرمایا گیا کہ: وہ اپنی نگاہوں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور یہی حکم مسلمان عورتوں کو بھی دیا گیا۔ (۴)

یہ حکم مطلق ہے، اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی تفریق نہیں، معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کی عزت وآبرو کی بھی وہی اہمیت ہے، جو مسلمانوں کی ہے۔

اسی طرح ان کی خوشی وغم میں شرکت کی جائے، سماجی تعلقات کے دائرہ میں کھانا، پڑھنا، پڑھانا، باہمی ملاقات، خوشی وغم کے موقع پر دلداری وغیرہ امور بھی آتے ہیں

---

(۱) المغنی لابن قدامة : ۱۲/ ۴۵۱

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی رحمة الصبیان، حدیث: ۱۹۱۹، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب قرار دیا ہے۔

(۳) الحجرات : ۱۱

(۴) النور : ۳۱

اسلام نے ان تمام شعبوں میں غیر مسلموں کے ساتھ بھی خوش گوار برتاؤ کا حکم دیا، رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کی دعوت قبول فرمائی۔ (۱)

خود غیر مسلموں کو دعوت دی ہے۔ (۲)

انہیں اپنا مہمان بنایا ہے۔ (۳)

اپنے رفقاء کو غیر مسلم کی تجہیز وتکفین کے انتظام کا حکم دیا ہے۔ (۴)

نیز غیر مسلموں کی عیادت کی ہے۔ (۵)

مجوسی کا ہر قسم کا کھانا جائز ہے، سوائے ذبیحہ کے۔

مسلمان کا مشرک رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرنا درست ہے، وہ نزدیک کا ہو یا دور کا، اور ذمی ہو یا حربی، حربی سے مراد وہ شخص ہے جو دشمن ملک کا شہری ہو۔

مسلمانوں کیلئے عیسائی پڑوسی سے مصافحہ کرنا درست ہے۔

جب کسی غیر مسلم کی وفات ہوجائے تو اس کے عزیز سے عیادت کیلئے یہ الفاظ کہے جائیں: ”أخلف الله خيرا منه، وأصلحك“ اللہ تجھ کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے اور تمہاری حالت کو بہتر کرے“۔ (۶)

ایک بار ایک یہودی کا جنازہ جارہا تھا، آپ ﷺ کھڑے ہوگئے، لوگوں نے عرض کیا کہ: یہ یہودی کا جنازہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جان تو اس میں بھی ہے۔ (۷)

غزوۂ احزاب کے موقع سے ایک مشرک مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا، اہل مکہ نے خواہش کی کہ اس کی قیمت لے کر لاش ان کے حوالہ کردیں تو آپ ﷺ نے کوئی قیمت لئے بغیر لاش واپس کردی۔

---

(۱) بخاری: باب قبول الهديه من المشركين، حديث: ۲۶۱۷

(۲) الدر المنثور: ۱۸۱/۵

(۳) الخصائص الكبرى: ۱۲۳/۱

(۴) اعلاء السنن: ۲۸۲/۸، باب ما يفعل المسلم إذا مات له قريب كافر

(۵) بخاری: باب عيادة المشرك، حديث: ۵۶۵۷

(۶) البحر الرائق: فصل في البيع: ۲۳۲/۸

(۷) بخاری: باب من قام بجنازة يهودی، حديث: ۱۳۱۲

جہاں تک مواساۃ کی بات ہے تو اس بارے میں حضور ﷺ اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کفار سے جو تعلق تھا وہ ظاہر ہے، اس کے بارے میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

رسولِ اکرم ﷺ جو رحمۃ للعالمین اس دنیا میں تشریف لائے، آپ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان وہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کیے، اس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے، مکہ میں قحط پڑا تو جن دشمنوں نے آپ کو اپنے وطن سے نکالا تھا، خود ان کی امداد فرمائی، پھر مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ان سب کو یہ فرما کر آزاد کر دیا کہ "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" یعنی آج تمہیں صرف معافی ہی نہیں دی جاتی؛ بلکہ تمہارے پچھلے مظالم اور تکالیف پر ہم کوئی ملامت بھی نہیں کرتے، غیر مسلم جنگی قیدی ہاتھ آئے تو ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو اپنی اولاد کے ساتھ بھی ہر شخص نہیں کرتا۔ کفار نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، کبھی آپ کا ہاتھ انتقام کیلئے نہیں اٹھا، زبانِ مبارک سے بددعا بھی نہیں فرمائی، بنو ثقیف جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، ان کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو مسجد میں ٹھہرایا گیا جو مسلمانوں کیلئے سب سے زیادہ عزت کا مقام تھا۔ (۱)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم محتاج ذمیوں کو مسلمانوں کی طرح بیت المال سے وظیفے دیئے، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات اس قسم کے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔

۳۔ تیسرا درجہ "مدارات"

جس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری خوش اخلاقی اور دوستانہ برتاؤ۔ یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جب کہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ اپنے مہمان ہوں، یا ان کے شر اور ضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو۔

سورۂ آلِ عمران کی مذکورہ بالا آیت "اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً" (مگر ایسی حالت میں جبکہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنا چاہو تو، یہی درجہ مدارات کا ہے، مدارات میں بھی چونکہ صورت موالات کی ہوتی ہے؛ اس لئے اس کو موالات سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

---

(۱) معارف القرآن: ۲۰۶/۵

۴۔ چوتھا درجہ ’’معاملات‘‘

کہ ان سے تجارت یا اجرت وملازمت اور صنعت وحرفت کے معاملات کئے جائیں، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، بجز ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو، رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعامل اس پر شاہد ہے، فقہاء نے اسی بناء پر کفار اہل حرب کے ساتھ اسلحہ فروخت کرنے کو منع کیا ہے، باقی تجارت وغیرہ کی اجازت دی اور ان کو اپنا ملازم رکھنا یا خود اس کے کارخانوں اور اداروں میں ملازم ہونا یہ سب جائز ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ابوسفیانؓ اور جبیر بن مطعمؓ کے ساتھ مضاربت کے طریقہ پر تجارت کرنا منقول ہے، اسی طرح خیبر کے فتح ہونے کے بعد آپ ﷺ نے وہاں کی اراضی یہودیوں کے قبضہ میں ہی رہنے دی، اور ان سے بٹائی پر معاملہ طے کرلیا ’’خيبر اليهود أن يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ما يخرج منها‘‘ (۱)

مسلمانوں کا کسی غیر مسلم کے پاس ملازمت کرنا بھی درست ہے، حضرت خباب رضی اللہ عنہ لوہاری کے فن سے واقف تھے، انہوں نے عاص بن وائل کیلئے کام کیا، ’’ان خباب كان قينا، فعل للعاص بن وائل‘‘ (۲)

مسلمان کافر کے یہاں اجرت پر کام کرسکتا ہے، لیکن اس کیلئے تین شرطیں ہیں:

۱۔ وہ کوئی ایسا کام نہ ہو جس کا کرنا مسلمان کیلئے حلال نہیں۔
۲۔ کافر کے کسی ایسے کام میں اعانت نہ کرے جس کا نقصان مسلمان کو پہنچے۔
۳۔ کفار سے کسی قسم کی محبت یا دوستی نہ کرے سوائے آپسی اختلاط اور میل جول کے۔ (۳)

---

(۱) بخاری: باب معاملة النبي ﷺ أهل خيبر، حديث: ٤٠٠٢
(۲) بخاری: باب الطيب للجمعة: حديث: ٢٠٩١
(۳) التدابير الواقية من التشبه بالكفار: عثمان أحمد دوكلي: ٤٩

☆ کافر کو اجرت پر لینا

اسی طرح غیر مسلموں کو اپنے یہاں ملازمت کا موقع بھی دیا جاسکتا ہے، ان کو اجرت پر بھی لیا جاسکتا ہے، جیسے کپڑے سینے کیلئے، دیوار بنانے کیلئے، یا سامان لادنے اور ڈھونے کیلئے چنانچہ جب دورِ رسالت میں عرب جو کہ ہر چہار جانب سے ریت سے ڈھکا ہوا تھا، اس لئے راستے کی شناخت مشکل تھی، اس لئے سفر میں راہ بتانے والے لئے جاتے تھے جنہیں دلیل کہا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی تو ایک مشرک کو اپنے لئے بطور ''دلیل'' اجرت دے کر ساتھ رکھا۔ (۱)

☆ کافر کو وکیل بنانا

جو امور اللہ کے حقوق سے متعلق ہیں جس میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے حج وغیرہ تو ان امور میں کافر کی نیابت اور وکالت مسلم کی جانب سے حج کی ادائیگی کیلئے درست نہیں، البتہ اللہ عزوجل کے وہ حقوق جن میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی اس میں کافر کو وکیل بنایا جاسکتا ہے، جیسے وضو کیلئے پانی لانے کیلئے کافر کو کہنا، وضو کا پانی ڈالنے یا غسل کا پانی ڈالنے، مال کو گن کر اس میں زکوۃ نکالنے اور اس کو اس کے مستحقین میں تقسیم کرنے کی ذمہ داری سونپنا۔ (۲)

البتہ جو حقوق بندوں سے متعلق ہیں ان میں کافر کو اپنا وکیل بنانا اور اس ذمہ داری کی ادائیگی کو اس کے سپرد کرنا جائز ہے۔

☆ کافر کو کفیل بھی بنایا جاسکتا ہے :

کفالت کہتے ہیں: کسی کے حق کی ادائیگی کو اپنے ذمہ لینا۔

یہاں مسلمان کا کافر کیلئے کفیل بننا اور کافر کا مسلمان کیلئے کفیل بننا دونوں جائز ہیں، اگر کوئی مسلمان کفار کے قید میں ہو تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہاں کسی کافر کو اپنا کفیل بنائے۔ (۳)

---

(۱) احکام أهل الذمة : ۲۰۷، لابن قیم

(۲) التدابیر الواقیة من التشبه بالکفار : عثمان احمد وکیل :٤٣٨

(۳) التدابیر الواقیة من التشبه بالکفار : عثمان احمد وکیل :٤٣٨

☆ کافر سے علاج بھی کروایا جاسکتا ہے :

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں بہت سخت بیمار ہوا، نبی کریم ﷺ عیادت کی غرض سے میرے پاس تشریف لائے آپ ﷺ نے (اس وقت) میرے سینہ کے درمیان اپنا دستِ مبارک رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل پر محسوس کی ”فوضع یدہ بین ثدیی حتی وجدت بردھا علٰی فؤادی“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایک ایسے شخص ہو جو دل کے درد میں مبتلا ہے (یعنی تم قلب کے مریض ہو) لہٰذا تم حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ جو قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ وہ شخص طب (علاج معالجہ کرنا) جانتا ہے اس کو چاہیئے کہ وہ مدینہ کی (سب سے اعلیٰ قسم کی کھجور) عجوہ میں سے سات کھجوریں لے، پھر ان کو گٹھلیوں سمیت کوٹ لے اور اس کے بعد ان کو دوا کی صورت میں تمہارے منہ میں ڈالے۔ (۱)

علماء نے لکھا ہے یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ غیر مسلم معالج سے رجوع ومشورہ کرنا جائز ہے کیوں کہ حارث بن کلدہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں گذرا ہے، اس کا اسلام قبول کرنا ثابت نہیں ہے۔

☆ کافر سے علم حاصل کرنا:

علم دو طرح کے ہیں: ایک دینی علوم ہیں، یہ وہ علوم ہیں جو عقیدہ، شریعت، اخلاق وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں، تو اس قسم کے علوم کا کافروں سے حاصل کرنا مناسب نہیں، مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس شخص سے دینی علوم کو حاصل کرے جو ان علوم دینیہ پر ایمان نہیں رکھتا اور ان کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے عقیدہ اور اس کے دین میں شکوک وشبہات کی راہیں ہموار ہوسکتی ہیں، اس کی فکر اس کے عقیدہ اور اخلاق پر اس غیر مسلم معلم کا اثر ہوسکتا ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب في تمرة العجوة، حديث: ۳۸۷۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں یونس بن حجاج الثقفی ہیں جن کو میں نہیں جانتا اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

دیگر نظریاتی اور عملی علوم کافروں سے حاصل کئے جا سکتے ہیں، تاریخ، جغرافیہ دیگر فنون اور زبانیں (لغات) طب اور ہندسہ وغیرہ۔

ان علوم کے سیکھنے کے جواز پر ابن عباس ؓ کی یہ روایت دلالت کرتی ہے، فرماتے ہیں کہ بدر کے کچھ قیدی فدیہ ادا نہ کر سکے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا فدیہ طے کیا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں " فجعل رسول اللّٰه صلى الله عليه و سلم فداهم ان يعلموا أولاد الأنصار الكتابة " (۱)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حکمت کی بات مومن کا خزانہ ہے، وہ جہاں اس کو پائے وہ اس کا مستحق ہوتا ہے "الكلمة الحكمة ضالة المؤمن فحيث وجدها فهو أحق بها " (۲)

☆ کافر کو گواہ بنایا نہیں جا سکتا :

جمہور علماء کا کہنا یہ ہے کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جا سکتی، کیونکہ گواہی دینے میں اپنے قول کو دوسرے پر نافذ کرنا ہوتا ہے اور یہ ولایت کے درجہ میں ہے اور کافر کو مسلمان کی ولایت حاصل نہیں "ولا ولاية للكافر علي المسلم " (۳)

☆ کافر کی حمایت حاصل کرنا جائز ہے:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مسلمان کو اپنی جان، مال اور آبرو پر کسی طرح کا خطرہ ہوتا ہے اور اس زیادتی اور ظلم کا دفع کرنے والا مسلمانوں میں سے کوئی نہیں ہوتا، اس صورت میں اس کو کافر کی حمایت لینی پڑتی ہے، کافر کی حمایت حاصل کرنا اور اس کو اپنے دفاع کیلئے حامی بنانا جائز ہے۔

---

(۱) مسند احمد: مسند عبد الله بن عباس، حديث: ۲۲۱٦، محقق شعیب الارنوط نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب في فضل الفقه علي العبادة، حديث: ۲۸۲۷، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۳) بدائع الصنائع: ٦/ ۲۸۰

حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کی حمایت حاصل کی اور وہ کافر تھے، یہ کفار قریش کے جانب سے درپیش ہونے والی تکالیف میں حضور ﷺ کا دفاع کرتے تھے۔

چچا ابوطالب کے انتقال کے بعد حضور ﷺ نے کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں کے خلاف مطعم بن عدی کی حمایت حاصل کی، چنانچہ مطعم بن عدی نے لوگوں میں بآواز بلند کہا: ”يا معشر قريش! إني أجرت محمدا فلا يهجه أحد منكم“ اے قریش! میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی ہے کوئی ان کی بے عزتی نہ کرے۔ (۱)

جب مسلمان سخت آزمائش وتکلیف میں تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کیلئے نکلے جب برک غماد پہنچے تو ان سے قارہ کے سردار ابن دغنہ کی ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا ابوبکر کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھ کو میری قوم نے نکال دیا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ زمین کی سیر کروں اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں، ابن دغنہ نے کہا کہ تم جیسا آدمی نہ تو نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جاسکتا ہے اس لئے کہ تم بے مال والوں کیلئے کماتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو اور عاجز ومجبور کا بوجھ اٹھاتے ہو، مہمان کی ضیافت کرتے ہو، اور حق پر قائم رہنے کی وجہ سے آنے والی مصیبت پر مدد کرتے ہو، میں تمہارا پڑوسی ہوں تم لوٹ چلو اور اپنے ملک میں اپنے رب کی عبادت کرو، چنانچہ ابن دغنہ روانہ ہوا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر واپس ہوا، اور کفار قریش کے سرداروں میں گھوما اور ان سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا آدمی نہ تو نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جاسکتا ہے، جو تنگدستوں کیلئے کماتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے، عاجزوں کا بوجھ اٹھاتا ہے، مہمان کی مہمان نوازی کرتا ہے، راہِ حق میں پیش آنے والی مصیبت میں مدد کرتا ہے، چنانچہ قریش نے ابن دغنہ کی پناہ منظور کرلی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امان دے دیا۔ ”فنفذت قريش جوار ابن الدغنة وآمنوا أبا بكر“ (۲)

البتہ کفار کی حمایت حاصل کرنے میں ایک شرط یہ ہے کہ کوئی مسلمان اس کی حمایت

---

(۱) تاريخ الطبري: ٣٤٤/٢

(۲) بخاري: باب جوار ابي بكر، حديث: ٢١٧٥

نہ کر سکتا ہو، اور کافر کی حمایت کی وجہ سے کسی حرام کا ارتکاب یا کسی واجب کا ترک لازم نہ آئے یا دین میں کسی طرح کا نقص یا کسی مسلمان کا ضرر اور نقصان نہ ہو۔

اس پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے اصحابِ سیر نے ذکر کیا ہے کہ جب ابوطالب نے رسول اکرم ﷺ کو بلا کر یہ کہا کہ: ”میرے بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسا ایسا کہہ رہے تھے، ذرا میری جان کا بھی خیال کرو، اور اپنی جان کا بھی، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں۔

جب حضور ﷺ کو یہ پتہ چلا کہ ابوطالب اب ان کی زیادہ پشت پناہی اور حمایت نہ کر سکیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا: چچا! خدا کی قسم اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کرے یا میں اس راستہ میں ہلاک ہو جاؤں، تب بھی میں اس سے باز نہ آؤں گا،

”یا عم، واللہ لو وضعوا الشمس في يميني، والقمر في يساري، علي أن أترك هذا الأمر حتى يظهر الله أو أهلك فيه ما تركته“ (۱)

اس پر یہ واقعہ بھی دلالت کرتا ہے ”انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی اور باہر نکل کر وہاں نماز اور قرآن پڑھنے لگے، تو مشرکین کی عورتیں اور بچے ان کے پاس جمع ہو جاتے، ان لوگوں کو اچھا معلوم ہوتا، اور ابوبکر کو دیکھتے رہتے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے آدمی تھے کہ بہت روتے اور جب قرآن پڑھتے تو انہیں آنسوؤں پر اختیار نہیں رہتا تھا، مشرکین قریش کے سردار گھبرائے اور ابن دغنہ کو بلا بھیجا وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے ابن دغنہ سے کہا کہ ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں اپنے پروردگار کی عبادت کریں، لیکن انہوں نے اس سے تجاوز کیا اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی، اعلانیہ نماز اور قرآن پڑھنے لگے اور ہمیں خطرہ ہے کہ ہمارے بچے اور ہماری عورتیں گمراہ نہ ہو جائیں اس لئے ان کے پاس جا کر کہو کہ اگر وہ اپنے گھر کے اندر اپنے رب کی عبادت پر اکتفا کرتے ہیں تو کریں

---

(۱) سیرت ابن هشام : ٢٦٥-٢٦٦

اور اگر اس کو علانیہ کرنے سے انکار نہ کریں تو ان سے کہو کہ تمہارا ذمہ واپس کر دیں، اس لئے کہ ہمیں پسند نہیں کہ ہم تمہاری امان کو توڑیں اور نہ ہم ابوبکر کو ؓ علانیہ عبادت کرنے پر قائم رہنے دے سکتے ہیں، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ابن دغنہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا ذمہ ایک شرط پر لیا تھا، یا تو اسی پر اکتفا کرو، یا میرا ذمہ مجھے واپس کر دو، اس لئے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ عرب اس بات کو سنیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے ذمہ میں لیا تھا، اور میرا ذمہ توڑا گیا، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ میں تیرا ذمہ تجھے واپس دیتا ہوں اور اللہ کی پناہ پر راضی ہوں“۔

☆ اور ایک سیاسی تعلقات ہیں جو کفار و مشرکین کے ساتھ قائم کیے جا سکتے ہیں، کیوں کہ انسان جس خطہ میں رہتا ہو، وہاں کے سیاسی حالات سے بے تعلق نہیں رہ سکتا؛ کیوں کہ سیاسی مد و جزر اور اتار چڑھاؤ کا اثر زندگی کے تمام شعبوں پر پڑتا ہے اور بڑی حد تک سماج کا امن و امان بھی ان حالات سے متعلق ہوتا ہے، چنانچہ اسلام میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان سیاسی روابط کی گنجائش رکھی گئی ہے، سیاست کا مقصد ملک میں قانون کی حکمرانی کو قائم رکھنا اور مستحکم بنانا ہے، رسول اللہ ﷺ جب اس دنیا میں تشریف لائے اس وقت حجاز کے علاقہ میں کوئی باضابطہ حکومت موجود نہیں تھی، البتہ قبائلی روایات اور دستور کے مطابق تحفظ ہوا کرتا تھا اور لوگوں کے باہمی تعلقات قائم رہتے ہیں۔

اسی زمانہ میں مکہ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ مکہ کے ایک شخص نے ایک بیرونی شخص کا حق ادا کرنے سے انکار کر دیا، چوں کہ اس کا تعلق مکہ سے نہیں تھا اور مکہ میں اس کے قبیلہ کے لوگ بھی نہیں تھے، اس لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ بزور طاقت اپنا حق حاصل کر سکے، اس غریب الوطن شخص نے صحن کعبہ میں اہل مکہ کو اپنی بپتا سنائی اور ان کے ضمیر سے انصاف کے طلبگار ہوئے، اس موقع سے کچھ لوگ اس کی مدد کیلئے کھڑے ہوئے اور عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر اس کی نشست ہوئی، اس میں آپ ﷺ نے بھی پوری سرگرمی سے شرکت کی، اور اس طرح ”حلف الفضول“ نامی ایک تنظیم قائم ہوئی، جس کا مقصد انصاف کو قائم کرنا، ظلم کو روکنا اور

ظالم کے خلاف مزاحمت کرنا تھا، یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کو یہ کام اس قدر پسند آیا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر مجھے آج بھی اس کی طرف بلایا گیا تو میں اس پر لبیک کہوں گا: ”لو أدعي به في الإسلام لأجبت“ (۱)

بنو امیہ کے دور میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے درمیان ایک مسئلہ پر نزاع پیدا ہو گیا، جس میں ولید کی زیادتی تھی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں اسی حوالہ سے لوگوں کی مدد چاہی، یکے بعد دیگرے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر لبیک کہا، بالآخر ولید کو اپنے ارادہ سے باز آنا پڑا۔ (۲)

یہ واقعہ اس بات کیلئے بنیاد فراہم کرتا ہے کہ سیاسی جد و جہد میں مسلمان اور غیر مسلم ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک کر سکتے ہیں اور سیاسی تعلقات میں اصولوں کی بنیاد پر غیر مسلموں کا تعاون کیا جا سکتا ہے اور ان سے تعاون لیا جا سکتا ہے، نیز ایسی سیاسی تنظیموں میں جو خالص مسلم تنظیم نہ ہو، مسلمان شریک ہو سکتے ہیں۔

قرآنِ مجید نے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے ذکر کیا ہے، مصر میں اس وقت مشرکین ہی کی حکومت تھی، حضرت یوسف علیہ السلام نے ملکی مفادات اور مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے وزارت خزانہ طلب فرمائی، حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش قبول کی گئی اور انہوں نے اس فریضہ کو بہت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے اقتدار میں شریک و سہیم ہونا بھی درست ہے، جس میں غیر مسلموں کو غلبہ حاصل ہوا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قلبی اور دلی دوستی تو کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں جائز نہیں، اور احسان و ہمدردی و نفع رسانی بجز اہل حرب اور سب کے ساتھ جائز ہے، اسی طرح ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ بھی سب کے ساتھ جائز ہے، جب کہ اس کا مقصد مہمان کی خاطر داری یا غیر مسلموں کو اسلامی تعلیمات اور دینی نفع پہنچانا یا اپنے آپ کو ان کے کسی نقصان و ضرر سے بچانا ہو۔

---

(۱) البداية والنهاية : ۲۹۱/۲

(۲) سیرت ابن هشام : ۱۳۵/۱

کفار سے جنگی مدد لینا :

اگر جنگ میں کافروں سے مالی مدد لی جاتی ہے، اس طرح سے ان کے یہاں سے جنگی ہتھیار بطورِ عاریت کے یا بطورِ اجرت لیے جاتے ہیں تو درست اور جائز ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے کفار سے جنگی ہتھیار بطورِ عاریت لیے تھے۔

آل صفوان کے بعض لوگوں سے عبدالعزیز بن رفیع روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صفوان سے فرمایا کہ اے صفوان! کیا تمہارے پاس کچھ اسلحہ ہے؟ انہوں نے پوچھا کہ عاریتاً چاہیے یا غصباً وصول کررہے ہو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں، بلکہ عاریتاً۔ انہوں نے حضور ﷺ کو تیس سے چالیس کے درمیان زرہیں دیں، حضور اکرم ﷺ نے غزوہ حنین میں جنگ فرمائی جب مشرکین کو ہزیمت ہوئی تو صفوان کی زرہوں کو جمع کیا گیا تو ان میں کچھ زرہیں گم ہوگئیں، حضور اکرم ﷺ نے صفوان سے فرمایا کہ ہم نے بیشک تمہاری زرہوں میں سے چند زرہیں گم کردی ہیں تو کیا ہم تمہیں اس کا ضمان ادا کردیں؟ وہ کہنے لگے کہ نہیں یارسول اللہ ﷺ اس لیے کہ آج میرے دل میں وہ بات نہیں ہے جو اس روز تھی، ”استعار منه أدرعا يوم حنين“ (۱)

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے صفوان سے یہ ہتھیار اس کے زمانۂ کفر میں بطورِ عاریت لیے تھے ”استعار رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ادرع صفوان وهو يومئذ مشرك“ (۲)

کافروں کو بطور جنگی فوجی کے استعمال کرنا تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ کافروں کو مسلمان باغیوں سے جنگ کیلئے شریک جنگ کیا جائے تو اس صورت میں کفار کی مدد نہیں لی جاسکتی؛ بلکہ مسلمانوں کی اس بغاوت کو خود مسلمان فرو کریں گے، کیوں کہ اس صورت میں

---

(۱) ابوداؤد: باب تضمين العارية، حديث: ۳۵۶۲، حاکم کہتے ہیں: ابن عباسؓ کی حدیث اس کی شاہد ہے۔

(۲) زاد المعاد: ۳/۴۷۹

کافر کو مسلمان پر حاکم بنانا، فوقیت دینا اور مسلط کرنا لازم آتا ہے اور ارشادِ باری عزوجل ہے:

” وَلَن يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ سَبِيۡلًا “ (۱)

البتہ احناف نے اس شرط کے ساتھ باغی مسلمانوں کے خلاف استعانت کی اجازت دے سکتے ہیں کہ آخر میں قوت اور غلبہ اور دبدبہ مسلمانوں کا ہی قائم رہے ” بشرط أن تكون الغلبة والهيمنة للمسلمين في النهاية “ (۲)

دوسری صورت یہ ہے کہ کافروں کو کافروں کے خلاف جنگ میں استعمال کیا جائے تو یہ جائز ہے لیکن شرط ہے کہ انجام کار کے اعتبار سے غلبہ اور قوت اور دبدبہ مسلمانوں کا ہی برقرار رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا: ” واستعان رسول الله ﷺ بيهود قينقاع فرضخ لهم ولم يسهم لهم “ (۳)

امام ترمذیؒ نے زہریؒ سے نقل کیا ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے یہودی قوم کو جس نے آپ کے ساتھ قتال کیا تھا حصہ دیا ” أسهم لقوم من اليهود قاتلوا معه “ (۴)

البتہ کفار کو شریک جنگ کرنے کیلئے اہل علم یہ شرائط رکھے ہیں:

۱- کافروں سے مدد لینے کی ضرورت ہو۔

۲- جس سے مدد لی جارہی ہے وہ باوثوق اور بااعتماد شخص ہو۔

۳- مسلمانوں کی ایسی پوزیشن ہو کہ وہ احکام شرعیہ کے نفاذ کی قدرت رکھتے ہوں، اور ان احکام سے اعراض کی صورت میں کفار کا مقابلہ بھی کر سکتے ہوں۔ (۵)

---

(۱) النساء: ۱٤۱

(۲) المبسوط: ۱۰/۱۳۳—۱۳٤

(۳) السنن الكبرى: كتاب السير، باب الرضخ لمن يستعان به من أهل الذمة على قتال المشركين، حديث: ۱۷۸۷۷، بیہقی کہتے ہیں کہ: اس میں حسن بن عمارۃ جو ضعیف ہیں، رسول اللہ ﷺ نے بنو قینقاع کے یہودیوں سے مدد لی اور ان کو عطیہ دیا اور شریک غنیمت نہیں کیا۔

(۴) ترمذی: باب ما جاء في أهل الذمة يغزون مع المسلمين هل يسهم لهم: حديث: ۱٦۰۲، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۵) منهاج الطالبين مع مغني المحتاج: ٤/۲۲۱

☆ کافروں کی کتابیں پڑھنے کے احکام :

ان کے مذہب کی دیانت اور اخلاق سے متعلق جو کتابیں ہیں، ان کا پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ ان کی کتابین تحریف شدہ ہیں، بجائے اس سے کہ ہدایت حاصل ہو وہ ضلالت اور گمراہی کا سامان بن سکتی ہیں، البتہ علماء کیلئے ان کی کتابوں کا رد کرنے کا کیلئے ان کا پڑھنا جائز ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک کتاب لے کر حاضر ہوئے جو انہیں کسی کتابی سے ہاتھ لگی تھی اور نبی ﷺ کے سامنے اسے پڑھنا شروع کر دیا اس پر نبی ﷺ کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ اے ابن خطاب! کیا تم اس میں گھسنا چاہتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے پاس ایک ایسی شریعت لے کر آیا ہوں جو روشن اور صاف ستھری ہے، تم ان اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کیا کرو، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں صحیح بات بتائیں اور تم اس کی تکذیب کرو، اور غلط بتائیں تو تم اس کی تصدیق کرو اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہوتا " والذی نفسی بیدہ لو ان موسی کان حیا، ما وسعه الا أن يتبعني" (۱)

اسلامی تحقیق اور سرچ سے متعلق کفار کی کتابوں کا پڑھنا یہ تو سم قاتل ہے، اس کی وجہ سے عقائد میں تذبذب پیدا ہوتا ہے، طعن اور تشکیک کے چور دروازے اور چوپٹ کھل جاتے ہیں اس لئے ان کتابوں کا پڑھنا جائز نہیں، اس ممانعت پر مندرجہ ذیل روایت دلالت کرتی ہے:

امام بخاریؒ حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ اے مسلمانوں کی جماعت! تم اہل کتاب سے کیونکر پوچھتے ہو حالانکہ تمہاری کتاب تو وہ ہے جو نبی ﷺ پر اتری ہے اس میں اللہ کی بتائی ہوئی سب سے نئی خبر وہ ہے جسے تم پڑھتے ہو،

---

(۱) مسند احمد: مسند جابر بن عبد اللہ، حدیث ، ۱۵۱۵۶ ، علامہ حجر فرماتے ہیں: اس کی سند میں جابر جعفی ہیں جو ضعیف ہیں: فتح الباری: قول اللہ: بل هو قرآن مجید ، ۵۳۵/۱۳

اس میں کوئی آمیزش نہیں اور تم سے اللہ تعالیٰ نے بیان کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ لکھا تھا اس میں اہل کتاب نے تبدیلی کردی ہے اور اپنے ہاتھوں سے کتاب کو بدل ڈالا ہے اور ان لوگوں نے کہا یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ تھوڑی قیمت وصول کریں کیا جو علم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس میں ان سے پوچھنے کے متعلق تم کو منع نہیں فرمایا ہے، اللہ کی قسم ہم نے ان اہل کتاب میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کبھی تم سے اس کے بارے میں پوچھتا ہو جو تم پر نازل کیا گیا ہے:

” ما رأينا منهم رجلا قط يسألكم عن الذى أ نزل عليكم “ (۱)

البتہ کفار کے دنیوی فنون سے متعلق کتابوں کے پڑھنے کی اجازت ہے جس کے متعلق تفصیل گذرچکی ہے۔

☆ کفار کی بستی میں رہائش کے احکام

کفار ومشرکین کے ساتھ ان کے محلے اور بستی میں رہن سہن اور ان کے ساتھ اقامت ممنوع ہے۔

چونکہ حدیث میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

” لا تساكنوا المشركين ولا تجامعوهم فمن ساكنهم أو جامعهم فليس منّا “ (۲)

مشرکوں کے ساتھ سکونت اختیار نہ کرو اور ان کے ساتھ اختلاط نہ رکھو، جو شخص ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے یا ان کے ساتھ میل جول رکھے گا تو وہ ہم میں سے نہیں ” أنا برئ من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين “ (۳)

---

(۱) بخاری : باب لا يسأل أهل الشرك ، حديث: ۲۵۳۹

(۲) السنن الكبرى للبيهقى باب الأسير يؤخذ عليه العهد: حديث: (۱۸۲۹

(۳) ترمذی: كراهية المقام بين أظهر المشركين، حديث: ۱۶۰۵، ابن الملقن کہتے ہیں کہ: ابوداؤد اور ترمذی نے کہا ہے کہ: اس کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور انہیں انہوں نے جریر کا ذکر نہیں کیا ہے، اور یہی صحیح ہے، اور امام بخاری نے کہا ہے کہ: صحیح مرسل روایت ہی ہے، اور اسی طرح ابوحاتم الرازی اور دار قطنی ”العلل“ میں ان سے اس بارے میں سوال کئے جانے پر یہی کہا ہے، میں کہتا ہوں: اس کو امام شافعی اور اسی طرح نسائی نے اپنی سنن میں مرسل روایت کیا ہے: البدر المنير: الحديث السابع : ۱۶۳/۹، دار النشر والتوزيع، الرياض

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ: ان کے ساتھ صلہ رحمی، دنیاوی معاملات وامورِ خرید وفروخت، لین دین وغیرہ کے تعلقات میں کوئی ممانعت نہیں، البتہ ان کے ساتھ رہائش اختیار نہیں کی جاسکتی "ولم يمنع من صلة أرحام من لهم من الكافرين ولا مخالتطهم فی أمر الدنيا بغير سكنى فيما يجرى مجرى المعاملة" (۱)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزھد میں ہے "میرے دشمنوں کے داخل ہونے کی جگہوں میں داخل مت ہو، اور میرے دشمن کا لباس مت پہنو، اور نہ میرے دشمنوں کی سواریوں پر سوار ہو، ورنہ تو تم بھی میرے ان کی طرح دشمن ہو جاؤ گے " فتكونوا أعدائى كما هم أعدائى" (۲)

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے کافروں کے بیچ رہنے سے منع فرمایا ہے، اگر وہ وہاں سے ہجرت کر سکتا ہو تو ہجرت کر جائے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے بیچ رہے، کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیوں؟ وہ ایک دوسرے کی آگ کو دیکھنے نہ پائیں " لا تراء ناراهما " (۳)

یہ تو جمہور کے قول کے مطابق اس صورت میں ہے جب کہ اس کیلئے اپنے دین کی حفاظت وصیانت غیر بلادِ اسلامیہ میں ممکن نہ ہو، اس کے دین، عزت آبرو اور جان ومال پر خطرات کے بادل منڈلا رہے ہوں۔

اس کے برخلاف اگر اس کیلئے غیر اسلامی ممالک میں اس کے دین پر عمل آوری کے سلسلے میں آزادی حاصل ہو۔

"اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا

---

(۱) عون المعبود: باب الاقامة بأرض الشرك: ٧/٣٣٨، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) الزهد لابن حنبل: بقية زهد عليه السلام: ١/١٠٣، دار الريان للتراث

(۳) عون المعبود: ٣٣٩٧/، دار الكتب العلمية، بيروت

فَاُولٰٓئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا، اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا " (۱)

بیشک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنے کو گنہگار کر رکھا تھا تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم سرزمین میں محض مغلوب تھے وہ کہتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ کی سرزمین وسیع نہ تھی تم کو ترک وطن کر کے اس میں چلا جانا چاہئے تھا سو ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جانے کیلئے وہ بری جگہ ہے پہنچے کی مگر جو ہیں بے بس، مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہ جانتے ہیں کہیں کا راستہ۔

اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس شخص کیلئے دار کفر میں اقامت اور رہائش درست ہے جو وہاں رہ کر اپنے دین پر علی الاعلان عمل کر سکتا ہو، اور وہاں وہ کمزور نہ ہو۔

۲- جو مسلمان ہجرت کی قدرت رکھتے تھے جیسے حضرت عباسؓ بن عبد المطلب وغیرہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کرنے کو نہیں کہا، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: سنتِ رسول ﷺ سے پتہ چلا کہ ہجرت اس شخص پر فرض ہے جس کو اپنے دین پر آنچ آنے کا اندیشہ ہو "إن فرض الهجرة على من أطاقها إنما هو على من فتن فى دينه فى البلاد الذى يسلم فيها، لأن رسول الله ﷺ أذن لقوم بمكة أن يقيموا بها بعد اسلامهم، منهم العباس بن عبد المطلب " (۲)

۳- نعیم بن نحام رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کرنی چاہی تو ان کے پاس ان کی قوم بنی عدی کے لوگ آئے، ان سے کہا: تم ہمارے یہاں اپنے دین کے ساتھ مقیم رہو، جو تم کو تکلیف پہنچانا چاہے تو اس کا دفاع کریں گے، یہ ایک مدت تک انہیں کے یہاں مقیم رہے، پھر انہوں نے وہاں سے ہجرت کی، حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا تھا، " قومك كانوا لك خيرا

---

(۱) النساء: ۹۷-۹۸

(۲) کتاب الأم : اصل فی فرض الجهاد : ١٦١/٤

من قومي لي، قومي أخرجوني وأرادو قتلي، وقومك حفظوك ومنعوك " تمہاری قوم تمہارے لئے میری قوم سے بہتر ثابت ہوئی، میری قوم نے مجھے اپنے شہر سے نکالا اور میرے قتل کا ارادہ کیا اور تمہاری قوم نے تمہاری حفاظت کی اور تمہارا دفاع کیا۔ (۱)

تو اس حدیث سے پتہ چلا کہ جس کو دار الکفر میں حمایت اور صیانت حاصل ہو اور اس کو اپنے دین میں فتنہ اور آزمائش کا اندیشہ نہ ہو تو اس کا وہاں کی اقامت اختیار کرنا جائز ہے۔

۴- نجاشی شاہِ حبشہ جب دورِ رسالت میں مسلمان ہوئے تو وہیں اپنے ملک میں مقیم رہے، اور وہاں سے ہجرت کیے بغیر ان کا وہیں انتقال ہوگیا، حضور ﷺ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی، اور ان کے تعلق سے فرمایا: " مات اليوم رجل صالح " (۲) آج ایک نیک شخص کا انتقال ہوا ہے،

اس سے بھی پتہ چلا کہ اگر دیارِ کفر میں دین وایمان کے محفوظ رہنے کی ضمانت دی جاسکتی ہو تو وہاں کی اقامت اختیار کرنا جائز ہے۔

۵- یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت فدیک ؓ خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو شخص ہجرت نہ کرے وہ ہلاک ہو جائے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فدیک! نماز قائم کرو، زکوۃ دو، اور برائی کو ترک کردو، اور اپنی قوم میں جہاں چاہے رہو، " أقم الصلوة ، وآت الزكوة ، واهجر السوء ، واسكن من دار قومك حيث شئت " راوی کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم مہاجر ہو جاؤ گے۔ (۳)

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۳۸/٤، دار صادر، بيروت

(۲) بخاری : باب موت النجاشي، حدیث: ۳٦٦٤

(۳) صحیح ابن حبان : باب الهجرة ، حدیث: ٤٨٦١، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط اور کبیر میں اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد : باب فضل المهاجرين ، حديث: ۹۳۰۳

۶- حضرت سلیمانؒ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد (حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ جب کسی شخص کو کسی چھوٹے یا بڑے لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو خاص طور پر اس کی ذات سے متعلق تو اس کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کے متعلق اس کو نیکی و بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے اور اس کے بعد یہ فرماتے کہ جاؤ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کیلئے اور ان کے دین کا جھنڈا سر بلند کرنے کی غرض سے اسلام دشمن طاقتوں سے جنگ کرو اس شخص کے خلاف جہاد کرو جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے جہاد کرو، جب تم اپنے مشرک دشمنوں کے سامنے پہنچو تو پہلے ان کو تین چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کی دعوت دو، ان تین چیزوں میں سے وہ مشرک جس چیز کو تم سے اختیار کریں اور اپنے لئے پسند کریں تم اس کو منظور کر لو اور ان کو اس سے زیادہ کسی اور چیز پر مجبور کرنے سے باز رہو، پھر یعنی ان تین چیزوں میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو تم بھی اس کو منظور کر لو، اور ان سے جنگ کرنے سے باز رہو، (پھر وہ اسلام قبول کریں تو) ان کو اپنے ملک یعنی (دار الحرب سے) مہاجرین کے ملک (یعنی دار الاسلام) کو منتقل ہو جانے یعنی ہجرت کرنے کی دعوت دو، اور ان کو یہ بتا دو کہ ایسا کریں گے یعنی ہجرت کر کے دار الاسلام آ جائیں گے تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مہاجرین پر عائد ہیں، اگر وہ ترکِ سکونت اختیار کرنے پر تیار نہ ہوں تو ان کو بتا دو کہ ایسی صورت میں وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور ان پر اللہ کا ایسا حکم کیا جائے گا جو تمام مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے یعنی نماز، روزہ وغیرہ کا واجب ہونا اور قصاص و دیت جیسے احکام کا نافذ ہونا اور غنیمت وفیٔ کے مال میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا البتہ اس وقت حصہ ملے گا جبکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر جہاد کریں۔ ”ولا يكون لهم في الفيء والغنيمة نصيب“(۱)

---

(۱) ابوداؤد: باب في دعاء المشركين، حديث: ۲۶۱۲، محقق شعیب الارنؤوط کہتے ہیں: اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے: مسند احمد: حديث بريدة الأسلمي، حديث: ۲۳۰۲۸

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر کوئی شخص دیارِ کفر میں مسلمان ہو جائے تو اس کیلئے دیارِ اسلام کو ہجرت کر جانا مستحب ہے، اگر وہ ہجرت نہ کرے تو اس پر کوئی پکڑ نہیں، البتہ اسلامی احکام کا اجراء اس پر ہوگا، اور اس کو مالِ غنیمت اور مالِ فئی سے حصہ نہ مل پائے گا۔

۷۔ اس کے علاوہ اگر دار کفر میں مسلمانوں کے اقامت کی اجازت نہ دی جائے تو دعوتِ اسلام پیش کرنے کا موقع اور میدان اس سے بڑھ کر کہاں ملے گا، اسلام کی حقیقت اور اسلام کی اصل روح کا پتہ ان کو کیسے چلے گا۔

چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی تو وہ دار الاسلام نہیں تھا، اور یہ اقامت حضور اکرم ﷺ کے حکم سے تھی۔

مسلم اقلیتی ممالک میں شہریت کے احکام

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ مسلم اقلیتی ممالک میں شہریت کے احکام کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

☆ کسی غیر مسلم ملک میں مستقل رہائش اختیار کرنا اور اس کی قومیت اختیار کرنا اور اس ملک کے ایک باشندے اور ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اس کو اپنا مسکن بنا لینا، ایک مسئلہ ہے جس کا حکم زمانہ اور حالات کے اختلاف اور رہائش اختیار کرنے والوں کی اغراض و مقاصد کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے۔

۱۔ اگر ایک مسلمان کو اس کے وطن میں کسی جرم کے بغیر تکلیف پہنچائی جا رہی ہو یا اس کو جیل میں ظلماً قید کر لیا جائے یا اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے اور کسی غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنے کے علاوہ ان مظالم سے بچنے کی اس کے پاس کوئی صورت نہ ہو، ایسی صورت میں اس شخص کیلئے کسی غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنا اور اس ملک کا باشندہ بن کر وہاں رہنا بلاکراہت جائز ہے، بشرطیکہ وہ اس بات کا اطمینان کرلے کہ وہ وہاں جا کر عملی زندگی میں دین کے احکام پر کاربند رہے گا اور وہاں رائج شدہ منکرات و فواحشات سے اپنے کو محفوظ رکھ سکے گا۔

۲۔ اسی طرح اگر کوئی شخص معاشی مسئلہ سے دوچار ہو جائے اور تلاشِ بسیار کے باوجود اُسے اپنے اسلامی ملک میں معاشی وسائل حاصل نہ ہوں حتیٰ کہ وہ نان شبینہ کا بھی محتاج ہو جائے، ان حالات میں اگر اس کو کسی غیر مسلم ملک میں کوئی جائز ملازمت مل جائے، جس کی بناء پر وہاں رہائش اختیار کرلے تو مذکورہ بالا دو شرطوں کے ساتھ اس کا وہاں اقامت اختیار کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ حلال کمانا بھی دوسرے فرائض کے بعد ایک فرض ہے جس کیلئے شریعت نے کسی مکان

اور جگہ کی قید نہیں لگائی؛ بلکہ عام اجازت دی ہے کہ جہاں چاہو، رزقِ حلال تلاش کرو، چنانچہ قرآن مجید میں ہے: ”هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِىْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ“ (۱) وہ ایسا (منعم) ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا، سو تم اس کے رستوں میں چلو (پھرو) اور خدا کی روزی میں سے کھاؤ (پیو) اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

۳- اسی طرح اگر کوئی شخص کسی غیر مسلم ملک میں اس نیت سے رہائش اختیار کرے کہ وہ وہاں کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دے گا اور ان کو مسلمان بنائے گا، یا جو مسلمان وہاں مقیم ہیں، ان کو شریعت کے صحیح احکام بتائے گا اور ان کو دینِ اسلام پر جمے رہنے اور احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے کی ترغیب دے گا، اس نیت سے وہاں رہائش اختیار کرنا صرف یہ نہیں کہ جائز ہے بلکہ موجب اجر وثواب ہے، چنانچہ صحابہ، تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی نیک ارادے اور نیک مقصد کے تحت غیر مسلم ممالک میں رہائش اختیار کی اور بعد میں ان کے فضائل ومناقب اور محاسن شمار ہونے لگے۔

۴- اگر کسی شخص کو اپنے ملک اور شہر میں اس قدر معاشی وسائل حاصل ہیں، جس سے وہ اپنے شہر کے لوگوں کے معیار کے مطابق زندگی گذار سکتا ہے، لیکن صرف معیارِ زندگی بلند کرنے کی غرض سے اور خوش حالی اور عیش وعشرت کی زندگی گذارنے کی غرض سے کسی غیر مسلم ملک کی طرف ہجرت کرتا ہے تو ایسی ہجرت کراہت سے خالی نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں دینی یا دنیاوی ضروریات کے بغیر اپنے آپ کو وہاں رائج شدہ فواحشات ومنکرات کے طوفان میں ڈالنے کے مترادف ہے اور بلا ضرورت اپنی دینی اور اخلاقی حالت کو خطرہ میں ڈالنا کسی بھی طرح درست نہیں؛ اس لئے کہ تجربہ اس پر شاہد ہے کہ جو لوگ صرف عیش وعشرت اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے کیلئے وہاں رہائش اختیار کرتے ہیں ان میں دینی حمیت کمزور ہو جاتی ہے، چنانچہ ایسے لوگ کافرانہ محرکات کے سامنے تیز رفتاری سے پگھل جاتے ہیں۔

---

(۱) سورہ ملک : ۱۵

اسی وجہ سے حدیث شریف میں شدید ضرورت اور تقاضے کے بغیر مشرکین کے ساتھ رہائش اختیار کرنے کو منع کیا گیا ہے: "من جامع المشر ك وسكن معه فإنه مثله" جو شخص مشرک کے ساتھ موافقت کرے اور اس کے ساتھ رہائش اختیار کرے وہ اسی کے مثل ہے۔ (۱)

اسی وجہ سے فقہاء فرماتے ہیں کہ صرف ملازمت کی غرض سے کسی مسلمان کا دارالحرب میں رہائش اختیار کرنا، اوران کی تعداد میں اضافہ کا باعث بننا ایسا فعل ہے جس سے اس کی عدالت مجروح ہوجاتی ہے۔ (۲)

۵- پانچویں صورت یہ ہے کہ کوئی شخص سوسائٹی میں معزز بننے کیلئے اور دوسرے مسلمانوں پر اپنی بڑائی کے اظہار کیلئے غیر مسلم ممالک میں رہائش اختیار کرتا ہے یا دارالکفر کی شہریت اور قومیت کو دارالاسلام کی قومیت پر فوقیت دیتے ہوئے اور اس کو افضل اور برتر سمجھتے ہوئے ان کی قومیت اختیار کرتا ہے یا اپنی پوری عملی زندگی میں بود وباش میں ان کا طرز اختیار کر کے ظاہری زندگی میں ان کی مشابہت اختیار کرنے کیلئے اوران جیسا بننے کیلئے رہائش اختیار کرتا ہے، تو ان تمام مقاصد کیلئے وہاں رہائش اختیار کرنا مطلقاً حرام ہے، جس کی حرمت محتاج دلیل نہیں۔ (۳)

☆ کفار سے ہدایا قبول کرنے کے احکام

کفار سے ہدایا قبول کرنے کے احکام مواساۃ اور مدارات کے تحت آتے ہیں، اگر کافر مسلمان سے برسرِ پیکار نہ ہوں تو ان سے صلہ رحمی کی جاسکتی ہے، ان سے ہدایا لئے اور دیئے جاسکتے ہیں، اگر چہ ان سے موالاۃ منقطع ہی کیوں نہ ہوں۔

قتیلہ بنت عبدالعزی جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور حضرت اسماءؓ کی والدہ تھیں، اور یہ مسلمان نہ ہوئیں تھیں، ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں طلاق دے دی تھی،

---

(۱) ابوداؤد: باب فی الإقامة فی أرض المشرك، حديث: ۲۷۸۷

(۲) تکمله رد المحتار: ۱۰۱/۱

(۳) مغربی ممالک میں رہائش کے احکام: مفتی تقی عثمانی صاحبؒ

صلح حدیبیہ کے موقع سے یہ مدینہ آئیں اور یہ اپنے ساتھ ہدایا کی شکل میں زیتون، گھی وغیرہ لے آئیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنے گھر میں آنے سے روک دیا، اور ان کے ہدایا بھی قبول نہ کیے، پھر حضور ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمادی، " لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ " (۱)

ابن الزبیر کہتے ہیں کہ: یہ آیت حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس وقت ان کے پاس قتیلہ بنتِ عبد العزی ہدایا لے کر مدینہ آئی تھیں، اور انہوں نے ان ہدایا کو قبول نہیں کیا تھا، اور ان کو گھر میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے اس بابت دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ان کو گھر میں آنے اور ان کے ہدایا قبول کرنے کی اجازت دی "فأمرها رسول الله أن تدخلها منزلها وتقبل هديتها وتحسن اليها" (۲)

اور فرمایا: "وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ" یعنی ان کے ساتھ برابر سرابر کا معاملہ کرو۔ (۳)

☆ کافر ماں باپ اور کافر ساس، سسر سے حسن سلوک

اسلام نے کافر ماں باپ سے بھی حسن سلوک کی تاکید کی ہے، الا یہ کہ وہ اللہ کی نافرمانی اور حکم عدولی کا حکم کریں۔

اسی کو اللہ عزوجل نے یوں فرمایا: " وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِه عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا " (۴) ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اگر وہ میرے ساتھ کفر اور شرک کیلئے مجبور کرتے ہیں جس کا ان کو علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے۔

---

(۱) الممتحنة : ۸

(۲) تفسير الرازي: سورة الممتحنه: ۲۹، ۲۶۳، دار الكتب العلمية، بيروت

(۳) كشف المشكل من حديث الصحيحين : ۱/۱۲۷۵، دار الوطن، الرياض

(۴) العنكبوت : ۸

اس آیت کے شانِ نزول کے تعلق سے ابنِ منذر، ابنِ ابی حاتم اور ابنِ مردویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ: فرماتے ہیں کہ: میری ماں نے کہا: میں نہ کھاؤں اور نہ پیوں گی جب تک تم محمد کا انکار نہیں کرتے، اور وہ کھانے پینے سے رک گئیں، ان کو زبردستی کھلانا پڑا، ” فامتنعت من الطعام والشراب“ (۱)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو فتح مکہ کے دن اپنے پیچھے سوار کئے حضور ﷺ کے پاس لائے، حضور ﷺ نے ابوسفیان کو دیکھ کر فرمایا: ابوسفیان تمہارا ناس ہو! کیا تمہیں ابھی اللہ کے ایک ہونے کا علم نہیں، ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، کیا ہی تم رحیم وکریم ہم نشین ہو، مجھے پتہ ہوگیا ہے کہ اگر اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہوتا مجھے اس سے بے نیاز کرتا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے! ابوسفیان: کیا ابھی میرے اللہ کے رسول ہونے کا علم نہیں ہوا؟ انہوں نے کہا: ابھی اس بارے میں شک ہے، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: تیری تباہی ہو قبل اس کے کہ تیری گردن اڑا دی جائے اسلام قبول کرلے، چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوسفیان اپنے لئے اعزاز چاہتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے وہ مامون ہے، ”من دخل دار ابی سفیان فهو آمن ومن أغلق عليه بابه فهو آمن“ (۲)

یہ حضور ﷺ کا اپنے کافر سسر کے ساتھ سلوک اور حسن برتاؤ کا نمونہ ہے۔

آپ ﷺ کی ساس ہند بنت عتبہ یہ بھی مسلمانوں کو ختم کرنے اور ان کو اذیتیں دینے میں پیش پیش تھیں، آپ ﷺ کے چہیتے چچا کے قتل کی سازش انہوں نے ہی رچی تھی، یہ بھی فتح مکہ کے موقع سے قبولِ اسلام کیلئے حاضر ہوئیں، جب عورتوں کے بیعت کی باری آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ولا يسرقن ولا يزنين“ تو ہند نے کہا: کیا آزاد عورت زنا کرتی ہے

---

(۱) الدر المنثور: ۶/۴۵۲، دار الفكر، بيروت

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء فی خبر مكة، حديث: ۳۰۲۱، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں: اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے: مسند احمد: مسند أبي هريرة، حديث: ۱۰۹۶۱

اور چوری کرتی ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: ”ولا یقتلن أولادھنّ “ تو ہند نے کہا: ہم نے ان کو بچپن سے پال پوس کر بڑا کیا تھا تم لوگوں نے ان کے بڑے ہونے کے بعد ان کو قتل کر دیا ”ربّینـاھم صغارا وقتلتھم کبارًا “ (۱) بہر حال حضور ﷺ نے اس تیز اور ترش زبان کو بھی گوارا کیا۔

---

(۱) جامع الاصول: ھند بنت عتبه: ۹۹۳/۱۲، مکتبة الحلوانی

غیروں سے مشابہت کی ممانعت
وجوہات و دلائل

دوسری اقوام کے ساتھ رہن سہن، لباس، تراش خراش، بود و باش، عادات و اطوار میں ان کی نقالی اور مماثلت سے بے شمار نقصانات پیدا ہوتے ہیں۔

اس تشبہ کی ممانعت اور قومی امتیاز کے بقا کی وضاحت اور اس سلسلہ میں اصولی گفتگو کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

اپنی شناخت اور اپنے تشخص کو باقی رکھنا امتیازِ قومی کہلاتا ہے (یعنی اپنا لباس، اپنی وضع، اپنی بول چال، اپنا برتاؤ وغیرہ وغیرہ غیر مذہب والوں سے الگ رکھنا) دوسری قوموں کی وضع و عادات بلا ضرورت اختیار کرنے کو شریعت نے منع کیا ہے، پھر ان میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیت نہ بھی رہے تو تب بھی گناہ رہیں گی جیسے داڑھی منڈھوانا یا حد سے باہر کتروانا، گھٹنوں سے اونچا پائجامہ یا جانگیہ پہننا کہ ہر حال میں ناجائز ہے۔

اگر اس کے ساتھ شرعی وضع کو حقیر سمجھے، یا اس کی برائی کرے، تو پھر گناہ سے گزر کر کفر ہو جائے گا اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ اگر دوسری قوموں سے ان کی خصوصیت نہ رہے تو گناہ نہ رہیں گی اور خصوصیت نہ رہنے کی پہچان یہ ہے کہ ان چیزوں کو دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ کھٹک نہ ہو کہ یہ وضع تو فلانے لوگوں کی ہے، جیسے انگرکھا اور اچکن پہننا مگر جب تک یہ خصوصیت ہے، اس وقت تک منع کیا جائے گا، جیسے ہمارے ملک میں کوٹ پتلون پہننا، یا گرگابی پہننا، یا دھوتی باندھنا، یا عورتوں کو لہنگا پہننا، پھر ایسی چیزوں میں جو چیزیں دوسری قوموں کی محض قومی وضع ہیں جیسے کوٹ پتلون وغیرہ یا قومی وضع کی طرح ان کی عام عادت ہے، جیسے میز کرسی پر یا چھری کانٹے سے کھانا، اس کے اختیار کرنے سے تو صرف گناہ ہی ہوگا،

کہیں کم کہیں زیادہ اور جو چیزیں دوسری قوموں کی مذہبی وضع ہیں، ان کا اختیار کرنا کفر ہوگا، جیسے صلیب لٹکانا یا سر پر چوٹی رکھ لینا، یا جنیو باندھنا، یا ماتھے پر قشقہ لگا لینا یا ”جے“ پکارنا وغیرہ اور جو چیزیں دوسری قوموں کی نہ قومی وضع ہیں، نہ مذہبی وضع ہیں، گو ان کی ایجاد ہوں اور عام ضرورت کی چیزیں ہیں جیسے دیا سلائی یا گھڑی یا کوئی حلال دوا یا مختلف سواریاں یا ضرورت کے بعضے نئے آلات جیسے ٹیلی گراف یا ٹیلیفون یا نئے ہتھیار یا نئی ورزشیں، جن کا بدل ہماری قوم میں نہ ہو، ان کا برتنا جائز ہے، نہ کہ گانے بجانے کی چیزیں جیسے گراموفون یا ہارمونیم وغیرہ، مگر ان جائز چیزوں کی تفصیل اپنی عقل سے نہ کریں؛ بلکہ علماء سے پوچھ لیں اور مسلمانوں میں جو فاسق یا بدعتی ہیں خواہ وہ بدعتی دین کے رنگ میں ہوں خواہ دنیا کے رنگ میں ہوں ان کی وضع اختیار کرنا بھی گناہ ہے، گو کافروں کی وضع سے کم سہی؛ بلکہ مرد کو عورت کی وضع اور عورت کو مرد کی وضع بنانا گناہ ہے، پھر ان سب ناجائز وضعوں میں اگر پوری وضع بنائی زیادہ گناہ ہوگا، اگر اَدھوری بنائی اس سے کم ہوگا اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ یہ مسئلہ جس طرح شرعی ہے، اسی طرح عقلی بھی ہے، کیوں کہ مرد کیلیے زنانہ وضع بنانے کو ہر شخص عقل سے بھی برا سمجھتا ہے، حالاں کہ دونوں مسلمان اور صالح ہیں تو جہاں مسلمان اور کافر کا فرق ہو یا صالح و فاسق کا فرق ہو وہاں کافر یا فاسق کی وضع بنانے کو کس کی عقل اجازت دے سکتی ہے۔

اس تشبہ اور مماثلت کے درجے ہو سکتے ہیں:

(الف) دوسری قوموں کے مذہبی شعائر میں مماثلت اختیار کی جائے، جیسے مسلمان صلیب یا زنار پہننے لگیں، یا سکھوں کے جو مخصوص شعائر ہیں ان کو استعمال کریں، فقہاء نے اسے باعثِ کفر قرار دیا ہے، مجوسی خاص قسم کی ٹوپی پہنا کرتے تھے، فقہاء نے اس پر کفر کا حکم لگایا ہے: ”ولو وضع علی رأسه قلنسوة المجوس کفر“ (۱)

اسی طرح فقہاء کے یہاں زنار کے بارے میں بھی ملتی ہے، ہندوستان میں قشقہ لگانے کا حکم بھی یہی ہے، کیوں کہ وہ ہندو بھائیوں کے مذہبی شعائر میں ہے۔

---

(۱) الملتقط في الفتاوى الحنفية : ۲۴۵

(ب) غیر مسلم مذہبی تہواروں میں شرکت، یہ اگر یوں ہی ہو، یا اس کا مقصد اپنے گمان کے مطابق رواداری ہو تو حرام ہے اور اگر ان کے مذہبی معتقدات اور افعال پر خوشنودی ورضامندی کا اظہار اور تائید و تحسین مقصود ہو تو کفر ہے، "إنما الرضا بالكفر مستحسنا كفر" (۱)

کیوں کہ آدمی جس مذہب پر عقیدہ نہ رکھتا ہو، اور اپنے عقیدہ کے مطابق اس کو نادرست خیال کرتا ہو، اس میں شرکت اور اس پر رضامندی وخوشنودی کا اظہار کھلی ہوئی دوعملی اور نفاق کی بات ہے۔

(ج) تیسرا درجہ تہذیبی تشبہ کا ہے، یعنی ایسی وضع قطع اور لباس جو کسی خاص قوم کی شناخت بن گئی ہو، اور اس کا مذہب سے تعلق نہ ہو، اس کو اختیار کرنا، جیسے ہندوستان میں دھوتی کہ اس کا مذہب سے تعلق نہیں، لیکن ہندو بھائیوں کی پہچان سی بن گئی ہے، اگر کسی کو دھوتی میں ملبوس دیکھا جائے تو ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ وہ ہندو ہے، ایسی مماثلت اور مشابہت اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے، علامہ ابن تیمیہ اس قسم کی تشبہ پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

لیکن تشبہ کی اس جہت میں تبدیلی آتی رہتی ہے، کیوں کہ اگر کوئی وضع ایک عہد میں کسی قوم کی پہچان بن گئی ہو، اور بعد میں اس کا استعمال عام ہو جائے اور وہ کسی خاص مذہبی گروہ کی شناخت باقی نہ رہ جائے تو پھر تشبہ کی کیفیت ختم ہو جائے گی اور اس کا استعمال جواز کی حد میں آجائے گا، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے کوٹ، پینٹ کے بارے میں (۲) اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ساڑی کے متعلق یہی لکھا ہے۔

۱- امحاءِ امتیاز: (امتیاز کا مٹ جانا)

غیر اقوام سے مشابہت کی وجہ سے اسلام اور کفر کے درمیان کوئی امتیاز اور فرق باقی نہیں رہ جاتا، حالانکہ اسلام ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان اپنی شناخت کھودے، دوسری اقوام میں

---

(۱) الملتقط: ٢٤٥

(۲) امداد الفتاوی: ٤ / ٢٦٨

رَل مل جائے، اسلام چونکہ ایک کامل و مکمل مذہب ہے، وہ یہ کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ لباس، تراش خراش اور عادات واطوار میں غیر قوموں کے طور طریق کو اپنا کر اسلامی شناخت کو کھودیا جائے جب ایک معمولی سی کمپنی اور اسکول چلانے والا اپنا ایک مستقل یونیفارم کمپنی کے کارکن اور اسکول کے اسٹوڈنٹس کیلئے ایک لباس اور اس کا رنگ مخصوص کرتا ہے، تو اسلام یہ کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ اس کی تہذیب وتمدن، اس کی ثقافت ومعاشرت علاحدہ نہ ہو، اور اس کو صرف عبادات کی حد اختیار کر کے باقی معاشرت، معاملات اور اخلاقیات وغیرہ میں غیروں کے طریق کو اپنائے، پھر اسلام کے معاشرتی، اخلاقی اور معاملاتی تہذیب وتمدن کو کیا کیا جائے، کیا کوئی اس کا مصرف نہیں؟

☆ اسی غیروں سے مشابہت کی ممانعت کو بتلاتے ہوئے اللہ عزوجل نے فرمایا: ”وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ“ (١) حق کو باطل میں نہ ملاؤ اور جانتے بوجھتے حق کو مت چھپاؤ۔

غیر اقوام کی تہذیب ان کے عادات واطوار کو اپنا کر حق کو باطل کے ساتھ رَل مل کرنا ہے اس طرح سے تو نیکی نیکی نہ رہے گی اور نہ ظلمت ظلمت رہے گی؛ بلکہ ایک تیسری چیز ہوجائے گی۔

☆ جنابِ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ عزوجل نے فرمایا: ”ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَاتَتَّبِعْ اَهْوَاۤءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ“ (٢) پھر ہم نے آپ ﷺ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے رہیئے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلیئے۔

☆ اور فرمایا: ”وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ، ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ“ (٣) اور تقوی کا لباس یہ اس (عام لباس) سے بڑھ کر ہے، اور یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، شاید یہ لوگ بیدار ہوں۔

☆ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے معرکۃ الآراء خطبے میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے

---

(١) البقرة: ٤٢ (٢) الجاثية: ١٨ (٣) الاعراف: ٢٦

منع تشبہ کی بابت فرمایا: " ألا كل شيء من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع " (۱) خبردار ہو جاؤ کہ جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئی۔

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت (صورتاً بھی) اختیار کرے گا وہ (انجام کار) اسی میں قوم میں (حقیقۃً بھی) ہو جائیگا "من تشبّه بقوم فهو منهم " (۲)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ ظاہری مشابہت جس قوم کے ساتھ اختیار کی جائے گی خواہ ابرار کے ساتھ ہو یا اخیار کے ساتھ، یا اشرار و فجار کے ساتھ، خیر میں ہو یا شر میں، معاشرت میں ہو، یا تہذیب و تمدن میں، انجام یہ ہے کہ مشابہت اختیار کرنے والا اپنا وجود چھوڑ کر اس قوم کے وجود میں مدغم ہو جائے گا جس کے ساتھ اس نے تشبّہ کیا۔

☆ حضرت حذیفۃ ابن الیمان رضی اللہ عنہ کو ایک ولیمہ میں بلایا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے جا کر دیکھا کہ اس تقریب میں کچھ عجمی رسم ادا کی گئی ہیں تو واپس ہو گئے، اور فرمایا: "من تشبه بقوم فهو منهم " (۳)

☆ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر دو کپڑے کسم کے رنگے ہوئے دیکھے فرمایا: یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہیں، ان کو مت پہنو "إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها " (۴)

☆ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹوپیوں کے اوپر

---

(۱) مسلم: باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم، حديث: ۱۲۱۸، ابن ماجة: باب حجة رسول الله، حديث: ۳۰۷۴

(۲) ابوداؤد: باب في لبس الشهرة، حديث: ۴۰۳۱، امیر عز الدین فرماتے ہیں کہ: اس کی ابوداؤد نے تخریج کی ہے اور اس کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

(۳) المنهج القويم في اختصار اقتضاء الصراط المستقيم: فصل الكلام على اجماع العلماء ۱/ ۵۹، دار عالم الفوائد، مكة المكرمة

(۴) مسلم : باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر، حديث : ۲۰۷۷

عماموں کا ہونا فرق ہے، ہمارے اور مشرکین کے درمیان "إن فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس" (۱) یعنی ہم عمامہ ٹوپیوں کے اوپر باندھتے ہیں اور مشرکین صرف عمامہ باندھتے ہیں۔

☆ حضرت ابوریحانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس چیزوں سے منع فرمایا (ان میں یہ بھی ہے، یعنی) اس سے بھی کہ کوئی شخص اپنے کپڑوں کے نیچے حریر ریشم لگائے مثل عجمیوں کے یا اپنے شانوں پر حریر لگاوے مثل عجمیوں کے "ويجعل على منكبيه حريرا مثل الأعاجم" (۲)

☆ حضرت حجاج بن حسانؒ سے روایت ہے کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے حجاج اس وقت بچے تھے اور تمہارے (سر پر) بالوں کے دو چٹلے یا گچھے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی اور فرمایا: ان کو منڈوا دو یا کاٹ دو، کیوں کہ یہ وضع یہود کی ہے، "احلقوا هذين و قصوهما فإن هذا زي اليهود" (۳)

☆ حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صاف رکھو اپنے مکانوں کے سامنے کے میدانوں کو اور یہود کے مشابہ مت بنو "فنظفوا أراه قال أفنيتكم ولا تشبهوا باليهود" (وہ میلے کچیلے ہوتے تھے۔ (۴)

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: (جاہل) دیہاتی لوگ مغرب کی نماز کے نام میں غالب نہ آجائیں اور (یہ) دیہاتی اس کو عشاء کہتے تھے (یعنی تم اس کو عشاء مت کہو مغرب کہو) اور یہ بھی فرمایا کہ (جاہل) دیہاتی لوگ عشاء کی نماز کے نام میں تم پر غالب نہ آجائیں؛ کیوں کہ وہ کتاب اللہ میں عشاء ہے (اور وہ اس کو عتمہ کہتے تھے)

---

(۱) ترمذی: باب العمائم على القلانس، حدیث: ۱۷۸٤، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد: اللباس، من كرهه، حدیث: ٤٠٤٩

(۳) ابوداؤد: الترجل، باب ما جاء في الرخصة، حدیث: ٤١٩٧، البانی نے اس کو ضعیف الاسناد کہا ہے۔

(۴) ترمذی: باب ما جاء في النظافة، حدیث: ۲۷۹۹، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے خالد بن ایاس ضعیف ہیں۔

اس لئے کہ عتمہ (یعنی اندھیرے) میں اونٹوں کا دودھ دوہا جاتا تھا " لا تغلبنكم الأعراب علٰى اسم صلاتكم إلا إنها العشاء وهم يعتمون بالإبل" اس سے معلوم ہوا کہ بول چال میں بھی غیروں اور دین سے ناواقف لوگوں کی مشابہت اختیار نہ کرنا چاہئے۔ (۱)

☆ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کو عرب کے لہجے میں اور بلند آواز میں پڑھو (یعنی صحیح اور بلاتکلف) اور اپنے کو اہل عشق کے لہجے سے اور دونوں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے لہجے سے بچاؤ۔ (۲)

جب گھر سے باہر کے میدانوں کو میلا رکھنا یہود کی مشابہت کے سبب ناجائز ہے تو خود اپنے بدن کے لباس میں مشابہت کیسے جائز ہوگی۔

☆ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ گدی کے بال منڈوانا کیسا ہے؟ فرمایا کہ یہ تو مجوسیوں کا فعل ہے، "وكره حلق القفا وقال: هو من فعل المجوس، من تشبه بقوم فهو منهم" (۳)

☆ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے معمولی چیزوں میں بھی تشبہ بالاغیار سے بچانے کے احکام نہایت قوت سے صادر کئے تھے، چنانچہ انہوں نے ایک طویل فرمان آذربائجان کی عرب رعایا کے نام بھیجا تھا، جس کے چند جملے پیشِ خدمت ہیں، جس میں قومی خصائص کے باقی رکھنے پر کس قدر شدت سے ابھارا گیا ہے، " فاتزروا واتدوا وانتعلوا ودعوا الخفاف وانفوا السراويلات ، عليكم بلباس أبيكم ، واياكم التنعم وزى العجم ، وعليكم بالشمس فانها حمام العرب ، وتمعدوا واخشوشنوا واخلولقوا واقطعوا الركب وارموا الأغراض وانزوا (۴)

---

(۱) مسلم: باب وقت العشاء وتاخيرها ، حديث: ٦٤٤

(۲) شعب الايمان ، حديث: ٢٦٤٩

(۳) اقتضاء الصراط المستقيم: فصل فى ذكر اجماع الصحابة: ٣٧/٦، دار عالم الكتب بيروت

(۴) كنز العمال: الحرير، حديث: ٤١٨٧٠

بعد الحمد والصلوۃ: اے لوگو! اِزار اور چادر استعمال کرو، چپل پہنو، خفاف ترک کرو پاجاموں کے (پابند مت بنو) اپنے جدِ اعلیٰ اسماعیل علیہ السلام ہی کا لباس اپنے لئے ضروری سمجھو اور خبردار تنعم اور عجمیوں کی ہیئت ومشابہت اختیار نہ کرو، حمام کی ضرورت ہو تو دھوپ کو کافی سمجھو، یہی عرب کا حمام ہے، طفلانہ شوخی اختیار نہ کرو، کھر دُرا کپڑا پہنو، پھٹے پرانے سے پرہیز نہ کرو، سواری کرتے رہو، نشانہ بازی کو شعار بناؤ، کود، پھاند اور بھاگ دوڑ کو جاری رکھو۔

لباس میں، معاشرت میں اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں اس پچھلی روش پر پختہ رہنے کی ہدایت دینے کی سے غرض وہی قومی امتیاز قائم کرنا اور تشبہ والتباس کا مٹانا ہے۔

خلافتِ فاروقی میں جب عجمی ممالک میں فتوحات کا دائرہ بڑھا اور عجمیوں کا اختلاط بڑھنے لگا تو بہت زیادہ اس تحفظِ حدود کا اہتمام کیا گیا، کیونکہ بہت عربوں کا اپنی خالص اور سادہ عربیت کو چھوڑ کر عجمیوں کی نظر پرفریب معاشرت کے شکار ہونے کا اندیشہ تھا۔

وہیں ادھر غیر مسلم عجمیوں کو بحالتِ کفر مسلمانوں کے لباس وہیئت کو اختیار کرنے سے منع کیا گیا؛ تا کہ ہر ایک اپنی خصوصیات میں نمایاں رہیں۔

چنانچہ عہدِ فاروقی میں تمام قلمروِ خلافت میں یہ اعلان کروایا اور عملاً نافذ کیا گیا کہ، ذمیوں سے بطورِ شرائط یہ عہد لیا گیا: ”ان نوقر المسلمین ونقوم من مجالسنا ان ارادو الجلوس ولا نتشبه بهم فی شیء من ملابسهم قلنسوة أو عمامة أو نعلین أو فرق شعر، ولا نتكلم بكلامهم ولا نتكنی بكناهم ولا نركب السروج ولا نتقلد السیوف ولا نتخذ شیئا من السلاح ولا نحلی ولا ننقش خواتیمنا بالعربیة ولا نبیع الخمور وان نجز مقادم رؤوسنا وان نلزم زیّنا حیثما كنا وان لا نظهر الصلیب علی كنائسنا ولا نظهر صلیبًا ولا كتبا فی شیء من طرق المسلمین ولا أسواقهم ولا نضرب بنوا قیسنا فی كنائسنا الا ضربًا خفیفًا ولا نرفع أصواتنا مع موتانا ولا نظهر النیران معهم فی شیء من طرق المسلمین (وفی روایة) ولا نرفع أصواتنا

فی الصلوۃ ولا القراءۃ فی کنائسنا فیما یحضرہ المسلمون ولا نخرج باعوثا ولا شعانیا وان لا نجاورھم بالجنائز "(۱)

ہم مسلمانوں کی توقیر کریں گے، ہم اپنی مجلسوں سے کھڑے ہوجائیں گے، اگر وہ بیٹھنے کا ارادہ کریں گے، ہم ان کے ساتھ کسی بات میں مشابہت وتشبہ لباس میں نہ کریں گے، ٹوپی ہو یا عمامہ، جوتے ہوں یا سر کی مانگ، ہم ان کا سا کلام نہ کریں گے، ہم ان کی کنیتیں نہ رکھیں گے، ہم زین پر گھوڑے کی سواری نہ کرائیں گے، تلوار نہ لٹکائیں گے، کوئی ہتھیار نہ رکھیں گے، ہم اپنی مہروں کے نقش عربی میں کندہ نہ کرائیں گے، شراب کا بیوپار نہ کریں گے، ہم طرہ (سر کے اگلے حصے کے وہ بال ہیں جو بطور فخر وتزئین کے رکھے جاتے ہیں) کٹوادیں گے (جیسا کہ آج بھی انگریزی بالوں کے نام سے یہ طرہ مشہور ہے) ہم جہاں بھی رہیں اپنی ہی وضع میں رہیں گے، ہم اپنی کمروں پر زنار نہ باندھیں گے، گرجوں پر صلیب کو ظاہر نہ کریں گے، مسلمانوں کے راستوں اور بازاروں میں اپنی کتابوں اور صلیب کو ظاہر نہ کریں گے، ہم اپنے گرجوں میں ناقوس نہایت ہلکی آواز میں بجائیں گے، مسلمانوں کی سڑکوں میں ہم اپنے مردوں کے ساتھ آگ نہ جائیں گے (یہ مجوس کے متعلق ہے کیونکہ وہ آگ کے پجاری ہیں)۔

(پھر حرب کی روایت میں ہے کہ) ہم اپنی نمازیں بلند آواز سے نہ پڑھیں گے، اگر مسلمان کہیں قریب ہوں تو گرجوں میں قرات بھی زور سے نہ پڑھیں گے اور نہ ہم دعاءِ استسقاء کیلئے ہجوم لے جائیں گے، اور نہ اتوار کی عید اور اس کا جشن منائیں گے، ہم مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن بھی نہ کریں گے۔

پس تشبہ کی ممانعت جس طرح ایک سچے مذہب کے بقاء وتحفظ کا ضامن ہے، اسی طرح اس کی عزت وشوکت اور خودداری قائم رکھنے کا بھی کفیل ہے۔

اس مشابہت اور تشبہ پر قدغن لگانے اور غیر اقوام سے ظاہری امتیاز قائم کرنے کیلئے فرمایا:

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم : فصل فی ذکر اجماع الصحابۃ ، حدیث : ٢٥/٦، دار عالم الکتب ،بیروت ،لبنان

"خالفوا المشركين حفاو الشوارب واعفوا اللحى (وفي رواية) جزوا الشوارب ارخوا اللحى" مشرکین کے خلاف کرو، مونچھیں پست کرواور ڈاڑھیاں بڑھاؤ، (اور ایک روایت میں ہے) مونچھیں کتر دو، اور ڈاڑھیاں لٹکاؤ۔ (۱)

پھر جو اقوام ڈاڑھیاں رکھتے ہیں، ان کے یہاں داڑھی کے حوالہ سے کوئی حد بندی نہیں تھی، ان قوموں کی مخالفت کیلئے زائد از یکمشت ڈاڑھی کو لینے کا حکم دیا، حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ فرماتے ہیں کہ "كان رسول الله يأخذ من لحيته من عرضها وطولها" رسول اللہ اپنی ریش مبارک کو طول سے لیتے تھے اور عرض سے بھی۔ (۲)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے گدی کے بال منڈوانے کی یہ کہہ کر ممانعت کردی تھی کہ یہ مجوس کا فعل ہے "قال المزوری: سألت أبا عبد الله يعني احمد بن حنبل عن حلق القفا فقال: هو من فعل مجوس ومن تشبه بقوم فهو منهم" (۳)

امام مزوری نے فرمایا کہ: میں نے ابوعبداللہ یعنی حضرت امام احمد بن حنبل سے حلق قفا (گدی) کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: یہ مجوسیوں کا کام ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہوجاتا ہے (اس لئے مسلمانوں کو صرف سامنے کے بال بڑے رکھنے سے انگریزوں سے مشابہت کی وجہ سے منع کیا گیا)۔

بعض حکماء کا قول ہے کہ: "من رقّ ثوبه رقّ دينه" جس شخص کے کپڑے باریک ہوتے ہیں اس کا دین بھی ضعیف اور کمزور ہوتا ہے۔ (۴)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک آذربائیجان جانے والے فرمان میں تلقین فرمائی "عليكم بلباس أبيكم اسماعيل وايّاكم والتنعم وتمعدوا واخشوشنوا

---

(۱) بخاری: باب تقليم الأظفار، حديث: ۵۵۵۳

(۲) ترمذی: الأخذ من اللحية، حديث: ۲۷۶۲، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۳) اقتضاء الصراط المستقيم: فصل في ذكر الأدلة، ۱۱۳/۴

(۴) فيض القدير: حرف السين: ۱۲۹/۴، المكتبة التجارية، مصر

واخلولقوا" (۱) اپنے باپ اسماعیل علیہ السلام کے لباس کو لازم پکڑو، اور تنعم سے بچو اور موٹے وسخت پرانے کپڑے پہنا کرو۔

۲۔ استخفافِ اوضاعِ شریعت (شریعت کی وضع وقطع کی حقارت)

شریعت نے اصولی طور پر لباس میں سادگی اور بذاذت کو پسند کیا ہے، اوران میں روحانی منافع کوملحوظ رکھا ہے، تشبہ بالغیر سے اس اسلامی لباس کی حقارت اور استخفاف اور استہزاء (مذاق) لازم آتا ہے، چنانچہ انگریزی معاشرت کے دلدادہ حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اسلامی ثقافت وتہذیب اور سادگی پسندی خواہ وہ لباس میں ہو یا معاشرت میں وقعت واحترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتے؛ بلکہ حقارت اور نچلی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسلام کی توہین یہ منافقین کا شعار ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "من سرّہ أن یجد حلاوۃ الایمان فلیلبس الصوف تذللا لربه عزوجل" (۲) جسے یہ پسند ہو کہ وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے اسے چاہئے کہ اپنے خدا کے سامنے تواضع ومسکنت اختیار کرنے کیلئے صوف کا استعمال کرے۔

اور فرمایا: "الا تستمعون الا تستمعون أنّ البذاذۃ من الایمان، أنّ البذاذۃ من الایمان" (۳) کیا تم سنتے نہیں ہو؟ کیا تم سنتے نہیں ہو کہ پراگندہ حالی (پھٹے حال رہنا) ایمان کی علامت ہے۔

اور فرمایا: "انّما یلبس الحریر فی الدنیا من لا خلاق له فی الاخرۃ" (۴) دنیا میں ریشم وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

اس کے علاوہ جو نہایت نرم وملائم، زرق وبرق لباس پہنتے ہیں ان میں تکبر، فخر اپنی برتری وبڑائی کا حصہ جلد سرایت کرجاتا ہے، جس سے ایک مسلمان کا بری ہونا ضروری ہے، اس لئے

---

(۱) کنزالعمال: الحریر: حدیث: ٤١٨٧٠
(۲) کنز العمال: الباب الأول فی الترغیب فیها، حدیث: ٤١١١
(۳) ابوداؤد: کتاب الترجل، حدیث: ٤١٦١
(۴) نسائی: التشدید فی لبس الحریر، حدیث: ٥٣٠٧، بخاری: باب تجمل للوفود، حدیث: ٥٧٣١

فرمایا کہ: ”یا اباذر البس الخشن الضیق حتی لا یجد الغرو الفخر مساغا“(۱) اے ابوذر! موٹا اور تنگ کپڑا پہنا کرو، تا کہ تمہارے اندر فخر اور تکبر راستہ نہ پائے۔

اسی طرح لباس اور رہن سہن میں ٹھاٹ باٹ یا عیش کوشی اور راحت طلبی بغیر مال کی زیادتی اور افراط کے ممکن نہیں، اس طرح ایک راحت طلب شخص کے دل میں اموال جمع کرنے کا داعیہ پیدا ہوگا، جس سے بخل کا دروازہ کھلے گا اور ایثار و ہمدردی کے جذبات سست پڑ جائیں گے، پھر قناعت کا جذبہ بھی ختم ہوگا، پھر یہ جمع اموال کا جذبہ دھوکہ دہی، خیانت، لوٹ کھسوٹ، چوری چکاری پر آمادہ کرے گا۔

۳- میلان باغیار (غیروں کی جانب میلان ورجحان)

پھر غیروں سے مشابہت اختیار کرنے کا جذبہ ان کی طرف میلان اور رغبت کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا، اور یہ میلان خود ایک ممنوع شرعی ہے ”وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ“ (۲) جن لوگوں نے ظلم کیا ان کی طرف میلان نہ رکھو ورنہ تم کو جہنم کی آگ چھولے گی۔

اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا: ”ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ“ (۳) پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا، سو آپ اسی طریقہ پر چلتے رہئے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے۔

اور فرمایا کہ: ”وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ“ (۴) اور اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کا اتباع کرنے لگیں گے بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم پہنچ چکا تو اللہ کے مقابلے نہ کوئی آپ کا مددگار اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا۔

---

(۱) کنز العمال: الاکمال من البذاذة، حدیث: ٥٦٢٣

(۲) الهود: ١١٣

(۳) الجاثية: ١٨

(۴) البقرة: ١٢٠

۴۔ الغاء تعاملِ سلف: (سلف کے لباس کے متعلق معمول کو لغو سمجھنا)

اسی طرح سلف صالحین نے ہر زمانے میں تشبہ کی ممانعت پر زور دیا ہے، اور لباس کو خصوصیت کے ساتھ تشبہ سے بچانے کی کوشش کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وفاء (باندی کے) بدن سے آزاد عورتوں والا لباس اتروانا اور ڈانٹ کر کہنا کہ "تشبهين بالحرائر" (۱) کیا تم آزاد عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا چاہتی ہو، (ان کی طرح چہرہ چھپانا چاہتی ہو، جبکہ تم باندی ہو، آزاد عورت کا مقام تمہیں حاصل نہیں)۔

☆ ابن ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے کہا گیا کہ: ایک عورت (مردانہ نعل) جوتا پہنتی ہے، "إن امرأة تلبس النعل" انہوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مردانی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ (۲)

ایک شخص روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ام سعد دختر ابو جہل کو دیکھا کہ ایک کمان لٹکائے ہوئے تھی، اور مردوں کی چال چل رہی تھی، عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: یہ ام سعد دختر ابو جہل ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے: ایسا شخص ہم سے الگ ہے جو عورت ہو کر مردوں کی مشابہت کرے یا مرد ہو کر عورتوں کی مشابہت کرے۔ (۳)

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں عربی کمان تھی، آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں فارس کی کمان تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو پھینک دو اور (عربی کمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) اس کو لو اور جو اس کے مشابہ ہے "وعليكم بهذه وأشباهها" (۴)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة: فی الامة تصلی بغیر خمار، حدیث: ٦٢٣٩

(۲) ابوداؤد: باب لباس النساء، حدیث: ٤٠٩٩، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۳) شعب الإیمان، حدیث: ٢٦٤٩، ٢٦٥٠

(۴) ابن ماجة: باب السلاح حدیث: ٢٨١٠، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند میں عبد اللہ بن بشر الحبانی ہیں جن کو یحیٰ القطان وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، اور ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ برتنے کی چیزوں میں بھی غیر قوم سے مشابہت سے بچنا چاہئے۔

پھر عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا نصاریٰ بنی تغلب کے وفد کے عربی لباس کو اُتروا دینا۔

"دخل ناس من بني تغلب على عمر بن عبد العزيز وعليهم العمائم كهيئة العرب فقالوا يا أمير المؤمنين! الحقنا بالعرب قال: فمن أنتم؟ قالوا نحن بنو تغلب، قال: أولستم من اواسط العرب؟ قالوا: نحن نصارىٰ. قال علي بمقص فأخذ من نواصيهم والقى العمائم وشق ردأ كل واحد شبرًا يحترم به وقال لا تركبو السرج واركبوا على الأكف ودلوا أرجلكم من شق واحد" (۱)

بنی تغلب کے کچھ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس حاضر ہوئے جو عربوں کے مانند عمامے باندھے ہوئے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ: امیر المؤمنین! ہم کو عربوں ہی میں شمار کر لیجئے (یعنی عرب کے حقوق دیجئے) فرمایا کہ: تم کون لوگ ہو؟ عرض کیا: ہم بنی تغلب ہیں، فرمایا کہ: تم عربوں میں سے نہیں ہو؟ (یعنی ظاہری لباس وغیرہ تو تمہارا تم کو عرب بتا رہا ہے) عرض کیا کہ نہیں، ہم تو نصاریٰ ہیں، فرمایا کہ: میری قینچی لائی جائے، سو اسی وقت ان کی پیشانیوں کا طرہ کاٹ ڈالا، ان کے عمامے گرا دیئے، اور ہر ایک کی چادر میں بالشت بھر چوڑی پٹی اتار دی تا کہ ان کی کمروں میں پٹکے کی طرح باندھ دی جائے، جو نصاریٰ کا خاص امتیازی شعار ہوتا ہے اور عربوں سے ان کو متمیز کیا، پھر فرمایا کہ: زینوں پر مت سوار ہو، بلکہ پالانوں پر سوار ہو کر اپنے دونوں پیر ایک طرف لٹکا دو۔

امام ابوداؤدؒ کے ایک استاذ نے امیر وقت کو رقیق پارچوں میں ملبوس دیکھ کر کہا تھا " أميرنا يلبس ثياب الفساق "ہمارے امیر فسّاق کے کپڑے پہنتے ہیں۔ (۲)

حضرت صفیہ بنت ابی عبید فرماتی ہیں کہ: ایک عورت نکلی جس پر خمار بھی تھی اور جلباب

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقيم: فصل في ذكر اجماع الصحابة: ۶/۶، دار عالم الكتب، بيروت

(۲) سنن الترمذي: حديث: ۲۲۲۴، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(برقعہ) بھی تھا، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ: یہ کون ہے؟ کہا گیا کہ: یہ باندی ہے اوران ہی کے گھرانے کی ہے، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنی زوجۂ محترمہ کو پیغام بھیجا "ما حملك ان تخمری هذه الأمة وتجليها وتشبهيها بالمحصنات حتى هممت ان اقع بها لا احسبها الا من المحصنات" (۱)
تمہیں کس نے کہا تھا کہ: اس باندی کو اوڑھنی اڑھاؤ، اور برقع پہناؤ اور آزاد خواتین کے ساتھ مشابہ بنادو، میرا ارادہ ہوا کہ میں باندی کو سزا دوں، میں تو اسے آزاد ہی سمجھ رہا تھا۔

اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ: حضور ﷺ نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: اس کے ستر ہزار یہود طیلسان پہنے ہوئے ہوں گے، حضور ﷺ کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مسلم جماعت کو دیکھا کہ وہ طیلسان پہنے ہوئے ہے تو کراہت سے فرمایا: "ما شبههم بيهود خيبر" (۲) تعجب ہے کہ یہ لوگ خیبر کے یہود سے کس قدر مشابہ ہیں۔

امام ابو یوسفؒ نے اپنے زمانۂ قضا وحکمرانی میں علماء وفقہاء کیلئے الگ الگ ممتاز لباس تجویز کیا تھا؛ تاکہ فقیہ وغیر فقیہ نمایاں رہیں۔

اس طرح اسلاف کا تعامل اس حوالہ سے یہ رہا ہے کہ انہوں نے غیروں سے مشابہت کو ممنوع اور ان کی مخالفت کو ضروری سمجھا ہے۔

۵- شہادتِ سیئہ: (مسلمانوں کی حق میں گواہی)

ایک مسلمان کو کافرانہ صورت میں دیکھ کر عام گمان یہی ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی اسلامی فرد نہیں یا اگر ہے تو اس کے دل میں مسلمانوں کی وضع قطع کی کوئی عظمت نہیں جو نفاق کی دلیل ہے، پس مسلمانوں کا کسی کے حق میں کافر یا منافق ہونے کا گمان رکھنا یا اس کے غیر مسلم اور اس کے منافق ہونے کی شہادت دینا کیا یہ اللہ کے یہاں کوئی اثر نہیں رکھتا، فهم شهداء الله فی الأرض۔

---

(۱) السنن الكبرى: باب عورة الأمة، حديث: ۳۰۳۷

(۲) زاد المعاد: فصل في ذكر سراويله ونعله: ۱/ ۱۳۴، مؤسسة الرسالة، بيروت

۶- اجراءِ احکام کفار (اس پر کفار کے سے احکام مرتب ہونا)

پھر ان تمام امور سے قطع نظر جب یہ غیروں کی مشابہت اختیار کرنے والا غیر مسلم تصور کیا جائے گا تو یہ ممکن ہے کہ موت کے وقت جب کہ وہ کسی جگہ فوت ہو، احکام دنیا میں کوئی اسلامی ضابطہ اس پر جاری نہ ہو سکے گا، اس کی نمازِ جنازہ اور اس کے مسلمانوں کے مقبرے میں تدفین کا مسئلہ گمبھیر ہو جائے گا، پھر اس کی تجہیز و تکفین بھی کس طریقہ پر ہو؟ یہ امر بھی پیچیدہ ہو جائیگا اور یہ ایک مسلمان کیلئے بڑی محرومی ہے کہ اس کی موت پر احکامِ اسلام کا اجراء نہ ہو اور وہ لاوارث کفار کے طریق پر دفن کیا جائے۔

☆ بعض لوگ غیروں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: غیروں سے تشبہ اختیار کرنے سے کیا کفر لازم آتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کیا شریعت نے انہیں چیزوں کو منع کیا جو کفر کا باعث ہوتے ہیں، یا کفر کے علاوہ اس کے یہاں ممانعت کا کچھ کم درجہ اور بھی ہے، مثلاً کبیرہ گناہ جیسے شراب خوری، جوابازی، زناکاری، لغوگوئی، بہتان بندی، چغل خوری، غیبت شعاری، تفرقہ بازی، فتنہ پروری ان ساری چیزوں کو بھی شریعت نے منع کیا ہے، ان کے ارتکاب سے انسان کافر نہیں ہو جاتا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا ارتکاب کیا جائے؟ ایسے ہی غیروں سے مشابہت سے کفر تو لازم نہیں آتا؛ لیکن اس مشابہت سے اسلام میں اور ایمان میں فرق ضرور پڑتا ہے، جیسے ان مذکورہ بالا گناہوں کے ارتکاب سے ایمان اور اسلام میں فرق کا واقع ہونا مسلَّم ہے۔

☆ پھر تشبہ کی ممانعت پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انسان کے ظاہری اطوار و عادات، رہن سہن، لباس، تراش خراش کا اس کے باطن پر کوئی اثر نہیں ہوتا، ایمان تو قلبی اور دِلی کیفیات کا نام ہے، ایک مسلمان سر سے پیر تک صورت اور ہیئت کے اعتبار سے نصرانی بن جائے تو کیا اس کے اعترافِ توحید و رسالت میں کوئی فرق آ سکتا ہے؟

اگر یہ بات تسلیم بھی کر لیں کہ ظاہری تبدیلی و تغیر سے اسلام کی روح متاثر نہیں ہوتی،

غیر اقوام سے تشبہ کی وجہ سے ایمان فنا نہیں ہوتا...... لیکن کسی بھی چیز کی حقیقت اور کسی بھی چیز کی روح کے برقرار رہتے ہوئے اس کی ظاہری ہیئت بگڑ جائے تو اس کی صورت کا بگڑنا کیا کچھ کم عیب شمار ہوتا ہے۔ ایک لنگڑا، لنجا، اندھا، مقطوع الاطراف اور دنیا بھر کا عیبی انسان بھی باوجود عیوب سے پر اور عاجز و بیکار ہونے کے انسان پکارا جاتا ہے، اور زندہ بھی رہتا ہے، لیکن کیا کوئی اس کیلئے یہ زندگی پسند کر سکتا ہے، یا خود اپنے لئے ایسی زندگی پر قناعت کیا جا سکتا ہے؟ لیکن اسلام کی صرف باطن کی درستگی اور ظاہر کے عیوب کے ساتھ اس کو کیوں کر قبول کیا جاتا ہے؟

ظاہر و باطن یا اسلام و ایمان ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں، جن میں سے کسی ایک پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ایک کے بغیر دوسرا باقی و برقرار رہ سکتا ہے، اس لئے ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ: الایمان والاسلام قرینان لا یصلح أحد منهما الا مع صاحبه (۱) ایمان اور اسلام دو ساتھی ہیں، جن میں کوئی ایک دوسرے کے بغیر باقی نہیں رہ سکتا۔

یہ تو یہودیت کا شیوہ ہوا، ایمان بالبعض، کفر بالبعض، جس ایمان کو بھی قرآن نے کفر کہا ہے ”وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا“ (۲) وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض باتوں کو مانتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے درمیان ایک راستہ (نیا) بنائیں، وہ بلاشبہ کافر ہیں۔

☆ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر ضرور ہوتا ہے، مثال کے طور پر نباتات ہی کو لے لو، پھولوں کی معنویت (خوشبو) ان کے عرق اور نازک پتیوں میں مقید ہے، اگر گلاب و یاسمین کی ان سرخ و سپید پنکھڑیوں کو مسل دو تو یقیناً ان کی خوشبو بھی ختم ہو گی، حالانکہ یہ قطع و برید کا عمل براہِ راست خوشبو پر نہیں واقع ہوا؟ بلکہ ظاہری پتیوں پر ہوا ہے۔

---

(۱) کنز العمال: الفصل الثانی فی المجاز والشعب، حدیث: ۶۰

(۲) النساء: ۱۵۰

خود انسان ہی کو دیکھ لیا جائے اس کی نگاہ کی لطیف طاقت آنکھ کے پردہ میں اور سماعت پردۂ گوش میں ہے، گر آنکھ اور کان کے ظاہر کو توڑ پھوڑ دیا جائے تو کیا یہ باطنی قوتیں بصارت اور سماعت باقی رہ سکتے ہیں، اگر جسم پاش پاش کر دیا جائے تو اس کا اثر روح پر نہیں ہوتا ہے؟ ان کا ان کے باطن پر ضرور اثر ہوگا۔

ظاہری الفاظ کا بھی ایک معنوی اثر ہوتا ہے، اگر کسی کو گالی دے دی جائے تو محض اس ایک لفظ کے بدولت جو ممکن ہے کہ غلطی ہی سے کہا گیا ہو، مخاطب کا خونِ جوش کھولنے لگتا ہے اور اس کے نفس میں ایک زبردست انقلاب اور ہیجان برپا ہوتا ہے۔

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان

اور کسی جوش میں بھرے ہوئے انسان کے کانوں میں چند نرم اور مہذب، خلیقانہ، متواضعانہ الفاظ کہہ دیئے جائیں تو اس کا جوش اور اس کا غیظ وغضب بالکل سرد پڑ جاتا ہے، یہ الفاظ کے ظاہر کا باطنی اثر ہے۔

اگر غسل کے ذریعہ بدن کو صاف ستھرا رکھا جائے تو روح بشاشت کے آثار قبول کرتی ہے، اور اگر مکدر اور پراگندہ رکھا جائے تو روح میں بھی یہی گندگی سرایت کرے گی، اگر میلے کچیلے کپڑے ہوں تو روح میں انقباض اور اضمحلال ہوگا، اگر کپڑوں پر عطریات کا چھڑکاؤ کیا جائے تو روح مسرت، شادمانی کے جذبات سے سرشار ہوگی۔

ایسے ہی ظاہری مشابہت کا اثر روح پر ضرور پڑے گا اور اس مشابہت کی وجہ سے آہستہ آہستہ دل ان کے تمام اعمال وافعال کے اپنانے کو چاہے گا اور ان کے رہن سہن اور طور وطریق کی عقیدت دل میں گھر جائے گی اور اسلام اور شریعت سے ایک قسم کی بغاوت کا ذہن بننا شروع ہو جائے گا، ظاہر کا اثر باطن پر ہوتا ہے اس کی شرعی مثالیں پیش خدمت ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ”استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم“ صفوفِ صلوۃ میں سیدھے رہو تو تمہارے قلوب سیدھے رہیں گے، آگے پیچھے مت رہو، ورنہ قلوب بھی اس طرح متفرق ہو جائیں گے۔(۱)

---

(۱) مسلم: باب تسوية الصفوف، حديث: ۱۰۰۰

اور قرآن ان کے ظاہری اعمال اور ارتکابِ گناہ کا باطنی اثر یہ بتلایا کہ ان کے قلوب حق کے قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوگئے: " كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ "(۱) ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمالِ بد کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے جب ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کے الفاظ دوہرانے اور نقل اتارنے کو کہا، اور ان سے زبان سے کلماتِ توحید و رسالت کے الفاظ ادا کروائے تو ان ظاہری الفاظ کا اثر یہ ہوا کہ وہ مسلمان ہوگئے۔

اسی لئے حدیث کے الفاظ ہیں: " اسلم ولو كنت كارهًا " اسلام لے آؤ، اگر ابتداءً اس سے کراہت بھی ہو۔ (۲)

اسی طرح حدیث میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کی ایک ترکیب یہ بتلائی گئی ہے کہ " فان لم تبكوا فتباكوا " (۳) اگر تم رونہ سکو تو رونے کی صورت ہی بنالو (یعنی بہ تکلف رونے کی صورت بنالینے سے گریہ کی حقیقت دل میں پیدا ہوجائے گی۔

☆ سلام کرنے میں غیروں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے کہ غیروں کی طرح صرف ہاتھ کے اشارے سے سلام نہ کیا جائے؛ حضور ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، اور اس طرح سلام کرنے کو بعض تابعین (عطاء ابن ابی رباح) وغیرہ نے مکروہ کہا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، علامہ ابن بازؒ وغیرہ نے صرف سلام کے الفاظ کے بغیر ہاتھ کے اشارے سے سلام کو حرام کہا ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد حضرت شعیب سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص غیروں کے ساتھ مشابہت کرے گا یعنی ہماری امت کے لوگوں کے برعکس دوسرے مذاہب کے لوگوں کے طریقہ پر عمل کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے، تم نہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت کرو، اور نہ عیسائیوں کے ساتھ،

---

(۱) المطففين: ۱۴

(۲) مسند ابي يعلي: حميد الطويل عن انس بن مالك، حديث: ۳۸۷۹، محقق حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۳) سنن ابن ماجة: باب الحزن والبكاء، حديث: ۴۱۹۶

یہودیوں کا سلام کرنا انگلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنے اور عیسائیوں کا سلام کرنا ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے " فإن تسليم اليهود الاشارة بالأصابع، وتسليم النصارى الإشارة بالأكف "(۱)

یہاں پر غیروں کے ساتھ مشابہت سے بچانے کیلئے خصوصا ان کی طرح ہاتھ سے، سر سے اور اشارہ سے سلام کرنے کو منع کیا گیا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " لا تسلموا تسليم اليهود، فإن تسليمهم بالرؤوس والأكف والإشارة "(۲)

نہی کا صیغہ حرمت پر دلالت کرتا ہے ہاں اگر کوئی صارف پایا جائے تو کراہت پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

البتہ ان مواقع پر اشارہ سے سلام کیا جاسکتا ہے:

جیسے نمازی شرعی رکاوٹ کی وجہ سے الفاظ کے ذریعے سلام نہیں کرسکتا اور گونگا طبعی رکاوٹ کی وجہ سے سلام کرنے سے عاجز ہوتا ہے، علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: وأما من لم يقدر على السلام باللفظ شرعا كالمصلي، أو حسا كالأخرس فيجوز لهما السلام بالإشارة " (۳)

البتہ جو شخص دور ہو یا گونگا ہو تو اس کو اشارے اور تلفظ کے ساتھ سلام کرے، صرف اشارہ پر اکتفا نہ کرے " ولا يقتصر على الإشارة لقدرته على اللفظ " (۴)

البتہ اشارہ اور لفظ دونوں کو جمع کرنا علی الاطلاق جائز ہے، چونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ " مر في المسجد يوما وعصبة من النساء

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في كراهية إشارة اليد بالسلام، حديث: ۲۶۹۵ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

(۲) شعب الإيمان، فصل في السلام على أهل الذمة، حديث: ۸۵۲۰

(۳) فتح الباری: ۱۱/۱۴۰

(۴) كشف القناع للبهوتي: ۲/۱۵۶

قعود، فألوی بیده بالتسلیم" حضور اکرم ﷺ کا گذر ایک روز مسجد کے پاس سے ہوا، عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو سلام کیلئے موڑا۔(۱)

یہاں حضور ﷺ نے تلفظ کے ساتھ ہی اشارہ کیا ہوگا، ورنہ ممانعت کے ساتھ یہ فعل کیسے ہوسکتا ہے؟

☆ برتنوں کے استعمال میں بھی غیروں کی مشابہت اختیار نہ کی جائے، اس لئے کھانے پینے میں سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہے، اس کے علاوہ دیگر استعمالات میں سونے کا استعمال حرام ہے، چونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے " ولا تشربوا في آنية الذهب والفضة، ولا تأكلوا في صحافها، فإنها لهم في الدنيا ولنا في الآخرة" نہ سونے اور چاندی کے برتن میں پینے کی کوئی چیز پیو اور نہ سونے چاندی کی رکابیوں اور پیالوں میں کھاؤ کیونکہ یہ ساری چیزیں دنیا میں کافروں کیلئے ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں، یہاں پر برتنوں کے استعمال کو منع کر کے تمام استعمالات کی ممانعت کی گئی ہے اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ عموماً استعمال برتنوں میں زیادہ ہوتا ہے، ایک تو اس میں غیروں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، اور دوسرے سونے کے برتن وغیرہ کے استعمال سے آدمی میں عجب اور تکبر پیدا ہوتا ہے۔

سونے کے علاوہ دیگر برتنوں میں بھی غیروں کے وہ برتن جو ان کے ساتھ خاص ہیں، مثلاً جو برتن اپنی ہیئت اور صورت کے اعتبار سے ان کے معتقدات کے مشابہ ہو یا اس قسم کے برتن شراب وغیرہ پینے کیلئے استعمال کئے جاتے ہوں، ان میں ان کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ : "إن ذالك إنما ورد تنبيها علي تحريم التشبه بهم فيما يعانونه من أمور الدنيا تاكيدا للمنع منه " (۲)

یہ روایت غیروں سے مشابہت کی حرمت کو بتاتی ہے ان کے امور دنیا میں ان سے مشابہت اختیار کرنے کے حوالے سے۔

---

(۱) ترمذي: باب ما جاء في التسليم على النساء، حديث: ٢٦٩٧

(۲) احكام الإحكام لابن دقيق العيد: ٤/ ٢١٥

☆ کفار کے ساتھ مشابہت سے بچنے کیلئے مردوں کیلئے ریشم کے پہننے کو بھی حرام کیا گیا ہے سوائے اس کے کہ گوٹ وغیرہ کی شکل میں بالکل مختصر ہو یا کسی عارضے اور بیماری کی وجہ سے استعمال کیا جائے تو درست ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے پانی مانگا، ایک مجوسی ان کے پاس پانی لے کر آیا، جب پیالہ ان کے ہاتھوں میں رکھا تو انہوں نے اس کو پھینک دیا اور کہا کہ اگر میں اس کو ایک یا دو مرتبہ منع کر چکا ہوتا تو ایسا نہ کرتا (پیالہ کو نہ پھینکتا) میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ریشم اور دیباج نہ پہنو، اور نہ سونے چاندی کے برتن میں پانی پیو، اور نہ ان کی رکابیوں میں کھاؤ، اس لئے کہ یہ دنیا میں کفار کا سامان ہے اور ہمارے لئے آخرت میں ہے۔

اور ایک روایت میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بازار میں ایک جوڑا پایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جوڑے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ اس جوڑے کو خرید لیں تا کہ آپ عید کے دن اور وفود سے ملاقات کے وقت پہن لیا کریں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تو ایسے آدمی کا لباس ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، راوی کہتے ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے جتنا چاہا ٹھہرے رہے پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیباج کا ایک جبہ بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جبے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے تو اس لباس کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ لباس اس آدمی کا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں یا جو آدمی یہ لباس پہنتا ہے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں "إنما هذه لباس من لاخلاق له في الآخرة" (۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو خارش یا کسی اور بیماری کی وجہ سے سفر میں ریشمی لباس پہننے کی اجازت عطا فرمادی تھی، "من حكة كانت بهما ووجع كان بهما" (۲)

---

(۱) مسلم: باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة، حديث: ٢٠٦٨

(۲) مسلم: باب إباحة لبس الحرير، حديث: ٢٠٧٦

☆ مردوں کیلئے عصفر سے رنگے ہوئے کپڑوں کو بھی کفار سے مشابہت کی وجہ سے پہننے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ عصفر سے رنگے ہوئے کپڑوں کا پہنا مکروہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خبر دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے عصفر سے رنگے ہوئے کپڑوں کو پہنے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا یہ کافروں کے کپڑے ہیں ان کو نہ پہنو، "إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها" (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے عصفر سے رنگے ہوئے دو کپڑوں کو پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کیا تجھے تیری ماں نے یہ کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے؟ میں نے عرض کیا میں اس رنگ کو دھو ڈالوں گا آپ ﷺ نے فرمایا (نہیں) بلکہ اسے جلا ڈالو: "بل إحرقهما" (۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قسی کپڑا (ریشم کی ایک قسم) پہننے سے منع فرمایا ہے اور عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے بھی "نهى عن لبس القسي، والمعصفر" اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور رکوع کی حالت میں قرآن مجید پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ (۳)

(۱-۳) مسلم: باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر، حديث: ۲۰۷۷

عیدوں اور تہواروں کے اسلامی اصول

تمام ہی اقوام وملل کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ سال کے کچھ دن بطور جشن مسرت کے مناتے ہیں جسے عرف عام میں ”عید“ یا ”تہوار“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ہر قوم کے مزاج ومذاق اور خوشی اور عید کے دن منانے کے حوالے سے طور وطریق جداگانہ ہوسکتے ہیں، لیکن مقصود تمام اقوام کا ”خوشی منانا“ ہوتا ہے۔

یہ انسانی طبیعت اور فطرت کا بھی تقاضا ہے کہ انسان زندگی کی یکسانیت سے اکتا جاتا ہے، وہ کچھ وقت ولمحات اور شب وروز، روزانہ کے معمول سے ہٹ کر ہنس بول کر خوشی اور مسرت کے اظہار کے ساتھ گذارنا چاہتا ہے، انسانی طبیعت اور اس کا یہی جذبہ عیدوں اور تہواروں کو جنم دیتا ہے، پھر یہ تہوار کسی بھی قوم اور ملت کا شعار اور خاص امتیاز بن جاتے ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ نیروز اور مہرجان کے نام سے دو خوشی کے تہوار مناتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ: ہم ان تہواروں میں شرکت کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے بدلے ان سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں، ایک عید الفطر کا دن اور دوسرا عید الاضحیٰ کا دن۔

چنانچہ اس حدیث کے بموجب امت مسلمہ کیلئے دو دن سال میں بطور خوشی منانے اور مسرت کے اظہار کیلئے طے کئے گئے ہیں، اس میں چونکہ جہاں انسانی طبیعت اور نفسیات کی تکمیل کا سامان مہیا کیا گیا ہے، وہیں ان دونوں دن کو بطور عید تعین میں بہت سے سبق بھی ہیں۔

☆ کسی بھی تہوار اور عید کے منانے کیلئے عموماً قومیں ایسے دن کا انتخاب کرتی ہیں، جس میں ان کی تاریخ کا کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہوتا ہے، کہیں کسی قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش کا، یا تخت نشینی کا دن منایا جاتا ہے، کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح اور کسی عظیم

تاریخی واقعہ جس کا حاصل سوائے اشخاص خاص کی عزت افزائی کے کچھ نہیں؛ حالانکہ اسلام اشخاص پرستی کا قائل نہیں ہے، اس نے تمام رسوم جاہلیت کو چھوڑ کر اصول اور مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کا اصول بنایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کا خطاب دیا گیا اور قرآن کریم میں ان کے مختلف امتحانات اور آزمائشوں میں کامیابی کو سراہا گیا، لیکن نہ ان کی پیدائش یا موت کا دن منایا گیا، نہ ان کے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ کی پیدائش وموت یا دوسرے حالات کی کوئی یادگار قائم کی گئی...... ہاں ان اعمال میں سے جو مقاصد دین سے تعلق رکھتے تھے ان کی یادگاروں کو نہ صرف محفوظ ہی رکھا گیا، بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے دین ومذہب کا جز اور فرض وواجب قرار دے دیا گیا۔

قربانی، ختنہ، صفا مروہ کے درمیان دوڑنا، منیٰ میں تین جگہ کنکریاں مارنا، یہ سب ان ہی بزرگوں کے ایسے افعال کی یادگار ہیں جو بطورِ عمل کے بعد میں قائم کی گئی ہیں۔

اسی طرح اسلام میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی موت وحیات یا شخصی حالات کا کوئی دن منانے کے بجائے ان کے اعمال کے دن منائے گئے جو کسی خاص عبادت سے متعلق ہیں، جیسے شب برأت، رمضان المبارک، شب قدر، یوم عرفہ، یوم عاشورہ وغیرہ۔

پوری امت مسلمہ کیلئے سالانہ عید کے طور پر ان میں اسلام کے اہم واقعات اور حادثات یا شخصیات کی پیدائش ووفیات نہیں مقرر کیا گیا، ہماری عیدیں دیگر اقوام وملل کی طرح کسی بھی وفات یا ولادت کے تاریخی واقعہ سے متعلق نہیں ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کے یہاں کرسمس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو بطور یادگار کے منایا جاتا ہے (حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کو یقینی طور پر کوئی نہیں جانتا) یہودیوں کے یہاں کی عید فصح اس دن کی یادگار سمجھی جاتی ہے جس میں بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم وستم سے نجات ملی، اسی طرح ہندوؤں کے بہت سے تہوار بھی ان کے کسی خاص واقعہ کی یادگار کے طور پر منائے جاتے ہیں۔

ان کا دیکھا دیکھی کچھ مسلمانوں نے رسول اکرم ﷺ کی پیدائش پر عید میلاد النبی کے

نام سے ایک عید بنادی، اسی روز بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی خرافات کو اور رات میں چراغاں کرنے کو عبادت سمجھ کر کرنے لگے، جس کی کوئی اصل صحابہ رضی اللہ عنہم تابعینؒ اور اسلاف امت کے عمل میں نہیں ملتی، بلکہ طرہ یہ کہ لوگ اس کو ”عید الاعیاد“ تمام عیدوں کی عید بھی قرار دینے لگے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ چند علماء یہود، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک آیت ایسی ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو وہ اس کے نزول کا ایک جشن عید مناتے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سوال کیا وہ کونسی آیت ہے؟ انہوں نے آیت ”اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ“ پڑھی۔(۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل ہوئی، اشارہ اسی بات کی طرف تھا کہ وہ دن ہمارے لئے دوہری عید کا دن تھا، ایک عرفہ اور دوسرے جمعہ۔ یعنی ہماری اعیاد دنوں اور شخصیات کی پیدائش اور وفیات سے متعلق نہیں ہیں بلکہ اعمال سے عبارت ہیں۔

اور یہ حقیقت ہے کہ یہ دن منانے کا طریقہ ان قوموں میں تو چل سکتا ہے جو باکمال افراد اور ان کے حیرت انگیز کارناموں کے لحاظ سے مفلس ہیں، دو چار شخصیات کل قوم میں اس قابل ہوتی ہیں اور ان کے بھی مخصوص کام ایسے ہوتے ہیں جن کی یادگار منانے کو قومی فخر سمجھتے ہیں۔

اسلام میں یہ دن منانے کی رسم چلے تو ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد انبیاء علیہم السلام ہیں جن میں سے ہر ایک کی نہ صرف پیدائش بلکہ ان کے حیرت انگیز کارناموں کی طویل فہرست ہے جن کے دن منانے چاہئے، انبیاء کے بعد خاتم الانبیاء ﷺ کی حیات طیبہ کو دیکھا جائے، تو آپ کی زندگی کا شاید کوئی دن ایسے کارناموں سے خالی ہو جس کا دن منانا چاہئے، بچپن سے لے کر جوانی تک کے وہ کمالات جنہوں نے پورے عرب میں آپ ﷺ کو امین کا لقب دیا تھا، کیا وہ ایسے نہیں ہیں کہ مسلمان ان کی یادگار منائیں، پھر نزول قرآن، ہجرت، غزوہ بدر،

---

(۱) مسلم: کتاب التفسیر، حدیث: ۳۰۱۷

غزوۂ احد، خندق، فتح مکہ، حنین اور تبوک اور تمام غزوات ہیں، ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی یادگار نہ منائی جائے، اسی طرح آپ ﷺ کے ہزاروں معجزات یادگار منانے کی چیزیں ہیں، اور بصیرت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر دن نہیں؛ بلکہ ہر گھنٹہ ایک یادگار منانے کا داعیہ رکھتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ ہیں، جن میں ہر ایک درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا زندہ معجزہ ہے کیا یہ بے انصافی نہیں ہوگی کہ ان کی یادگاریں نہ منائی جائیں اور یہ رسم چل پڑے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو امت کے اکابر، پھر اولیاء اللہ اور علماء ومشائخ پر نظر ڈالو، جو کروڑوں کی تعداد میں ہوں گے، اگر یادگار دن منائے جائیں تو ان کو چھوڑ دینا کیا ان کے حق میں بے انصافی اور قدر ناشناسی نہیں ہوگی؟ اور اگر یہ طے کرلیا جائے سبھی کے یادگاری دن منائے جائیں تو سال بھر میں ایک بھی دن ہمارا یادگار منانے سے خالی نہیں رہے گا، بلکہ ہر دن ہر گھنٹہ میں کئی کئی یادگاریں اور کئی کئی عیدیں منانی پڑیں گی۔

لیکن اسلام کی یہ شان نرالی ہے کہ پوری امت کیلئے سالانہ عید مقرر کرنے کیلئے ان میں سے ایسے دن کا انتخاب کیا گیا جس سے بظاہر تاریخ کا کوئی امتیازی واقعہ وابستہ نہیں تھا، بلکہ یہ دو دن ایسے مواقع پر مقرر کئے گئے جن پر پوری امت ایک ایسی اجتماعی عبادت کی تکمیل سے فارغ ہوتی ہے، جو سال میں ایک بار ہی انجام دی جاتی ہے، عید الفطر اس وقت منائی جاتی ہے جب مسلمان رمضان المبارک میں نہ صرف فرض روزوں کی تکمیل کرتے ہیں بلکہ اس مقدس مہینے کے ایک تربیتی دور سے گذر کر اپنی روحانیت کو جلا بخشتے ہیں۔

اسی طرح اسلام نے اپنے پیروؤں کیلئے سالانہ عید منانے کیلئے ایسے دن کا انتخاب نہیں کیا جو ماضی کے کسی یادگار واقعہ سے وابستہ ہو، اس کے بجائے مسلمانوں کی ایسے واقعات سے متعلق کی گئی ہیں جو حال سے تعلق رکھتے ہیں، جن کی ہر سال تجدید ہوتی ہے۔

پچھلا جو کوئی واقعہ یا مقدس کارنامہ یا یادگار تھی وہ ماضی کا حصہ بن گئی، اس کا یاد رکھنا اس طور پر مفید ثابت ہوسکتا ہے کہ مستقبل کی تعمیر اور قوت جہد وعمل کو مہمیز دینے کیلئے یہ واقعات

انرجی کا کام دیتے ہیں، لیکن پچھلی تاریخی واقعات پر تکیہ کیے رہنا یہ آدمی کو اپنے حال اور مستقبل سے غافل کر دیتا ہے، عید کو ماضی کے کسی واقعہ سے وابستہ نہ کر کے یہ بتلایا گیا کہ خوشی و مسرت کا حق تو ان اعمال پر ہے جو تم نے حال میں انجام دیئے ہیں، محض آباء و اجداد کے انجام دیئے ہوئے کارناموں پر تکیہ کر کے ان ہی کی خوشی میں اپنے حال اور مستقبل سے غافل نہ ہو جائے۔

☆ غیروں کے اعیاد میں شرکت اور حاضری یا عید اور تہواروں کے منانے میں ان سے مشابہت کو بھی سختی سے منع کیا گیا ہے، اور یہ حرام ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ذمہ پر یہ پابندی عائد کر رکھی تھی کہ وہ اپنے اعیاد کا برسر عام اظہار نہ کریں تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے اس حکم کی موافقت کی تھی، جب مسلمانوں نے باتفاق ذمیوں کے اعیاد کو علی الاعلان اظہار کو منع کیا ہے، تو ان اعیاد میں حضوری یا شرکت یا ان کی مشابہت کیوں کر اختیار کی جا سکتی ہے؟ " فكيف يسوغ للمسلمين فعلها " (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہاں لوگوں کے لہو و لعب کے دو دن تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کونسے دو دن ہیں؟ تو ان لوگوں نے بتلایا: ہم ان دو دنوں میں زمانہ جاہلیت میں کھیل و تفریح کیا کرتے تھے (خوشی مناتے تھے) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل نے تم کو ان دنوں سے بہتر دو دن دیئے ہیں، ایک تو یوم الاضحیٰ اور دوسرے یوم الفطر " إن الله قد أبدلكم بهما خيرا منهما: يوم الضحى، ويوم الفطر " (۲)

یہاں حضور ﷺ ان دو عید کے دنوں کو برقرار نہیں رکھا بلکہ اس کے بدلے دو دن اور متعین فرمائے، لہٰذا غیر کے اعیاد کو چھوڑ کر اپنے مخصوص عیدوں کا تعین ان کی مشابہت کی ممانعت پر دال ہے۔

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية : ١/ ٤٢٤

(۲) سنن النسائي: كتاب صلاة العيدين، حديث: ١٥٥٥، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابو داؤد، نسائی وغیرہ نے صحیح سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے: خلاصة الأحكام: فصل في ضعيفه: حديث: ٢٨٨٣

حضرت ثابت ابن ضحاک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ بوانہ میں (جو مکہ کے نشیبی علاقہ میں واقع ایک جگہ کا نام تھا) اونٹ ذبح کرے گا، پھر وہ شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو اپنی (نذر کی) خبر دی۔ رسول کریم ﷺ نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) دریافت کیا کہ: زمانہ جاہلیت میں اس مقام پر کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: نہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہاں کفار کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا؟ هل كان فيها عيد من أعيادهم؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ نہیں! اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے (اس شخص کو مخاطب) کرکے فرمایا کہ: تم اپنی نذر کو پورا کرو، نیز ابن آدم پر اس چیز کی نذر کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے جو اس کی ملکیت میں نہ ہو۔ (۱)

اس جگہ کے بارے میں آپ ﷺ کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہاں زمانہ جاہلیت میں کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی یا وہاں کفار کا کوئی میلہ لگتا تھا جہاں وہ سیر تماشے اور ناچ گانے میں مشغول ہوتے تھے تو اس صورت میں اس شخص کو اپنی نذر پوری کرنے کی اجازت نہ دی جائے تاکہ کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو لیکن جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہاں ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں تھی تو آپ ﷺ نے اس شخص کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم عجمیوں کی بولی نہ سیکھو، اور مشرکوں کے منادر میں نہ جاؤ، کیونکہ وہاں پر ان کے اوپر اللہ کی ناراضگی نازل ہوتی ہے "لا تعلموا رطانة الأعاجم ولا تدخلوا على المشركين في كنائسهم يوم عيدهم، فإن السخط تنزل عليهم" (۲)

---

(۱) ابوداؤد: باب ما يؤمر به من الوفاء، حدیث: ۳۳۱۳، شمس الدین محمد بن عبدالہادی فرماتے ہیں کہ اس کو ابوداود، طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال شیخین کے رجال ہیں: المحرر في الحديث: كتاب النذور: ۱/ ۴۳۵، دار المعرفة، بیروت

(۲) السنن الكبرى للبيهقي: باب كراهية الدخول على أهل الذمة في كنائسهم، حديث: ۱۸۸۶۱

داڑھی کی شرعی حیثیت

☆ مردوں کیلئے داڑھی رکھنا واجب ہے، اور اس کی شرعی مقدار ایک مشت ہے، داڑھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سنتِ مستمرہ رہی ہے، یہ اسلامی شعار ہے، شرافت وبزرگی کی علامت ہے چھوٹے اور بڑے میں امتیاز اور فرق کرتی ہے، اسی سے مردانہ شکل وصورت کی تکمیل اور صورت میں نورانیت حاصل ہوتی ہے، آپ نے داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے، لہٰذا داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے اور داڑھی منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس پر امت کا اجماع ہے۔

☆ چنانچہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کے سر اور داڑھی کے بال پکڑے تو ہارون علیہ السلام نے فرمایا: لا تاخذ بلحيتي ولا برأسي (۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے چہرے پر اتنی داڑھی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا تھا۔

☆ احادیث میں داڑھی رکھنے کی بہت تاکید آئی ہے، احادیث میں "اعفوا، أوفوا، أرخوا، أرجوا، اور وفروا" کے امر کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں جو داڑھی کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: "احفوا الشوارب واعفوا اللحى" (۲) "مونچھیں پست کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔"

☆ داڑھی نہ رکھنے کو طریقۂ کفار بتلایا گیا ہے، اور اس سے نفرت دلائی گئی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) طه : ۹٤

(۲) مسلم رقم الحديث : ۲۵۹، باب خصال الفطرة

ارشاد فرمایا: "خالفوا المشركين أحفوا الشوارب وأوفوا اللحى" (۱) "مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں پست کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: "جزو الشوارب وأرخوا اللحى وخالفوا المجوس" (۲) "مونچھیں کٹاؤ، داڑھی بڑھاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں "خالفوا المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب" (۳) "مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو۔"

ایک مرتبہ ایک مجوسی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا، جس نے داڑھی منڈا رکھی تھی، اور مونچھیں بڑھائے ہوا تھا، حضور ﷺ نے فرمایا: یہ کیا بنا رکھا ہے؟ اس نے کہا میرے دین میں یہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دین میں تو یہ ہے کہ مونچھیں کٹواؤں اور ڈاڑھی بڑھاؤں "في ديننا أن نجز الشارب وأن نعفي اللحى" (۴)

ایک مرتبہ کسریٰ کے دو قاصد داڑھی منڈائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ ان کی یہ صورت دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوئے، پوچھا ایسی صورت بنانے کا تم لوگوں کو کس نے حکم دیا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہمارے رب کسریٰ نے آپ ﷺ نے فرمایا: "ولكن ربي أمرني بإعفاء لحيتي وقص شاربي" (۵)

☆ احادیث میں داڑھی رکھنے کے متعلق پانچ مختلف الفاظ مذکور ہیں، اعفوا، اوفوا، ارخوا، ارجوا، اور وفروا یہ پانچوں الفاظ اگرچہ اپنے اپنے مادۂ اشتقاق کے لحاظ سے مختلف ہیں؛ لیکن سب کے معانی قریب قریب ایک ہی ہیں کہ داڑھی کو بڑھاؤ اور اس میں

---

(۱) مسلم: رقم الحديث: ۲۵۹، باب خصال الفطرة

(۲) مسلم: رقم الحديث: ۲۶۰، باب خصال الفطرة

(۳) بخاري: رقم الحديث: باب تقليم الأظفار، حديث: ۵۸۹۲

(۴) مصنف ابن ابي شيبه: مايؤمر به الرجل من اعفاء اللحية الخ، حديث: ۲۵۵۰۲

(۵) السيرة النبوية لابن كثير: ذكر بعثه الى كسرى ملك الفرس: ۵۰۹/۳

تراش خراش نہ کیا کرو، چنانچہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وقد حصل من مجموع الأحاديث خمس روايات اعفوا واوفوا وارخوا وارجوا و وفروا ومعناها كلها تركها على حالها“ (۱)

☆ ”احادیث کی روشنی میں داڑھی کے متعلق منقول الفاظ پانچ ہیں: أعفوا، أوفوا، ارخوا، ارجوا اور وفروا، لیکن سب کا مفہوم یہی ہے کہ اسے اپنی حالت پر چھوڑ دو (تراش خراش نہ کرو)“۔

البتہ طبرانی کی روایت میں ان پانچ الفاظ کے علاوہ ایک چھٹا لفظ ”دعوا“ بھی وارد ہوا ہے، جس کے معنی ہیں ”چھوڑ دو“۔ (۲)

اب کل الفاظ چھ ہو گئے، اور سب کا حاصل بس یہی ہے کہ داڑھی کو بڑھنے دیا جائے، کاٹا نہ جائے۔

☆ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کے بال بہت تھے ”كثر - يعني الشعر واللحية“ (۳)

حضور ﷺ کی داڑھی گھنی اور اتنی گنجان تھی کہ اس نے سینۂ مبارک کے بالائی حصہ کو طول وعرض میں بھر لیا تھا، یہی بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ام معبدؓ سے بھی منقول ہے۔ (۴)

روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ وضو کرتے وقت داڑھی کا خلال کرتے تھے۔ (۵)

یہ تو آپ ﷺ کی داڑھی کی کیفیت تھی، لیکن وہ کتنی لمبی تھی؟ اس بارے میں ابو معمر

---

(۱) نيل الاوطار باب اخذ الشارب واعفاء اللحية: ۱۴۹/۱

(۲) المعجم الكبير للطبراني: مجاهد عن ابن عمر، حديث: ۱۳۴۷۶، ص

(۳) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۳۴/۱

(۴) شرح الشفاء لملاعلي القاري: الباب الثاني في تكميل الله تعالى له المحاسن خلقا: ۶۰/۱

(۵) ترمذي: باب ما جاء في تخليل اللحية، حديث: ۲۹

کہتے ہیں کہ: ہم نے خباب رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں قرأت کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں، پھر ہم نے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ قرأت فرما رہے ہیں، جبکہ ان دونوں نماز میں سرّا (آہستہ) قرأت کی جاتی ہے؟ اس پر حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہم آپ ﷺ کی ریش مبارک کے ہلنے سے سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ قرأت فرما رہے ہیں" باضطراب لحيته (۱)

یہ ظاہر ہے کہ قرأت کرنے کے دوران وہی داڑھی ہلے گی جو کافی لمبی ہو، داڑھی اگر خشخشی ہو یا معمولی لمبی ہو، تو اس کی حرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، نیز وضو کے دوران داڑھی کے خلال کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی داڑھی لمبی تھی، جس میں خلال کیا جاتا تھا۔

☆ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی داڑھی بھی گھنی اور گنجان تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی بہت گھنی تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی داڑھی اگرچہ گھنی نہیں تھی لیکن دراز تھی " كان كبير اللحية عظيمها " اور ایک روایت کے الفاظ ہی "طويل اللحية ، حسن الوجه" (۲)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی کے متعلق روایتوں میں آیا ہے کہ " أنه كان كثب اللحية " حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی گھنی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی اتنی چوڑی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دونوں شانوں کے درمیان کی جگہ بھر رکھی تھی" وكان عظيم اللحية جدا ، قد ملأت ما بين منكبيه ، بيضاء كأنها قطن " (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب ما فی القرآة فی الظہر، حديث : ٨٠١

(۲) المعجم الكبير للطبراني: مجاهد عن ابن عمر، حديث: ١٣٤٧٦، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۳) شرح الشفاء لملاعلی القاری: الباب الثانی فی تكميل الله تعالى له المحاسن خلقا :١/٦٠

اس کے علاوہ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ وضو کرتے وقت اپنی اپنی داڑھی کا خلال کیا کرتے تھے۔ (۱)

حضرت عثمان بن عبید اللہ بن رافع سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوسعید خدری، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت سلمہ بن الاکوع، حضرت ابواسید البدری، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ یہ لوگ مونچھ کو تراشتے اور داڑھی کو بڑھاتے ”یأخذون من الشوارب ویعفون اللُّحٰی“ (۲)

اس سے ان حضرات کی داڑھی کا بھی قابل لحاظ حد تک لمبی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ نے اسے امور فطرت میں سے قرار دیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ: ”عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية “دس چیزیں امورِ فطرت میں سے ہیں، جن میں داڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کتروانا بھی شامل ہے۔ (۳)

اور فطرت عرف شرع میں ان امور کو کہا جاتا ہے جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی معمول بہ اور متفق علیہ سنت رہی ہو، اور اس پر ہم کو عمل کرنے کیلئے کہا گیا ہو۔

چنانچہ صاحب مجمع البحار اس حدیث میں فطرت کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عشر من الفطرة أی من السنة أی سنن الأنبياء عليهم السلام التی أمرنا بالاقتداء بهم فيها أی من السنة القديمة التی اختارها الأنبياء عليهم السلام واتفقت عليها الشرائع فكأنها أمر جبلی فطروا عليه“ یعنی دس چیزیں فطرت یعنی سنت میں سے یعنی انبیاء کی ان سنتوں میں سے ہیں جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی تخلیل اللحیة، حدیث: ٢٩

(۲) مجمع الزوائد: باب ماجاء فی الشارب واللحیة وغیر ذالك، حدیث: ٨٨٤٧، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، عثمان کو میں نہیں جانتا، اور اس سند کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۳) مسلم: باب خصال الفطرة، حدیث: ٦٢٧

یعنی اس سنتِ قائمہ سے جس کو انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمایا اور اس پر تمام شرائع متفق ہیں گویا وہ امر جبلی ہے جس پر انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا گیا ہے۔ (۱)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانے کا حکم تمام شریعتوں میں تھا اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہے۔

☆ داڑھی منڈھوانے میں کفار و مشرکین، اغیار اور دین بیزار لوگوں کے ساتھ تشبّہ لازم آتا ہے اور غیروں سے مشابہت اختیار کرنے سے ہمیں روکا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں پست کرو (چھوٹی کرو) اور داڑھی کو معاف رکھ، (یعنی اسے نہ کاٹو) "خالفوا المشركين أوفروا اللحى وأحفوا الشوارب" (۲)

یہاں صیغۂ امر کے ساتھ داڑھی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور امر حقیقت میں وجوب کیلئے ہوتا ہے۔

☆ داڑھی منڈھوانے میں اناث (عورتوں) اور مخنثوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، جس کا ناجائز اور حرام ہونا احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو مخنث بنتے ہیں اور اسی طرح ان عورتوں پر (جو مردوں کی سی مشابہت اختیار کریں) اور فرمایا: انہیں اپنے گھروں سے نکال دو" وقال أخرجوهم من بيوتكم" (۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: اللہ تعالیٰ لعنت کرتے ہیں ان مردوں پر (جو داڑھی منڈا کر یا زنانہ لباس پہن کر) عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ (۴)

---

(۱) مجمع البحار: الفطرة: ۱۵۵/۴

(۲) بخاری: باب تقلیم الأظفار، حدیث: ۵۵۵۳

(۳) بخاری: باب نفی أهل المعاصی: حدیث: ٦٤٤٥

(۴) بخاری: باب المتشبهين بالنساء، حديث: ٥٥٤٦

☆ نیز داڑھی مردوں کیلئے وقار اور زینت کی چیز ہے، چنانچہ تکملہ بحر الرائق میں ہے ”لأن اللحية في أوانها جمال“ اور آسمانوں پر ملائکہ کی تسبیح بھی ہے ”سبحان من زين الرِجال بِاللحى والنِساء بِالقرونِ والذوائِبِ“ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹی سے زینت بخشی۔ (۱)

☆ اور یہ اللہ کی خلقت اور پیدائش میں تغییر اور تبدیلی کے قبیل سے ہے اور باتفاق تغییر فی خلق اللہ حرام ہے، قرآنِ کریم میں ارشادِ ربانی ہے، شیطان لعین نے یہ کہا تھا ”وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ“ (۲) میں خدا کے بندوں کو حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بگاڑیں۔

اور جو لوگ داڑھی منڈوا کر اللہ کی خلقت میں تبدیلی کرتے ہیں وہ شیطان لعین کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے مطیع وفرماں بردار خسارے اور نقصان میں ہوتے ہیں ”وَمَن يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا“ (۳) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو ولی بناوے وہ صریح نقصان میں پڑے گا۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی میں ہے: وحلق اللحى قبيح بل مثلة وحرام كما ان حلق شعر الرأس في حق المر أةمثلة منهي عنها وتشبه بالرجال وتفويت للزينة، قال الفقهاء اللحية في وقتها جمال وفي حلقها تفويته على الكمال ومن تسبيح الملائكة سبحان من زين الرجال باللحى وزين النساء بالذوائب“(۴)

یعنی داڑھی منڈانا قبیح ہے بلکہ مثلہ اور حرام ہے، جس طرح عورت اگر اپنے سر کے بال منڈوادے تو یہ مثلہ ہے جو ممنوع ہے اور اس سے عورت کی زینت ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح

---

(۱) بدائع الصنائع : ١٤١/٢، دار الكتب العلمية بيروت

(۲) النساء : ١١٩

(۳) النساء : ١٩

(۴) تفسير روح البيان: سورة البقرة: ٢٢١/١، دار الفكر بيروت، بحواله فتاوى رحيميه : ٢٥٠/٦

مرد اگر داڑھی منڈا دے تو یہ بھی مثلہ ہے اور اس سے مردانہ شان ختم ہو جاتی ہے، فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ: داڑھی اپنے وقت میں جمال ہے اور اس کو منڈا دینا زینت کو ختم کر دینا ہے اور ملائکہ کی تسبیح ہے...... سبحان اللہ۔

☆ داڑھی منڈوانا قوم لوط کے ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، درمنثور میں ہے: قومِ لوط جن برے کاموں کی وجہ سے ہلاک کی گئی، ان میں سے ایک داڑھی منڈوانا بھی ہے:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: عشر خصال عملها قوم لوط بها أهلكوا وتزيدها متي بخلة، اتيان الرجال بعضهم بعضا — ألى قوله — وقص اللحية وطول الشارب (۱)

☆ آج ہم حضور اکرم ﷺ کی محبت کے بڑے دعویدار ہیں، حبِّ نبی کا دعوی بڑی شان سے کرتے ہیں اور اپنے چہرے مہرے کو ایسے بنائے پھرتے ہیں جو آپ ﷺ کو ناپسند اور مبغوض ہوتا ہے، آپ ﷺ نے کفار کو داڑھی مونڈتے ہوئے دیکھا تو ان کی اس ہیئت اور صورت پر آپ کبیدہ ہوئے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، ہم اتنا قبیح عمل کریں کہ داڑھی کو بالکل نکال دیں یا اس کو تراشیں تو آپ ﷺ کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی؟

ایک حدیث میں ہے کہ کسریٰ (شاہ ایران) نے یمن کے گورنر باذان (جو اس کا ماتحت تھا) کے توسط سے دو قاصد آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، تا کہ یہ دونوں نبی کریم ﷺ کو نعوذ باللہ گرفتار کر کے کسریٰ کے دربار میں بھیج دیں، جب یہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، ان کے چہروں پر نظر پڑی تو آپ ﷺ کو سخت تکلیف ہوئی، آپ ﷺ نے سب سے پہلا سوال ان دونوں سے یہ کیا کہ ایسی صورت تم نے کیوں بنائی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہمارا دین ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: في ديننا أن نجز الشارب وأن نعفي اللحية (۲)

---

(۱) کنز العمال: الفرع الأول فی الوعید، حدیث: ۱۳۰۱۴

(۲) مصنف ابن ابی شیبه: باب ما یؤمر به الرجل من اعفاء ه، حدیث: ۲۵۵۰۲

لیکن ہمارے مذہب میں مونچھیں پست کرنا، اور داڑھی بڑھانا ہے۔

☆ جب داڑھی لٹکانے کے بجائے چڑھانے پر وعید ہے تو منڈانے اور شرعی مقدار (قبضہ) سے کم کرنے پر کیا وعید نہ ہوگی؟

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ: اے رویفع! شاید تم میرے بعد بھی زندہ رہو، تم لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو شخص داڑھی میں گرہ لگائے یا تانت کا قلادہ ڈالے یا گوبر یا ہڈی سے استنجا کرے تو محمد (ﷺ) اس سے بیزار ہیں "یا رویفع! لعل الحياة ستطول بك بعدى فأخبر الناس أنه من عقد لحيته و تقلد وترا واستنجى برجيع دابة و عظم فإن محمدا صلى الله عليه و سلم منه برى" (۱)

☆ داڑھی میں گرہ لگانا یا ان کے بالوں کو اندر گھسانا (جیسا کہ سکھوں کا معمول ہے) شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ احادیث میں اعفوا (بڑھاؤ) ارخوا (لٹکاؤ) جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یعنی عربی قواعد کے رو سے امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اور امر وجوب کیلئے آتا ہے، اس لئے داڑھی میں گرہ لگانا یا اسے اندر گھسانا واجب کے خلاف ہوگا۔ (۲)

☆ احادیث میں حضور اکرم ﷺ کی ریش مبارک کا ایک مشت بلکہ اس سے زائد ہونا بھی ثابت ہے، آپ ﷺ کی داڑھی مبارک اس قدر گنجان تھی کہ اس نے سینہ مبارک کو گھیر لیا تھا "كان النبى كث اللحية يملأ صدره" (۳)

☆ داڑھی کی مقدار مسنونہ ایک مشت ہے؛ لہٰذا اس سے کم کرنا اور خشخشی داڑھی رکھنا جائز نہیں۔

---

(۱) سنن ابوداؤد: باب ماينهى أن يستنجى به، حديث: ٥٦/١، ابن الملقن کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد اور نسائی نے سند جید کے ساتھ ذکر کیا ہے: البدر المنير: ٣٥٢/٢، دار الهجرة للنشر والتوزيع

(۲) انبیاء علیہم السلام کی سنتیں: ۳۱۹، از مفتی جمال الدین صاحب

(۳) شمائل ترمذی: بحواله فتاوى رحيميه: ٢٤٠/٦

بنی اسرائیل کی گاؤ سالہ پرستی پر جو موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی اور ہارون علیہ السلام کے ایام خلافت میں پیش آئی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واپسی پر حضرت ہارون علیہ السلام پر غصہ آیا اور جوش جلال میں سرزنش کرتے ہوئے ان کی داڑھی پکڑ لی تو انہوں نے عرض کیا: یَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلَحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ "(۱) میرے مائی جان بھائی میری داڑھی اور سر تو نہ پکڑیئے۔

داڑھی کی یہ پکڑ اور گرفت ایک مشت یا اس سے زیادہ ہونے پر ہو سکتی ہے، مٹھی بھر سے کم داڑھی ہوتی تو وہ پکڑی ہی نہ جاتی، اس آیت سے داڑھی کا کم از کم مقدار قبضہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ بات نص قرآنی سے ثابت ہوتی ہے۔

نیز روایتوں میں وارد ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی ریش مبارک کے طول و عرض سے قبضہ سے زائد بالوں کو کتر لیتے تھے: عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده : أن النبى صلى الله عليه و سلم كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها "(۲)

اور اس کترنے کی تحدید شرح شرعۃ الاسلام میں مذکور اسی حدیث کے آخر میں ایک لفظ سے معلوم ہوتی ہے، حدیث اس طرح ہے : عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أنه صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته طولا وعرضا على قدر القبضة (۳)

حضرت عمرو اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ داڑھی کے یکمشت ہو جانے کی صورت میں طول و عرض سے کترتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو نبی کریم ﷺ کے بڑے شیدائی اور فدائی ہیں، امام بخاری نے اس حوالے سے ان کے عمل کو پیش کیا ہے "وكان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه" (۴)

---

(۱) طه: ۹٤

(۲) ترمذی: باب الأخذ من اللحية، حديث: ۲۷٦۲، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۳) تفسیر حقی: ۲۹۲/۱

(۴) بخاری: باب تقليم الأظفار، حديث: ۵۵۵۳

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی بھر پکڑ لیتے تھے جو زائد ہوتی تھی اس کو کاٹ دیتے تھے۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حج وعمرہ کے ساتھ کم کرنے کو خاص نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اعفاء کا مطلب یہ لیتے تھے کہ داڑھی بڑھائی جائے لیکن اتنی نہیں کہ داڑھی کے بڑھنے سے آدمی کی صورت بری معلوم ہونے لگے، پھر حافظ طبری کا وہ کلام نقل کیا ہے جس میں حضرت ابن عمر وحضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل مذکور ہے (جو مطلق ہے حج وعمرہ کی کوئی قید نہیں)۔

حضرت مروان بن مقفع کہتے ہیں کہ: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ”یقبض علی لحیته فیقطع مازاد علی الکف“ اپنی داڑھی کو پکڑ کر جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے۔(۱)

یہاں یہ سمجھنا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فانی فی الاتباع اور گرویدۂ اتباعِ سنت ہیں یہ بعید ہے کہ وہ اس مقدار کے بارے میں اتباعِ سنت سے کام نہ لیتے ہوں، پھر جب داڑھی رکھنے کی حدیث یعنی ”احفوا الشوارب واعفوا اللحي“ (مونچھیں پست کرو، اور داڑھیاں بڑھاؤ) کے راوی بھی خود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی ہیں تو اس سے صرف یہی واضح نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک داڑھی تراشنے کی حد مقدار قبضہ تھی اور داڑھی کی اس مقدار کا ان کے نزدیک باقی رکھنا ضروری تھا، بلکہ غور کیا جائے تو ان کا یہ فعل حدیثِ مرفوع کا بیان بھی ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ جب کوئی راوی پیغمبر علیہ السلام کے کسی فعل کو علی الاطلاق روایت کرتے ہیں جس میں کوئی قید مذکور نہ ہو، اور پھر عمل کرے تو یہ اسی کی دلیل ہوسکتی ہے کہ اس کے نزدیک پیغمبر علیہ السلام کے فعل میں بھی یہ قید ملحوظ تھی، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کے کسی فعل پر جو بلا قید وشرط ثابت ہو، کوئی صحابی اور وہ بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسا فانی فی الاتباع صحابی اپنی طرف سے کسی قید کا اضافہ کردے۔

---

(۱) شعب الایمان: فصل في أخذ اللحية، حديث: ٦٤٣٦

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مقدار قبضہ سے زائد کاٹنا منقول ہے "عن أبي زرعة قال كان أبو هريرة رضي الله عنه يقبض على لحيته ثم يأخذ ما فضل عن القبضة" (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو پکڑتے اور جو قبضہ سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے۔

درمختار میں انہی احادیث کی روشنی میں فرمایا ہے: ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه كذا ذكره محمد في كتاب الآثار عن الأمام، قال وبه ناخذ" (۲)

یعنی داڑھی کی مقدار مسنون ایک مشت ہے، لہٰذا جو حصہ ایک مشت سے زائد ہو اس کو کتر دے، یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: "وما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد" (۳)

اور داڑھی میں سے لینا اس حال میں کہ وہ مشت سے کم رہ جائے جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں پس اس کو کسی نے مباح نہیں کیا اور کل کا کاٹنا اور منڈانا کفار کا فعل ہے اور عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے۔

امام غزالی تحریر فرماتے ہیں کہ: "وقد اختلفوا فيما طال منها فقيل إن قبض الرجل على لحيته وأخذ ما فضل عن القبضة فلا بأس فقد فعله ابن عمر وجماعة من التابعين واستحسنه الشعبي وابن سيرين وكرهه الحسن و قتادة و قالا تركها عافية أحب لقوله صلى الله عليه وسلم اعفوا اللحى" (۴)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبه: ما قالوا في الأخذ من اللحية، حديث: ٢٥٤٨١

(۲) رد المحتار: فصل في البيع : دار الفكر، بيروت

(۳) رد المحتار: فصل في البيع : ٦/٤٠٧، دار الفكر، بيروت

(۴) احياء علوم الدين: النوع الثاني فيما يحدث في : ١/١٤٣، دار المعرفه، بيروت

لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ اگر داڑھی لمبی ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے، بعض کا قول یہ ہے کہ مقدار مشت چھوڑ کر باقی کاٹ ڈالے تو کچھ مضائقہ نہیں کہ حضرت ابن عمر ؓ کا بھی یہی قول ہے کہ مقدار مشت چھوڑ کر باقی کو کاٹ ڈالے تو کچھ مضائقہ نہیں، حضرت ابن عمر ؓ اور بہت سے تابعین نے ایسا کیا ہے اور امام شعبیؒ اور ابن سیرینؒ نے اس کو اچھا سمجھا ہے، حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ نے اس کو مکروہ فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اس کو لٹکی رہنے دینا مستحب ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اعفوا اللحی .ان روایات واقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے، اور ایک مشت سے زائد سنت مؤکدہ ہے ،اس سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور اتنی لمبی رکھنا کہ لوگوں کی نگاہیں اس پر اٹھیں اور مذاق کا باعث بن جائیں یہ بھی خلاف سنت ہے۔

فقہاء نے اعفاءِ لحیه ،مخالفت مجوس اور ایک مشت سے زائد لینے والی روایات کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے کہ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے صرف اعفاءِ لحیہ کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ مخالفت مجوس کا بھی حکم دیا تھا، اس وقت مجوسی داڑھیاں چھوٹی کراتے تھے، ان میں منڈوانے کا رواج عام نہ ہوا تھا، اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا اور مشکل یہ پیش آتی تھی کہ داڑھی کی وہ کم سے کم مقدار کیا ہو، جو مجوسیوں کی داڑھیوں سے مختلف بھی ہو اور اس کو اعفاءِ لحیة کے حکم نبوی کے موافق بھی قرار دیا جائے، اس سوال اور مشکل کو ابن عمرؓ کے عمل سے حل کر دیا، انہوں نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ مقدارِ مسنون کی آخری حد ایک مشت ہے، صحابہ کرام ؓ میں سے کسی نے بھی ان کے عمل پر اعتراض نہیں کیا، معلوم ہوا کہ وہ اس مقدار کے مسنون اور مخالف مجوس ہونے پر متفق تھے ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس پر اعتراض نہ کرتے۔(۱)

☆ داڑھی کی حد کیا ہے؟ اس کو ان اقوال کی روشنی میں معلوم کریں: " واللحية هي اسم لما نبت على الخدين والذقن " داڑھی ان بالوں کو کہتے ہیں جو رخسار (یعنی ڈاڑھوں) اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں۔(۲)

---

(۱) اختلاف امت اور صراط مستقیم: ۲۱۴، مکتبہ رشیدیہ، سہارنپور

(۲) فتح الباری: باب تقليم الأظفار: ٤٢٩/١٠

لہٰذا جو بال عذار، عارض اور ذقن کے علاوہ کسی اور مقام پر ہو مثلاً خد (گال) پر ہوں، اسے داڑھی نہیں کہیں گے، علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: "اما الأشعار التی علی الخدین فلیست من اللحیة "(۱) جو بال خد (گال) پر اُگتے ہیں وہ داڑھی میں داخل نہیں ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ:

کنپٹی کے نیچے جو ہڈی ابھری ہوئی ہے وہاں سے داڑھی شروع ہوتی ہے، اس سے اوپر سر ہے۔(۲)

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ صرف تین مقامات (عذار، عارض اور ذقن) پر نکلنے والے بالوں کو داڑھی کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ اگر خد (یعنی گال) پر بال نکل آئیں، جیسا کہ عام طور پر وہاں نکل ہی آتے ہیں تو انھیں داڑھی نہیں کہا جائے گا، اور ان کا کٹانا جائز ہوگا، لیکن بقول علامہ کشمیریؒ خلاف اولی ہے، کیونکہ یا تو اسے بلیڈ وغیرہ سے دور کیا جائیگا، یا نوچ کر صاف کیا جائے گا، پہلی صورت میں جلد پر خراش اور کھردرا پن آنے کا احتمال ہے، اور دوسری صورت میں آنکھ کے کمزور ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔(۳)

☆ داڑھی بچہ کے بال بھی داڑھی میں شامل ہیں، اس لئے اس کو کاٹا نہ جائے، البتہ اس کے اطراف کے بال کے کاٹنے کی اجازت ہے:

نیچے کے ہونٹ کے درمیانی حصہ میں ٹھوڑی کے اوپر جو بال اگتے ہیں، انھیں اردو میں داڑھی بچہ اور عربی میں "عنفقه" کہتے ہیں، روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے داڑھی بچہ (عنفقه) کے چند بال سفید تھے۔(۴)

---

(۱) فیض الباری: باب اعفاء اللحیة : ٤/٣٤٠

(۲) امداد الفتاوی : بالوں کے حلق وقصر اور خضاب کے احکام: ۴/۲۱۰،

(۳) فیض الباری : باب ما یذکر فی الشیب: ٧/١٤٧
انبیاء علیہم السلام کی سنتیں: ۳۱۴، مفتی جمال الدین صاحب

(۴) عمدة القاری: باب مایذکر فی الشیب: ۲۲/۴۸،

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بھی داڑھی بچہ رکھا کرتے تھے، انہیں کترتے یا منڈواتے نہیں تھے، فقہاء نے داڑھی بچہ کو بھی داڑھی ہی کے حکم میں مانا ہے، اس لئے اس کا مونڈنا یا کترنا جائز نہ ہوگا، علامہ محمود خطاب مالکیؒ لکھتے ہیں کہ: ”وأما شعر العنفقة فيحرم ازالته كحرمة ازالة شعر اللحية “ (۱)

داڑھی کے بال صاف کرنا جس طرح حرام ہے، اسی طرح داڑھی بچہ کے بال کو صاف کرنا بھی حرام ہے۔

داڑھی بچہ کے دونوں طرف کے بال جسے عربی میں ” فنيك “ کہا جاتا ہے، بعض حضرات مثلاً امام غزالیؒ اور صاحب غرائب نے اس کے منڈانے کو بدعت لکھا ہے۔ (۲)

اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس کا منڈانا تغییر خلق اللہ میں داخل ہے، اس لئے شرعاً ممنوع ہے۔ (۳)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے یہاں ایک شخص کسی معاملے میں گواہی دینے کیلئے حاضر ہوا، اور وہ داڑھی بچہ کے دونوں طرف کے بالوں کو منڈائے ہوئے تھا اس کی یہ حالت دیکھ کر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (۴)

لیکن اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ اس کا منڈانا جائز ہے، حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

> ”گرفتن موئے فنیکین بروزن ملیکین کہ عبارت است از طرفین عنفقہ باک ندارد، محدث دہلوی در شرح صراط مستقیم می آرد حلق طرفین عنفقہ لا باس بہ است“

داڑھی بچہ کے اغل بغل کے بال صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے صراط مستقیم کی شرح میں یہی بات لکھی ہے۔ (۵)

---

(۱) المنهل العذب : مذاهب العلماء في حكم اللحية : ۱/۱۸۷، ۱۸۸

(۲) احياء العلوم : مذاهب العلماء في حكم اللحية ۱/۱٤٤،

(۳) الفتاوى الهندية : باب التاسع عشر في الختان : ۵/۳۵۸

(۴) احياء العلوم : القسم الثالث من النظافة الخ: ۱/۱٤٤

(۵) الطرائف والظرائف: داڑھی اور انبیاء کی سنتیں: ۴۷

البتہ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں یہ لکھا ہے کہ "احتیاط اور معمول ترکِ حلق ہے"۔ (۱)

☆ جب داڑھی گھنی اور لمبی ہو تو اس کا اکرام کرنا چاہئے، یعنی اہتمام سے اسے دھونا، تیل لگانا اور کنگھا کرنا چاہئے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: من كان له شعر فليكرمه (۲) جسے بال ہوں اسے اس کا اکرام کرنا چاہئے۔

اور اس کا اکرام یہی ہے کہ اس کو صاف ستھرا رکھا جائے، اس کیلئے تیل اور کنگھا استعمال کیا جائے، حضرت سعد بن سعدیہؓ آپ ﷺ کا معمول بیان کرتے ہیں کہ "يكثر دهن رأسه وتسريح لحيته بالماء" آپ ﷺ بکثرت سر میں تیل لگاتے، اور (کم از کم) پانی سے (بھی) داڑھی میں کنگھا کر لیتے تھے۔ (۳)

سنن بیہقی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ داڑھی میں بکثرت کنگھا کرتے تھے "يكثر القناع ويكثر دهن رأسه ويسرح لحيته بالماء" (۴)

حتی کہ جب آپ ﷺ سوتے تھے تو سرہانے دیگر چیزوں کے ساتھ کنگھا بھی ہوا کرتا تھا، اور رات میں جب تہجد کیلئے بیدار ہوتے تو وضو سے فارغ ہونے کے بعد کنگھا کرتے تھے "اذا اخذ مضجعه وضع له سواكه وطهوره ومشطه" (۵)

معجم اوسط میں طبرانی نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ داڑھی میں کنگھا کرتے وقت آئینہ بھی دیکھا کرتے تھے "وكان ينظر في المرآة اذا سرح لحيته" (۶)

---

(۱) امداد الفتاوی: بالوں کے حلق وقصر اور خضاب کے احکام: ۴/۲۳۰، بحوالہ انبیاء علیہم السلام کی سنتیں: مفتی جمال الدین صاحب: ۳۱۵-۳۱۶

(۲) ابوداؤد: باب اصلاح الشعر: حديث: ٤١٥٩

(۳) شعب الایمان: فصل فی اکرام الشعر وتدهينه: حديث: ٦٤٦٥

(۴) شعب الایمان: فصل في إكرام الشعر، حديث: ٦٠٤٦

(۵) اخلاق النبی لأبي الشيخ الاصبهاني: ذكر مرآته ومشطه، حديث: ٢٥٩

(۶) مجمع الزوائد: باب ما تنبغي المحافظة عليه، حديث: ٨٨٧٦، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں سلمان بن أرقم الزہری ہیں اور یہ ضعیف ہیں۔

بعض مرتبہ پانی سے بھرے ہوئے پیالہ کی مدد سے بھی آپ ﷺ کا بالوں کو درست کرنا ثابت ہے۔ (۱)

البتہ مردوں کو بناؤ سنگھار میں زیادہ مشغول نہ رہنا چاہئے کہ ہر وقت ان پر یہی فکر سوار ہو، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے روز روز کنگھا کرنے سے منع کیا ہے " نهى رسول الله ﷺ عن الترجل إلا غبا " (۲)

☆ اسلاف کے یہاں داڑھی کی قدر واہمیت تھی؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے

حضرت احنف بن قیس اور قاضی شریح اطلس (پیدائشی طور پر داڑھی نہ ہونا) تھے، انھیں خلقی طور پر داڑھی نہیں تھی، جس کا انھیں بہت صدمہ تھا، انھیں بڑی خواہش تھی کہ کاش مجھے بھی داڑھی ہوتی، ایک مرتبہ بڑے متاسفانہ لہجہ میں قاضی شریح ؒ نے فرمایا: وددنا أن لي لحية ولو بعشرة آلاف (۳)

مجھے تمنا ہے کہ مجھے داڑھی ہو جاتی، اگر چہ اس کیلئے دس ہزار کی موٹی رقم صرف کرنی پڑتی، اور احنف بن قیس کی خواہش وصدمہ کا اندازہ لگا کر ان کے مزاج شناس شاگرد بول پڑے کہ

" ودودنا أن نشتري للأحنف لحية ولو بعشرين ألفا " (۴)

اگر بیس ہزار میں بھی داڑھی ملتی تو ہم اپنے استاد احنف کیلئے ضرور خرید لیتے (مگر افسوس کہ خلقی چیز خریدی نہیں جا سکتی۔ (۵)

☆ قبر میں تین سوالوں میں سے ایک سوال یہ بھی ہوگا "ما تقول في هذا الرجل" (۶)

---

(۱) ادب الاملاء والاستملاء: فصل في أدب المملي: ۳۰

(۲) ترمذی: باب النهي عن الترجل الا غباء حديث: ١٧٥٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) احیاء العلوم: فصل في اللحية: ١٤٤/١

(۴) احیاء العلوم: فصل في اللحية: ١٤٤/١

(۵) انبیاء کی سنتیں: ۳۰۰

(٦) بخاری: باب عرض المقعد من الجنة والنار، حديث: ٧٣٩٥

بعض علماء کے بقول حضرت محمد ﷺ کا مبارک چہرہ پیش کر کے پوچھا جائے گا، ایک داڑھی منڈا شخص اپنا چہرہ حضور ﷺ کے سامنے کیسے پیش کر سکے گا تو سوچنا چاہئے کہ

☆ اس کے علاوہ بہت سے گناہ جیسے زنا، لواطت، شرب خمر، جھوٹ، چوری ایسے ہیں جب تک آدمی ان کا مرتکب ہوتا ہے، اس وقت تک گنہ گار رہتا ہے۔ جب باز آجاتا ہے تو گناہ کا فعل بھی ختم ہوجاتا ہے، لیکن داڑھی کاٹنا ایسا گناہ ہے جب تک آدمی توبہ نہ کرے اور شرعی داڑھی نہ رکھے اس وقت تک اس کا گناہ قائم اور باقی رہتا ہے۔ (۱)

☆ مونچھ کاٹ کر بھی مخالفت کفار کا حکم کیا گیا ہے، مونچھ کترنا جسے عربی میں قص شارب کہا جاتا ہے یہ بھی امور فطرت میں سے ہے اور جمال وزینت میں بھی داخل ہے، مونچھ کا نہ کترنا اور اسے یوں ہی بڑھتے ہوئے چھوڑ دینا جمال ونظافت کے خلاف ہے، مونچھ کترنا فطرتِ ابراہیمی میں سے بھی ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ: مشرکین کی مخالفت کرو مونچھ کترو اور داڑھی کو بڑھاؤ
" خالفوا المشركين احفوا الشوارب وأوفوا اللحى " (۲)

اور ایک روایت میں مونچھ کے نہ کترنے پر اس طرح وعید سنائی گئی ہے: من لم یاخذ من شاربه فليس منا " (۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ اپنی مونچھ کو کاٹتے تھے اور فرماتے تھے: تمہارے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی مونچھ کاٹتے تھے "وكان أبوكم ابراهم يقص شاربه (۴)

---

(۱) داڑھی کا وجوب: از حضرت شیخ زکریاؒ، بحوالہ داڑھی، مونچھ اور سر کے بال کے مسائل: ۱۲

(۲) مسلم: باب خصال الفطرة، حديث : ۲۵۹

(۳) السنن الكبرى للنسائي: باب الأمر باحفاء الشوارب واعفاء اللحى، حديث: ۱۴
محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۴) شعب الایمان: فصل في الأخذ من اللحية، حدیث: ۶۴۴۳، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک آدمی کی لمبی مونچھ آپ نے دیکھی تو مسواک اور اُسترہ منگوایا اور آدمی کے مونچھ کے نیچے مسواک رکھی اور اس کو کاٹ دیا" ووضع السواك تحت شارب الرجل فقطعه " (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ: "اخذ الشارب من الدين" مونچھ کا لینا دین کا جزء ہے۔ (۲)

☆ احادیث میں مونچھ کے کاٹنے کے سلسلے میں مختلف الفاظ آئے ہیں: " أحفوا، أنهكوا، جزّوا، قص الشارب"، احفاء کا مطلب ہوتا ہے استقصاء یعنی پورا لینا اور نہک کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کے زائل کرنے میں مبالغہ کرنا اور جز کے معنی ہیں بال یا اون کو جلد تک کاٹنا، یہ تمام الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ مطلوب ازالہ میں مبالغہ کرنا ہے۔ (۳)
رہا قص کا لفظ تو اس کے کئی معنی ہیں ایک معنی ہے کسی شئے کو کسی شئے سے یا مخصوص آلہ سے کاٹنا۔ (۴)

اس میں مبالغہ کی کوئی قید نہیں ہے، عام ہے، اب ظاہر ہے کہ دوسری حدیثوں میں جب مبالغہ پر دلالت کرنے والے الفاظ ہیں تو اس سے بھی مراد وہی مبالغہ والا معنی لینا چاہئے، امام بخاریؒ نے باب قص الشارب میں فطرت والی حدیثیں ذکر کیں جن میں قص الشارب کا لفظ ہے لیکن ترجمۃ الباب میں ابن عمر ؓ کا فعل ذکر کیا ہے " كان ابن عمر يحفي شاربه حتى ينظر الى بياض الجلد يعنى بين الشارب واللحية " (۵)

یعنی ابن عمر ؓ اپنی مونچھ کو مبالغہ سے کاٹتے حتی کہ جلد کی سفیدی نظر آتی اور دونوں طرف کے مونچھ اور داڑھی کے درمیان کے بال بھی کاٹتے تھے، اس سے امام بخاریؒ نے

---

(۱) شعب الايمان: فصل في الأخذ من اللحية، حديث: ٦٤٤٦

(۲) شعب الايمان: فصل في الأخذ من اللحية، حديث: ٦٤٢٥

(۳) فتح الباري: باب قص الشارب، ۳۴۷/۱۰

(۴) فتح الباري: باب قص الشارب، ۳۴۷/۱۰

(۵) بخاري: باب قص الشارب، حديث: ٥٥٤٩

غالباً اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث سے مراد احفاء ہے، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے: فکأنه أشار الٰی ان ذلك هو المراد من الحديث " (۱)

چوتھا ایک لفظ " اَخذ " کا آیا ہے" أخذ الشارب من الدين " (۲)

یہ بھی قص ہی کی طرح عام ہے۔

پانچواں لفظ حلق کا بھی نسائی کے بعض نسخوں میں آیا ہے، حافظ ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک لفظ ہے، دلیل یہ دی ہے کہ "جز، احفاء، انهاك" کے الفاظ جو دوسری حدیثوں میں آئے یہ سب مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں۔ (۳)

تو اسی کو راوی نے حلق سے تعبیر کر دیا ہوگا، کیوں کہ احفاء جو مبالغہ کے ساتھ ہوتا ہے حلق ہی کی طرح معلوم ہوتا ہے، دونوں میں بہت مشابہت ہے۔

☆ مونچھ کے بال اتنے کترے جائیں کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ "مجتبٰی" کے حوالے سے لکھتے ہیں: "والقص منه حتى يوازى الحرف الاعلى من الشفة العليا سنة بالاجماع" مونچھ اس طرح کترنا کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ واضح ہو جائے، بالاجماع سنت ہے۔ (۴)

☆ ہفتہ میں کم از کم ایک بار مونچھوں کو کتر لینا چاہیے، کیونکہ اس سے زیادہ تاخیر کرنے میں بدنما معلوم ہوتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس عمل کو جمعہ کے دن انجام دیا جائے، کیونکہ اس دن کو دیگر ایام پر خاص فضیلت حاصل ہے، حدیث میں جمعہ کے دن کو سید الایام کہا گیا ہے؛ اس لئے اچھی ہیئت کے ساتھ نماز جمعہ کیلئے حاضر ہونا چاہئے، آپ ﷺ کا معمول تھا: "كان يأخذ أظفاره وشاربه كل جمعة" آپ ﷺ ہر جمعہ کو ناخن تراشتے اور مونچھ بناتے تھے۔ (۵)

---

(۱) فتح الباري: باب قص الشارب، ۳۴۷/۱۰

(۲) نسائي: فصل في الأخذ من الشارب، حديث: ۶۰۳۳

(۳) فتح الباري: باب قص الشارب، ۳۴۷/۱۰

(۴) رد المحتار: فصل في البيع: ۴۰۷/۶، دار الفكر، بيروت

(۵) شرح معاني الآثار: باب اللباس والطيب: ۲۳۱/۲

سر کے بال

☆ احادیث میں آپ ﷺ کے سر کے بال کی مختلف مقدار بیان کی گئی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بال نصف کان تک تھے: کان شعر النبی ﷺ الی انصاف اذنیه (۱) آپ ﷺ کے بال نصف کان تک تھے۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کے بال کان کی لَو تک ہوتے تھے: شعره یبلغ شحمة أذنیه (۲) آپ ﷺ کے بال مبارک کان کی لو تک تھے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے سر کے بال مونڈھوں تک تھے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: کان یضرب شعره منکبیه آپ ﷺ کے بال مبارک کان کی لَو تک تھے۔ (۳)

نبی کریم ﷺ کے سر کے بال مونڈھوں تک تھے :

حافظ ابوالفضلؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بالوں کی مقدار کے متعلق احادیث میں تین طرح کے الفاظ مروی ہیں:

۱- جمه ۲- وفره ۳- لمه

اور تینوں کے معانی الگ الگ ہیں، اور وہ درج ذیل ہیں:

---

(۱) مسلم: باب صفة شعر النبی ، حدیث: ۲۳۳۸

(۲) بخاری: باب الجعد ، حدیث: ۵۹۰۱

(۳) بخاری: باب الجعد ، حدیث: ۵۹۰۳

وفرہ : سر کے اس بال کو کہتے ہیں جو کان کی لو تک پہنچ جائیں۔
لمہ : اس بال کو کہتے ہیں جو کان کی لو سے نیچے تک ہوں۔
جمہ : اس بال کو کہتے ہیں جو مونڈھوں تک پہنچ جائیں۔

جمہور اور اہل لغت نے ان تینوں الفاظ کی یہی تعریف کی ہے۔(۱)

اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں آپ ﷺ کے سر کے بال کی چھ مختلف کیفیات کا ذکر ہے، چنانچہ ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بال

۱۔ کبھی نصف کانوں تک
۲۔ کبھی کانوں کی لو تک
۳۔ کبھی کان کی لو اور کندھوں کے درمیان تک
۴۔ کبھی کندھوں تک
۵۔ کبھی کندھوں کے قریب تک
۶۔ کبھی چار چوٹیوں کی شکل میں ہوا کرتے تھے۔(۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بالوں کے سلسلے میں مقدار و کیفیت کا یہ اختلاف درحقیقت احوال و زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ جب آپ ﷺ بال نہیں بنواتے تھے تو مونڈھوں تک آجاتے تھے، اور جب بنوا لیتے تھے تو نصف کان تک ہوجاتے تھے، پھر جب بڑھ جاتے تو کان کی لو تک آجاتے، کچھ اور بڑھ جاتے تو کان اور مونڈھے کے درمیان تک ہوجاتے تھے۔(۳)

☆ عام طور پر آپ ﷺ اپنے سر کے بال رکھا کرتے تھے، آپ ﷺ سے حج و عمرہ کے علاوہ کسی اور موقع پر سر کے بال کا منڈانا ثابت نہیں ہے، علامہ مناویؒ بعض شارحین مصابیح کے حوالے سے آپ ﷺ کے بارے میں لکھتے ہیں: "لم یحلق رأسه فی سنی الهجرة الا عام الحدیبیة ثم عام عمرة القضاء ثم عام حجة الوداع " (۴)

---

(۱) جمع الوسائل: ۷۶/۱ ، باب ما جاء فی شعر رسول الله ﷺ
(۲) جمع الوسائل: ۸۱/۱ ، باب ما جاء فی شعر رسول الله ﷺ
(۳) جمع الوسائل: ۸۱/۱ ، باب ما جاء فی شعر رسول الله ﷺ
(۴) جمع الوسائل: ۸۲/۱ ، باب ما جاء فی ترجل رسول الله ﷺ

" ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے صلح حدیبیہ، عمرۃ القضاء اور حجۃ الوداع کے علاوہ کسی اور موقع پر سر کے بال کو نہیں منڈایا ہے۔ "

اسی لئے سر پر بال کا رکھنا افضل ہے، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: "بال رکھنا حضور ﷺ کا بطورِ عادت کے ہے نہ کہ بطورِ عبادت کے، اس لئے اولیٰ ہونے میں تو شبہ نہیں"۔ (۱)

☆ سر پر بال رکھے تو اس کا اکرام بھی کرے:

سر کے بال رکھنا اولیٰ و افضل ایسے شخص کے حق میں ہے جو بالوں کی نگہداشت کرسکتا ہو، اور اس کی صفائی و ستھرائی پر خاطر خواہ توجہ دے سکتا ہو، آپ ﷺ کا معمول تھا کہ بالوں میں کثرت سے تیل لگاتے اور کنگھا کر کے الجھے ہوئے بالوں کو درست فرماتے " ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكثر دهن رأسه ، وتسريح لحيته ، و يكثر القناع " (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سر میں بکثرت تیل لگاتے تھے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کا کپڑا تیلی (زیات) کے کپڑے کی طرح ہو جاتا تھا "حتى كان ثوبه ثوب زيات" (۳)

تیل سے عمامہ اور ٹوپی کو بچانے کیلئے آپ ﷺ سر پر کپڑے کا ایک ٹکڑا رکھتے تھے، یہ کپڑا عموماً تیل سے تر رہا کرتا تھا، جو تیلی کے کپڑے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ دن میں دو بار تیل لگاتے تھے۔ (۴)

☆ جب سر میں تیل لگانے کا ارادہ ہو تو تیل کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھیں، پھر بسم اللہ پڑھ کر سب سے پہلے ابرو پھر آنکھوں پر لگائیں، اس کے بعد سر پر لگانا شروع کریں، حضرت

---

(۱) امداد الفتاویٰ: بالوں کے حلق و قصر اور خضاب کے احکام: ۴/۲۲۴

(۲) شمائل ترمذی: حدیث: باب ما جاء في ترجل رسول الله ﷺ: ۳۳

(۳) شمائل ترمذی: حدیث: باب ما جاء في ترجل رسول الله ﷺ: ۳۴

(۴) جمع الوسائل: ۱/۸۴، باب ما جاء في ترجل رسول الله ﷺ

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ سر میں تیل لگاتے تو اسے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھتے، اور اَبرو پھر آنکھوں پر لگاتے، اس کے بعد سر پر لگاتے" ان اذا ادھن صب فی راحته الیسری فبدأ بحاجبیه ثم عینیه ثم رأسه " (۱)

☆ سر کے بال منڈائے بھی جاسکتے ہیں :

جیسا کہ گذشتہ سطور میں اس کی وضاحت آ چکی ہے کہ جو سر کے بال رکھے تو اس کا اکرام بھی کرے، اکرام ہی کے قبیل سے تیل لگانا، کنگھا کرنا اور بالوں کو صاف ستھرا رکھنا ہے۔(۲)

لیکن جو شخص بالوں کے حقوق ادا نہ کرسکتا ہو، اور اس کی صفائی و ستھرائی کا مناسب خیال نہ رکھتا ہو تو اس کے حق میں بہتر یہ ہے کہ وہ بال نہ رکھے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سر کے بال منڈادیا کرتے تھے " ثم عادیت رأسی فمن ثم عادیت رأسی ثلاثا وکان یجز شعره " (۳)

اور اِسی غرض سے آپ ﷺ نے بھی بچوں کے سر کے بال کو منڈوایا ہے۔(۴)

اسی لئے علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ سر کے بال منڈانے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ (۵)

مرقاۃ میں ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ بھی سر کے بال کو منڈانا جائز ہے۔(۶)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ ہر جمعہ کو سر کے بال کا منڈانا مستحب ہے۔(۷)

---

(۱) کنزالعمال: لباب الثالث فی شمائل تتعلق بالعادات ...... الخ:حدیث : ۱۸۲۹۹

(۲) مرقاۃ : باب الترجل، ۲۸۲۷/۷

(۳) ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۹، باب الغسل من الجنابة، ابن الترکمانی کہتے ہیں:اس کو ابوداود نے مسلم کے رجال سے نقل کیا ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور یہ ان کے یہاں حسن درجہ کی روایت ہے : الجوھر النقی : ۱۷۸/۱، دار الفکر ، بیروت

(۴) سنن النسائی: حلق رؤوس الصبیان : ۵۲۲۷، حلق رؤوس الصبیان

(۵) عمدۃ القاری : باب القزع:۵۸/۲۲

(۶) مرقاۃ :باب الترجل:۲۸۱۸/۷

(۷) عالمگیری:الباب التاسع عشر فی الختان ...... الخ : ۳۵۷/۵

☆ سر کے بال قینچی سے چھوٹا کرنا بھی درست ہے، سنت کے خلاف نہیں ہے، حضرت معاویہ ؓ فرماتے ہیں: "إني قصرت من رأس النبي ﷺ عند المروه بمقص" (۱)

میں نے نبی ﷺ کے سر کے بال کو مروہ مقام کے پاس قینچی سے تراشا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ عمرہ جعرانہ کا ہے، اسی میں آپ ﷺ نے سر کے بال کو قینچی سے ترشوایا تھا۔ (۲)

مگر خیال رہے کہ سر کے بال قینچی سے ترشواتے وقت ہر طرف کے بال یکساں طور پر لئے جائیں، کسی جگہ کم اور کسی جگہ زیادہ کاٹنا درست نہیں ہے، آج کل قینچی سے بال ترشواتے وقت اگلے حصہ کے بال کو کم چھوٹا کیا جاتا ہے، اور پچھلے حصہ نیز کانوں کے اوپر کے بال کو زیادہ چھوٹا کیا جاتا ہے، یہ سنت کے خلاف ہے، نائی کو بال بنواتے وقت یکساں کرنے کی ہدایت کرنی چاہئے۔

☆ حضور ﷺ بالوں میں کنگھا بھی کرتے تھے، روایتوں سے ثابت ہے کہ کبھی آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے کنگھا کرتے تھے، اور کبھی حضرت عائشہؓ اس عمل کو انجام دیا کرتی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "كنت أرجل رأس رسول الله وأنا حائض" (۳) میں حائضہ ہونے کی حالت میں بھی آپ ﷺ کے سر میں کنگھا کیا کرتی تھی۔

ایک صحابی جب بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کو بڑی ناگواری ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ کوئی چیز (کنگھا وغیرہ) نہیں پاتا جس سے اپنے بال کو درست کرلیتا؟ " ما يجد هذا ما يسكن به شعره " (۴)

حضرت عطاء بن یسارؒ سے روایت ہے کہ ایک صحابی جن کے سر اور داڑھی کے بال پراگندہ

---

(۱) بخاری: باب الحلق والتقصير عند الاحلال حديث: ۱۷۳۰

(۲) مرقاة: باب الحلق: ۵/۱۸۲۸

(۳) بخاری: باب ترجيل الحائض زوجها: حديث: ۵۹۲۵

(۴) سنن النسائي: تسكين الشعر، حديث:: ۵۲۳۶

اور بکھرے ہوئے تھے، وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے، آپ ﷺ نے ان کی اس حالت کو ناپسند فرمایا، اور بالوں کو درست کرنے کا حکم دیا، جب وہ درست کر کے دوبارہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ حالت اس حالت سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی مجلس میں آئے اور اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں (اور دیکھنے والوں کو اس کی صورت) شیطان جیسی معلوم ہو؟ ”كأنه شيطان“ (۱)

☆ زیب وزینت والے امور میں خاص طور سے آپ ﷺ کو داہنی طرف سے ابتداء کرنا پسند تھا، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ وضو کرنے میں، کنگھا کرنے میں اور جوتا پہننے میں داہنی طرف کو مقدم رکھتے تھے ”يعجبه التيمن في تنعله وترجله وطهوره“ (۲)

☆ بالوں کے مونڈنے اور کترنے کے یہ احکام تو مردوں کے تھے، عورتوں کے حق میں سر کے بال چونکہ خلقی طور پر زیب وزینت میں داخل ہیں، اس میں تراش خراش کرنا شرعاً زینت کے خلاف اور خلقت الٰہی میں ایک طرح کا تغیر شمار ہوگا، تکملہ بحر میں ہے کہ آسمان پر موجود فرشتوں کی تسبیح ہے: ”سبحن من زين الرجال باللحى والنساء بالذوائب“ (۳)

”پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں سے زینت بخشی۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو سر کے بال منڈانے سے منع فرمایا ہے ”أن تحلق المرأة رأسها“ (۴)

---

(۱) موطا امام مالك: باب اصلاح الشعر: ۳۴۹٤

(۲) بخاري: باب التيمن في الوضوء، حديث: ۱٦۸

(۳) تكمله البحر الرائق: فصل في بيان ما يلحق بدية النفس: ۸/۳۷۷

(۴) ترمذی: باب ما جاء في كراهية الحلق للنساء، حديث: ۹۱٤، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں معلي بن عبد الرحمٰن ہیں، جنہوں نے وضع حدیث کا اعتراف کیا ہے، ابن عدی کہتے ہیں: مجھے امید ہے کہ: ان میں کچھ حرج نہیں: مجمع الزوائد: باب النهي عن حلق المرأة رأسها، حديث: ۵٦۰۷

حج و عمرہ کے احرام سے نکلنے کیلئے بھی عورتوں کے ذمہ سر کے بال منڈانا نہیں ہے، بلکہ انگلی کے پوروں کے برابر چھوٹا کرنے کا حکم ہے۔ (۱)

اس لئے عورتوں کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے سر کے بال مونڈوائے یا اسے ترشوائے۔ (۲)

البتہ اگر سر میں زخم ہو، یا شدید قسم کا درد ہو، اور بال کٹانے سے حسب مشورہ ڈاکٹر اس میں کمی ہو سکتی ہو تو حسبِ ضرورت منڈانا یا کم کرانا درست ہے، مرض کے علاوہ باقی کسی صورت میں بالوں کی تراش وخراش درست نہیں ہے۔ (۳)

---

(۱) البحر الرائق: فصل لم يدخل مكة وقف بعرفة : ٣٨١/٢

(۲) شامي: مسائل شتى، فصل فى البيع: ٤٠٧/٦

(۳) عالمگیری: الباب التاسع عشر فی الختان ......الخ : ٣٥٨/٥

اسلامی کیلنڈر کی شرعی حیثیت

اسلام اپنے ہر معاملہ میں اپنا ایک تشخص، امتیاز اور خصوصیت چاہتا ہے، اب ہماری صورتحال یہ ہے کہ ہر معاملہ میں غیروں کی اتباع اور ان کی تقلید کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار اور عزت وشرف کا باعث گردانتے ہیں، ہماری یہی صورتحال ہماری اسلامی تاریخ کے ساتھ بھی ہوئی ہے، ہم اپنی تاریخ کو تو بھول گئے اور دوسروں کی تاریخ پر اس قدر فریفتہ ہوئے کہ ہمیں اپنی تاریخ سرے سے یاد ہی نہیں رہی۔

اسلامی کیلنڈر ہجری کیلنڈر کہلاتا ہے، جس کی ابتداء ماہ محرم الحرام سے ہوتی ہے، شریعت کے بہت سے احکام کو اسی ہجری کیلنڈر سے وابستہ کیا گیا ہے، یہ اسلامی تاریخ مسلمانوں کیلئے ایک نشانِ امتیاز رکھتی ہے، جس طرح عیسائیوں کی ایک تاریخ ہے، نیز دیگر اقوام کی اپنی اپنی تاریخیں ہیں، اسی طرح اہل اسلام کی بھی اپنی ایک تاریخ ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب تاریخ مقرر کرنے کی ضرورت محسوس کی تو اسلام کی تاریخ کی ازسرنو بنیاد ڈالی اور اس کو رواج دیا، حالانکہ اس دور میں مختلف تواریخ مختلف اقوام میں رائج تھیں، عیسائیوں کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت شریفہ یا ان کے رفع سے تاریخ موجود اور رائج تھی، اسی طرح یہود کی اپنی ایک تاریخ موجود تھی اور خود مکہ اور اس کے اطراف کے لوگوں میں ہاتھی کے اس عظیم واقعہ سے تاریخ چلتی تھی جس کا وقوع نبی کریم ﷺ کی ولادت شریفہ سے صرف ۵۵ دن پہلے ہوا تھا، اور اس کو "عام الفیل" کہا جاتا تھا۔

مگر اس کے باوجود حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا کہ ان مروجہ تواریخ میں سے کسی تاریخ کو اپنا لیا ہو، اور اس پر اکتفا کیا ہو، بلکہ مستقل طور پر مشورہ کر کے ایک اسلامی تاریخ کی بنیاد رکھی اور اس کو رواج دیا۔

☆ اسلامی تاریخ جس کو ہجری تاریخ کہا جاتا ہے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور یہ تاریخ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے طے پائی تھی۔

علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ: صحیح اور مشہور یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجری تاریخ کی بنیاد رکھی، اس کی وجہ یہ بنی تھی کہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ آپ کی طرف سے ہم کو خط موصول ہوتے ہیں، مگر اس پر تاریخ لکھی ہوئی نہیں ہوتی "إنه تاتينا منك كتب ليس لها تأريخ" (یعنی یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ خط کب کا لکھا ہوا ہے) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے مشورہ کیا، بعض حضرات نے مشورہ دیا کہ نبوت کے سال سے تاریخ لکھی جائے، بعض نے سال ہجرت کا اور بعض نے وفات کے سال کا مشورہ دیا، مگر جمہور نے اس پر اتفاق کیا کہ ہجرت کے سال سے اسلامی تاریخ مانی جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی پر فیصلہ کیا، کیوں کہ ہجرت نے ہی حق اور باطل کے درمیان حد فاصل کا کام کیا ہے فإن مهاجرته فرق بين الحق والباطل (۱)

حضرت محمد بن سیرینؒ سے روایت ہے کہ: ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ آپ تاریخ لکھا کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: کیا تاریخ لکھیں؟ اس نے کہا: "شيء يفعله الأعاجم، يكتبون في شهر كذا، من سنة كذا" (ایک بات جو عجمی لوگ کرتے ہیں، وہ لوگ لکھا کرتے ہیں کہ فلاں سال کے فلاں مہینہ سے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہاں! یہ تو اچھی چیز ہے، لہٰذا تاریخ لکھا کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ کس سنہ سے ہم اس کا آغاز کریں؟ بعض نے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے، بعض نے کہا کہ: وفات سے، پھر ہجرت پر سب نے اتفاق کرلیا "فاتفقوا علي الهجرة" پھر ان لوگوں نے کہا: کس مہینہ سے؟ ان لوگوں نے کہا: رمضان سے، پھر کہا کہ: محرم سے، کیوں کہ لوگ اس مہینہ میں حج سے واپس ہوتے ہیں اور وہ محترم اور معزز مہینہ ہے "فالمحرم هو

---

(۱) الكامل في التاريخ: ۱/۹، دار الكتاب العربي، بيروت

منصرف الناس من حجهم وهو شهر حرام ، فأجمعوا عليه " (۱)

اور ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دستاویز پیش کی گئی، جس کی میعاد شعبان تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: کونسا شعبان مراد ہے؟ وہ جو گذر گیا یا جو آنے والا ہے؟ " فقال عمر : أي شعبان ، الذي هو آت ، أو الذي نحن فيه ؟ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ کیا۔ (۲)

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں پتہ چلا کہ اولاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی تاریخ مقرر کرنے کی ضرورت معلوم ومحسوس ہوئی، پھر دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم کی طرف سے بھی تحریک ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیلئے صحابہ کو جمع کر کے ایک فیصلہ کر دیا۔

ہجرت سے اسلامی تاریخ کی ابتدا کی جائے اس کی طرف لطیف اشارہ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلامی تاریخ کیلئے ماخذ بنایا وہ یہ آیت قرآنی ہے " لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ " (۳)

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھیں یہ پہلا دن وہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ مدینہ میں وارد ہوئے تھے اور اسلام کو عزت ملی تھی، پس یہاں اول روز سے مراد تاریخ اسلامی کا پہلا روز ہے اور وہ ہجرت کا دن ہے۔ (۴)

ماہِ محرم سے اسلامی سال کی ابتداء کی ایک وجہ تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یہ لوگوں کے ایک عظیم فریضۂ اسلام کی ادائیگی کے بعد واپسی کا مہینہ ہے اور اس کے علاوہ یہ معزز اور محترم مہینہ بھی ہے، اور اس کے علاوہ ایک وجہ ماہِ محرم سے سال کی ابتدا کی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے ہجرت کا جو عزم اور ارادہ فرمایا تھا وہ ماہِ محرم میں ارادہ فرمایا تھا، گرچہ

---

(۱) الكامل في التاريخ : ۱/ ۱۰، دار الكتاب العربي، بيروت

(۲) تاريخ طبري: ذكر الوقت الذي عمل فيه التاريخ ، ۲/ ۳۸۸، دار التراث ، بيروت

(۳) التوبہ : ۱۰۸

(۴) فتح الباري: ۷/ ۲۶۸

اس پر عمل ربیع الاول میں ہوا، علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ: یہ سب سے قوی وجہ ہے جس کو میں نے محرم سے ابتداء کی مناسبت میں پایا ہے۔(۱)

☆ لہٰذا مہینوں کے عربی نام چھوڑ کر عجمی نام اختیار کرنا اس کو امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے مکروہ قرار دیا ہے، امام احمدؒ نے حضرت مجاہد کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ وہ یوں کہنے کو مکرہ سمجھتے تھے: آزرماہ، وذماء (یہ فارسیوں کے یہاں مہینوں کے نام ہیں)۔(۲)

اگر یہ نام صرف کافروں کے یہاں ہی استعمال ہوتے ہیں تو اس کا استعمال کرنا حرام ہے اور اگر یہ مسلمانوں کے یہاں بھی استعمال کئے جاتے ہیں تو ان کا استعمال مکروہ ہے، (جیسے ہمارے معاشرہ میں گیارہویں، بارہویں، تیجہ کنڈے وغیرہ کے نام سے مہینوں کو موسوم کرنے کا جہلاء میں رواج ہے) چونکہ اسلامی اور دینی نام ہی کو شریعت نے مشروع کیا ہے، اسلامی احکام روزہ، حج وغیرہ دیگر امور بھی اسی سے متعلق ہیں" وکذالك الأصل هو كراهة التشبه بالأعاجم المسلمين فيما انفردوا به " ہاں اگر وہ غیر عرب جو عربی مہینوں کا تلفظ نہ کرسکتے ہوں تو ان کے حق میں یہ کراہت نہیں ہے۔(۳)

☆ اسی طرح اسلامی کیلنڈر کو ترک کرکے عیسوی کیلنڈر کا اپنانا بھی ظاہری روایات کے اعتبار سے ناجائز ہے۔

◌ چونکہ عیسائی یا میلادی کیلنڈر اس میں نصاریٰ کے دین اور مذہب کی بو وباس موجود ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی طرف یہ کیلنڈر مشیر ہے، اور نصاریٰ کی مشابہت کسی امر میں جائز نہیں ہے خواہ وہ چیز تحریف شدہ ہو یا نہ ہو، اور نصاریٰ کی عیدیں اور ان کے دینی امور بھی اسی عیسوی کیلنڈر سے متعلق ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کا خود اپنا اسلامی کیلنڈر ہے، جس کی ایجاد ہی غیروں سے مشابہت سے بچنے کیلئے ہوئی ہے جیسا کہ اوپر کی روایات سے معلوم ہوا، اگر محض تاریخ کا مسئلہ ہوتا تو اس وقت

---

(۱) فتح الباری: ٧/٢٦٨

(۲) الآداب الشرعيه لابن مفلح : فصل في دخول معابد الكفار : ٣/٤٣٣

(۳) التشبه المنهي عنه في الفقه الإسلامي: رسالة مقدمة لنيل درجة الماجستير: ٤٦٣

دیگر اقوام کی تاریخیں موجود تھیں، انہیں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جاتا، علیحدہ سے اسلامی تاریخ کے اختیار کرنے کی ضرورت بالکل نہ ہوتی۔

☾ عیسوی تاریخ پر تکیہ کئے رہنا، اور اسلامی تاریخ اور کیلنڈر کا ترک یہ مسلمان نسل کو عیسائی تاریخ اور ان کی اعیاد اور ادیان سے مربوط کرنا ہے، اور ان کو اسلامی تاریخ اور دینی مزاج و مذاق اور اپنی شناخت سے دور کرنا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: ”يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ“ (۱)

روایات میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے شروع مہینے کے چاند کے سلسلے میں سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ چاند کا کیا معاملہ ہے کہ ظاہر ہوتا ہے دھاگے کی طرح باریک سا اور پھر بڑھتا چلا جاتا اور گول بن جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہوجاتا ہے اور بالکل باریک ہوجاتا ہے جیسا کہ پہلے تھا، ”يبدو ويطلع دقيقا مثل الخيط ثم يزيد حتى يعظم ويستوي ويستدير ثم لا يزال ينقص ويدق حتى يعود كما كان“ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہہ دیجئے کہ چاند دراصل لوگوں کے معاملات میں بھی اور ان کی عبادات میں بھی اوقات معلوم کرنے کا آلہ و ذریعہ ہے۔ (۲)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

”اس آیت سے تو اتنا معلوم ہوا کہ چاند کے ذریعہ تمہیں تاریخوں اور مہینوں کا حساب معلوم ہوجائے گا، جس پر تمہارے معاملات اور عبادات حج وغیرہ کی بنیاد ہے، اسی مضمون کو سورۂ یونس کی آیت میں اس عنوان سے بیان کیا گیا ہے ”وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ“ (۳)

جس سے معلوم ہوا کہ چاند کو مختلف منزلوں اور مختلف حالات سے گذارنے کا فائدہ یہ ہے

---

(۱) البقرة : ۱۸۹

(۲) الدر المنثور : ۱/ ۴۹۰، دار الفكر، بيروت

(۳) يونس : ۵

کہ اس کے ذریعہ سال اور مہینوں اور تاریخوں کا حساب معلوم ہو سکے، مگر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت میں اس حساب کا تعلق آفتاب سے بھی بتلایا گیا ہے، وہ یہ ہے ” فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ “ (۱) پھر مٹا یا رات کا نمونہ اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور تا کہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب۔

اس آیت کریمہ سے اگر چہ یہ ثابت ہوا کہ سال اور مہینوں وغیرہ کا حساب آفتاب سے بھی لگایا جاسکتا ہے، لیکن چاند کے معاملہ میں جو الفاظ قرآن کریم نے استعمال کئے ہیں، اس سے واضح اشارہ اس طرف ملتا ہے کہ شریعت اسلام میں حساب چاند ہی کا متعین ہے، خصوصاً ان عبادات میں جن کا تعلق کسی خاص مہینہ اور اس کی تاریخوں سے ہے، جیسے روزہ، رمضان، حج کے مہینے، حج کے ایام، محرم، شب برأت وغیرہ سے جو احکام متعلق ہیں، وہ سب رؤیت ہلال سے متعلق کئے گئے ہیں۔ (۲)

اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ: عبادات میں قمری حساب کا اعتبار فرض وضروری ہے حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: ”پھر عبادات کے معاملہ میں تو قمری حساب کو بطور فرض متعین کر دیا اور عام معاملات تجارت وغیرہ میں بھی اسی کو پسند کیا، جو عبادات اسلامی کا ذریعہ ہے اور ایک طرح کا اسلامی شعار ہے، اگر چہ شمسی حساب کو ناجائز قرار نہیں دیا، شرط یہ ہے کہ اس کا رواج اتنا عام ہو جائے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل بھلا دیں، کیوں کہ ایسا کرنے میں عبادات روزہ وحج وغیرہ میں خلل لازم آتا ہے، جیسا کہ اس زمانہ میں عام دفتروں اور کاروباری اداروں؛ بلکہ نجی وشخصی مکاتبات میں شمسی حساب کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے پورے یاد نہیں رہے، یہ شرعی حیثیت کے علاوہ غیرتِ قومی اور ملی کا بھی دیوالیہ پن ہے، اگر دفتری معاملات میں جن کا تعلق غیر مسلموں سے بھی ہے،

---

(۱) بنی اسرائیل: ۱۲

(۲) معارف القرآن: ۱/۳۱۱-۳۱۲

ان میں صرف شمسی حساب رکھیں، باقی نجی خط و کتابت اور روزمرہ کی ضروریات میں قمری اور اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرض کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہوگا اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔ (۱)

اس سے پتہ چلا کہ اگر اسلامی تاریخ اور کیلنڈر کو بالکلیہ ترک کر دیا جائے اور عیسوی کیلنڈر ہی کو رواج دیا جائے تو یہ ناجائز ہوگا۔

---

(۱) معارف القرآن: ۱/۳۶۸

ہدیہ آداب واحکام

''ہدیہ'' کے معنی تحفہ کے ہیں، تحفہ معمولی ہو یا قیمتی کسی انسان کی محبت میں اور اس سے اظہارِ تعلق کیلئے اس کو کچھ دینا ہدیہ ہے۔

☆ آپسی تعلقات کی درستگی اور آپسی جوڑ کو باقی اور برقرار رکھنے کیلئے ہدیہ اور تحفہ سے بڑھ کر کوئی موثر چیز نہیں، اس لئے احادیث میں آپس کے ہدایا کے تبادلے کی ترغیب دی گئی ہے کہ محبت والفت قائم اور باقی رہے، رشتے ناتے بنے رہیں۔

اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''تھادو تحابّوا'' ہدایا کے تبادلے کے ذریعہ محبت اور الفت میں اضافہ کرو۔(۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ: ''تھادوا فانّ الھدیة تذھب وحر الصدور'' ایک دوسرے کو ہدایا دیا کرو، یہ دلوں کی رنجش دور کرتا ہے۔(۲)

☆ خود نبی کریم ﷺ اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہدایا کے تبادلہ کا معمول تھا اور آپ ﷺ نے ہدیہ کے تبادلہ پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ اُمِ حفیدؓ نے حضور ﷺ کو پنیر اور گھی کا ہدیہ پیش کیا تو حضور ﷺ نے پنیر اور گھی نوش فرمایا ''فأکل النبی من الاقط والسمن'' (۳)

---

(۱) الأدب المفرد: باب قبول الھدیة، حدیث: ۵۹۴، علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ: حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے: نیل الأوطار : باب افتقارھا الی القبول : ۷۳/۶

(۲) ترمذی: باب فی حث النبی علی الھدیة ، حدیث: ۳۱۳۰، ادارة الطباعة المنیریة، ابن الملقن نے کہا ہے کہ: امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا، بعض اہل علم نے ابی معشر کے قوتِ حافظہ کے تعلق سے کلام کیا ہے اور ابن قطان کہتے ہیں کہ: نجیح ضعیف ہیں، بعض لوگ ان کی توثیق کرتے ہیں: البدر المنیر: ۱۱۵/۷، دار الھجرة للنشر والتوزیع

(۳) بخاری : باب قبول الھدیة ،حدیث: ۲۴۳۶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو اس کے بارے میں دریافت فرماتے: یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر یہ کہا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو اپنے اصحاب سے کہتے: تم لوگ کھاؤ اور خود تناول نہ فرماتے اور اگر یہ کہا جاتا کہ: یہ ہدیہ ہے تو اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے اور نوش فرماتے " ضرب بيده فأكل معهم " (۱)

☆ معمولی ہدیہ کو بھی حقیر اور کمتر نہ تصور کرے، چونکہ ہدیہ کی مقدار کی کمی و زیادتی مطلوب نہیں ہوتی، پیش کرنے والے کی جانب سے محبت وخلوص کا اظہار اصل مقصود ہوتا ہے اور چونکہ جتنا میسر ہو اس کے دینے میں کلفت نہیں ہوتی، اہتمام میں کلفت ہوتی ہے، اور تکلف تکلیف کو شامل ہوتا ہے،، پھر اظہارِ محبت کیسے ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی مجھے بکری کا ایک پایا بھی پیش کرے تو میں اسے قبول کرلوں گا " لو أهدى الى كراع لقبلته "(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی پڑوسن اپنے پڑوسن کے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے، اگر چہ وہ بکری کے کھر کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو "ولو فرسن شاة" (۳)

☆ ہدیہ کو رد نہ کرے اور قبول کرنے سے نہ رک جائے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کو ہدیہ کے طور پر خوشبودار پھول پیش کیا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اسے رد نہ کرے، وہ بہت ہلکی اور کم چیز ہے اور اس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے " فانه خفيف المحمل، طيّب الريح " (۴)

---

(۱) بخاری: باب قبول الهدية، حديث: ۲۴۳۷

(۲) ترمذی: باب قبول الهدية واجابة الدعوة، حديث: ۱۳۳۸، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) بخاری: باب فضلها والتحريض عليها، حديث: ۲۴۲۷

(۴) مسلم: باب استعمال المسك، حديث: ۲۲۵۳

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزوں کو رَد نہیں کرنا چاہیے (یعنی کوئی دے تو انکار نہیں کرنا چاہئے) تکیہ، خوشبو اور دودھ

" ثلاث لا تُرَدّ: الوسائد، والدهن واللّبن " (۱)

اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ جو شخص بغیر مانگے ملنے پر نہ لے اس کو مانگنے پر بھی نہیں ملتا۔ (۲)

بعض علماء کا کہنا ہے کہ جو شخص احتیاج کے باوجود واپس کردے وہ کسی سزا میں مبتلا ہوتا ہے، طمع پیدا ہوجائے یا مشتبہ مال لینا پڑے اور کوئی آفت ایسی ہی آجائے۔ (۳)

حضرت سری سقطیؒ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس ہدیہ بھیجا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے واپس کردیا تو حضرت سری نے فرمایا کہ: احمد واپس کرنے کا وبال لینے کے وبال سے سخت ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ: ایک مرتبہ پھر اس بات کو فرمادیں (تاکہ میں اس پر غور کرو) حضرت سری نے پھر یہی بات فرمائی کہ واپس کرنے کا وبال لینے کے وبال سے زیادہ سخت ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ: میں نے اس لئے واپس کیا کہ میرے پاس ایک مہینے کے گذر کے قابل باقی ہے، آپ اس کو اپنے پاس رہنے دیجئے ایک مہینہ کے بعد مجھے مرحمت فرمادیں۔ (۴)

امام غزالیؒ نے قبول ہدیہ کے سلسلہ میں چند اہم اور قابل عمل باتیں لکھی ہیں، اس سے واقفیت خصوصاً اس دَور میں بہت ضروری ہے:

ہدایا کے سلسلے میں تین چیزیں قابل غور وفکر ہوتی ہیں، ایک تو مال، دوسرے دینے والے کی غرض، تیسرے لینے والے کی غرض، اول تو دیکھا جاتا ہے کہ وہ مال کیسا ہے؟ اگر حرام مال ہے یا مشتبہ ہے تو اس سے احتراز ضروری ہے، اس کے بعد دوسری چیز دینے والے کی غرض دیکھنا ہے، وہ کس نیت سے دیتا ہے، یعنی ہدیہ کی نیت سے دے رہا ہے، جس سے

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی کراهیة رد الطیب، حدیث: ۲۷۹۰، علامہ حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن درجہ کی ہے؛ لیکن یہ بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے: فتح الباری: ۵/۲۰۹

(۲--۴) فضائل صدقات: ۴۳۴

دوسرے کا دل خوش کرنا اور اس کی محبت بڑھانا مقصود ہے یا صدقہ کی نیت سے دے رہا ہے (یا کسی اور غرض فاسد سے دے رہا ہے) پس اگر محض ہدیہ ہے تو اس کا قبول کرنا سنت ہے، بشرطیکہ اس میں لینے والے پر منت (احسان اور بوجھ نہ ہو) اگر منت ہو تو رد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر ہدیہ کی مقدار زیادہ ہونے پر منت (احسان) ہو تو اس میں سے کچھ مقدار لینے میں اور کچھ مقدار واپس کرنے میں مضائقہ نہیں، حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے گھی اور پنیر اور ایک مینڈھا پیش کیا، حضور اکرم ﷺ نے گھی اور پنیر قبول فرمالیا اور مینڈھا واپس کردیا اور حضور ﷺ کی یہ عادت شریفہ بھی تھی کہ بعض کا ہدایہ قبول فرمالیتے اور بعض کا رد فرمادیتے، ایک مرتبہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میرا ارادہ ہے کہ کسی شخص کا ہدیہ قبول نہ کروں، بجز ان لوگوں کے جو قریشی ہوں یا انصاری یا دوسی۔ (۱)

☆ ہر شخص کے لائق اور مناسب ہدیہ پیش کرے، ہدیہ مہدی (ہدیہ دینے والے) کی عقل وفراست کا غماز ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ : تین چیزیں آدمی کی عقل وفراست کا پتہ دیتی ہیں:

۱۔ ہدیہ : ہدیہ دینے والی کی
۲۔ پیغامبر : پیغام رساں کی
۳۔ خط اور تحریر : کاتب کی

اللہ عزوجل نے بلقیس کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ” وَاِنِّیْ مُرْسِلَۃٌ اِلَیْھِمْ بِھَدِیَّۃٍ فَنَاظِرَۃٌ بِمَا یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ “ (۲)

یعنی بلقیس نے ہدیہ کے جواب کے ذریعہ مقابل کے مقام ومرتبہ اور ان کی عقل وفراست کے اندازہ لگانے کی بات کہی ہے۔

☆ ہدیہ دینے میں قریب سے قریب تر کو دینے کی کوشش کرے، پہلے عزیز واقارب میں

---

(۱) احیاء العلوم: ٢٠٧/٤، دار المعرفة، بیروت

(۲) النمل: ٣٥

جو قریب کے ہوں، اور پڑوسیوں میں بھی جس کا گھر قریب ہو، دوست واحباب اور نیکوکاروں میں بھی یہ ترتیب ملحوظ رکھی جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے دو پڑوسی ہیں، میں ان میں سے کس کو ہدیہ دوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ” الٰی أقربھما منك بابًا “ جس کا دروازہ تم سے قریب ہو۔(۱)

☆ کافر کو ہدیہ دینا اور اس کا ہدیہ قبول کرنا دونوں جائز ہے:

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں ان دونوں مسائل کو الگ الگ عنوان کے تحت ایک ہی جگہ ذکر فرمایا ہے، مشرکین کو ہدیہ دینے کے سلسلے میں اس آیت سے استدلال کیا ہے جس میں امن پسند مشرکین کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کا حکم دیا گیا ہے، ” لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ “ (۲) اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو، بھلائی اور انصاف کا سلوک بیشک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔

نیز اس روایت سے بھی کافر کو ہدیہ دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت اسماءؓ کی والدہ آئیں تو وہ مشرک تھیں، حضرت اسماءؓ نے دریافت کیا کہ: کیا ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے؟ تو آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا ” نعم صلي أمك “ (۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے پاس ایک کپڑے کا جوڑا بکتے ہوئے دیکھا، تو نبی کریم ﷺ سے فرمایا: آپ ﷺ اس جوڑے کو جمعہ کے دن اور وفود کے آمد کے وقت پہننے کیلئے خرید لیجئے، تو آپ ﷺ نے

---

(۱) بخاري: باب حق الجوار في قرب الأبواب، حديث: ٥٦٧٤

(۲) الممتحنة: ٨

(۳) بخاري: باب الهدية للمشركين، حديث: ٢٤٧٧

فرمایا: یہ لباس وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، آپ ﷺ کے یہاں اس قسم کے جوڑے آئے تو آپ ﷺ نے ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں بھی بھیجا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کو کیسے پہنوں؟ حالانکہ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں یوں فرمایا ہے، ” کیف البسھا وقد قُلت فیھا ما قلت “ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں یہ پہنے کیلئے نہیں دیا، یا تو تم اس کو کسی کو بیچ دو، یا کسی اور کو دے دو، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے بھائی کے پاس جن سے ان کا قبل از اسلام تعلق تھا بھیجا ” فأرسل الی أخ له من أھل مكة قبل أن یسلم “ (۱)

کافروں کے ہدایہ کے قبول کرنے کا جواز اس طرح ثابت ہے کہ آپ ﷺ یہودیوں کے ہدایا کو قبول فرماتے تھے، اس یہودیہ کا قصہ معروف ومشہور ہے جس نے آپ ﷺ کو زہریلی بکری بطورِ ہدیہ پیش کی تھی ” شاة مسمومة “ جس کو خود آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تناول فرمایا تھا۔

دومۃ الجندل نامی مقام کے فرماں روا اُکیدر نے ایک ریشمی جبہ پیش کیا، آپ ﷺ نے اسے قبول فرمالیا، اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ملکہ اُیلہ سے خچر اور چادر کا تحفہ قبول فرمایا ہے اور امام بخاریؒ نے کافروں کے ہدیہ کو قبول کرنے کا جواز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہِ مصر کے حضرت ہاجرہ کو بطور ہدیہ پیشکش کرنے اور ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبول فرمانے سے ثابت کیا ہے۔ (۲)

☆ ہدیہ کے سلسلے میں سب سے بری اور قبیح بات یہ ہے کہ انسان ہدیہ دے پھر اس کے واپسی کا مطالبہ کرے، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”العائد فی ھبته کالکلب یقیء ،ثم یعود فی قیئه “ اپنے ہبہ کردہ ہدیہ کردہ چیز کا مطالبہ کرنے والا کتے کی طرح ہے جو قئی کرتا ہے، پھر اپنی قئی کو چاٹ جاتا ہے۔ (۳)

---

(۱) بخاری: باب الھدیة للمشرکین ،حدیث: ۲۴۷۶

(۲) بخاری: باب قبول ھدیة المشرکین

(۳) بخاری: باب ھبة الرجل لامراته ،حدیث: ۲۴۴۹

☆ اولاد کو ہدیہ اور تحفہ دینے میں برابری کرے، کسی ایک لڑکے کو اس سے محبت کی وجہ سے میراث کے علاوہ کوئی چیز بطورِ ہدیہ نہ دے کہ اس طرح دوسری اولاد کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کو عطیہ اور تحفہ دیا اور اس موقع سے وہ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ بھی تشریف فرما ہوں، تاکہ آپ ﷺ اس ہدیہ اور تحفہ پر گواہ رہیں تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اس طرح عطیہ دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل کا ڈر کرو اور اپنی اولاد کے مابین انصاف اور عدل کرو" فاتقو اللّٰه واعدلوا بين أولادكم"(۱)

☆ بطورِ ہدیہ کے گانے بجانے کے آلات اور حرام وناجائز قسم کے لباس نہ دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے باہر کپڑے کا ایک جوڑا دیکھا تو فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کاش آپ ﷺ اس کو خرید کر جمعہ اور وفود کی آمد کے موقع سے پہن لیتے تو آپ ﷺ نے فرمایا: " انّما يلبسها من لاخلاق له فی الاٰخرة " اس کو وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔(۲)

☆ غیر شرعی اور غیر اسلامی ہدایا میں وہ بھی داخل ہیں جیسے غیروں کے تہوار اور اعیاد کے موقع سے ان کو دیئے جاتے ہیں، جیسے: سالگرہ گفٹ، نیا سال گفٹ، کرسمس گفٹ، اس طرح کے غیر شرعی مواقع سے ہدایا کا پیش کرنا یہ ان کی تائید کرنے کے مماثل ہے۔

☆ والئ ملک یا بادشاہِ سلطنت نے اپنے کسی کارندے کو کسی جگہ کے مالیات کے وصولی وغیرہ پر مقرر کیا، اس کو لوگوں نے سلطان کا کارندہ ہونے کی حیثیت سے کچھ ہدیہ یا تحفہ دیا تو اس کا یہ ہدیہ اور تحفہ کا لینا حرام اور ناجائز ہے۔

حضرت ابوحمید الساعدی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو جس کا نام ابن اللتبیہ تھا، وصولیٔ صدقات کیلئے بھیجا، جب وہ واپس آیا تو اس نے سارا حساب

---

(۱) بخاری: باب الاشهاد فی الهبة، حدیث: ۲۴۴۷

(۲) بخاری: باب یلبس أحد ما یجد، حدیث: ۸۴۶

وکتاب کیا کہنے لگا: یہ تمہارا مال ہے اور یہ بطورِ ہدیہ مجھے ملا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیوں تم اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھے نہیں رہے کہ تمہارے پاس تمہارا ہدیہ اگر تمہاری بات سچی ہوتی تو خود بخود آجاتا،" فهلا جلست في بيت أبيك وأمّك حتى يأتيك هديتك ان كنت صادقًا" پھر آپ ﷺ نے خطبہ دیا، اللہ عزوجل کی تعریف کی، پھر فرمایا: حمد وصلوٰۃ کے بعد، میں تم میں سے کسی شخص کو اپنے کاموں پر طئے کرتا ہوں تو وہ آکر کہتا ہے یہ تمہارا مال ہے، اور یہ میرے لئے ہدیہ ہے، کیوں وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھا نہیں رہتا کہ اس کا ہدیہ اس کے پاس آجاتا، اللہ کی قسم! تم میں کوئی شخص اگر ناحق طریقہ سے لے گا تو وہ روزِ قیامت اللہ عزوجل کے یہاں اسے لے کر آئے گا، اگر وہ اونٹ ہوا تو بلبلاتا ہوا آئے گا اگر گائے ہوئی تو ڈکارتی ہوئی آئے گی یا بکری ہوئی تو ممیاتی ہوئی آئے گی، پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے، حتی کہ ہم نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں نے یقیناً پہنچادیا، اے اللہ! میں نے یقیناً پہنچادیا " اَللّٰھُمَّ بلَّغتُ، اَللّٰھُمَّ بَلَّغْتُ " (۱)

☆ اسی طرح قاضی اور حاکم اللہ عزوجل کے حکم میں تبدیلی اور کسی فیصلہ میں شرعی حکم سے عدول کیلئے ہدیہ لینا یہ بھی رشوت اور حرام ہے، حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے "الهدية الى الامام غلول" امام المسلمین کو ہدیہ دینا رشوت ہے۔ (۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: " فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِیْ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِیَ اللّٰہُ خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰکُمْ، بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِکُمْ تَفْرَحُوْنَ" (۳) جب وہ (قاصد) حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: کیا تم اس مال کے ذریعہ

---

(۱) مجمع الزوائد: باب هدايا الأمراء، حديث: ٦٧٤٤، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں حمید بن معاویہ الباھلی ہیں جو ضعیف ہیں۔

(۲) بخاری، باب محاسبة الإمام عماله، حديث: ٦٧٧٢

(۳) النمل: ٣٦

میری مدد کرنا چاہتے ہو، جو کچھ اللہ عز وجل نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم کو عطا کیا گیا ہے، تمہارے ہدیہ سے تم ہی خوش رہو۔

☆ اگر تحفہ دینے والے کی آمدنی ہی حرام ہو یا اس میں حرام کی آمیزش ہو تو ایسی صورت میں تحفہ قبول کرنے کے تعلق سے حسب ذیل تفصیل ہے :

۱۔ اگر پورا ذریعہ آمدنی ہی حرام ہو تو ایسے شخص کا تحفہ قبول کرنا جائز نہیں۔

۲۔ اگر اس کی آمدنی کا اغلب حصہ حرام ہو، اور اس بات کی وضاحت نہ ہو کہ ہدیہ میں جو مال دیا جارہا ہے وہ حرام ہے یا حلال تو اس کا قبول کرنا جائز نہیں۔

۳۔ اگر ایسا شخص اس وضاحت کے ساتھ ہدیہ دے کہ میں یہ ہدیہ مال حلال میں سے دے رہا ہوں تو ایسا ہدیہ قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

۴۔ اگر کسی کی آمدنی کا غالب حصہ حلال ہو، اور ہدیہ کے بارے میں وضاحت نہ ہو کہ یہ مال حلال سے ہے یا حرام سے؟ تو ایسے شخص کا ہدیہ قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

۵۔ اگر ایسے شخص کے ہدیہ کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ یہ مال حرام سے ہے تو اس ہدیہ کا قبول کرنا جائز نہیں۔(۱)

---

(۱) الفتاوی الهندیه: أبواب الهدايا والضيافات : ٥/٢٤٣-٢٤٢

سفارش : آداب واحکام

☆ لوگوں کی حاجت اور ضرورت کی تکمیل اور ان کی اعانت ونصرت یہ بہت بڑی فضیلت اور اہمیت کی چیز ہے، اسی میں سفارش بھی داخل ہے جو ایک طرح کی نصرت واعانت، حاجت روائی ومشکل کشائی ہے۔

☆ سفارش دو طرح کی ہے ایک جائز سفارش اور ایک ناجائز سفارش، اس کی تفصیل کو اللہ عزوجل کے اس ارشاد میں بیان کیا گیا ہے: "مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا" (۱) جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں اس کا اجر اُس کو ملے گا اور جو کوئی سفارش کرے بری بات کی اس کی سزا اُس کو ملے گی۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے اس آیت کی تفسیر میں یوں فرمایا ہے: اس آیت میں سفارش کو اچھی اور بری دو قسموں میں تقسیم فرما کر اس کی حقیقت کو واضح فرما دیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ نہ ہر سفارش بری ہے اور نہ ہر سفارش اچھی، اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ اچھی سفارش کرنے والے کو ثواب کا حصہ ملے گا اور بری سفارش کرنے والے کو اس کے عذاب کا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جائز شفاعت اور سفارش کیلئے ایک تو شرط یہ ہے کہ جس کی سفارش کی جائے، اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو، اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا، آپ پہنچا دیں، اس سے معلوم ہوا کہ خلافِ حق سفارش کرنا یا دوسروں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کرنا شفاعتِ سیئہ بری سفارش ہے۔

☆ ضرورت مندوں اور کمزوروں کی سفارش اور ان کے کام کی تکمیل کیلئے سعی اور کوشش کرنے کی بے پناہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔

---

(۱) النساء : ۸۵

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جب کوئی حاجت مند اپنی حاجت لے کر آتا اور اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے کوئی درخواست کرتا تو اس وقت آپ ﷺ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی جانب متوجہ ہوتے اور فرماتے: اس حاجت مند کی مجھ سے سفارش کرو کہ آپ ﷺ اس کی حاجت پوری کردیں، تاکہ تمہیں بھی سفارش کا اجروثواب مل جائے ”اشفعوا وتوجروا“ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ جو فیصلہ فرمائیں گے اس پر راضی رہو، ”ویقضی اللہ علی نبیه ماشاء“ (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دنیا میں کسی پریشان حال کی پریشانی کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کوئی ایک پریشانی دور فرمادیتے ہیں ”من وسّع علی مکروب کربة فی الدنیا وسّع اللہ علیه کربة فی الاٰخرة“ (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام کیلئے چل کر جاتا ہے، تو اس کا یہ عمل دس سال کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کیلئے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ فرمادیتے ہیں، ہر خندق آسمان وزمین کی مسافت سے زیادہ چوڑی ہے ”من مشی فی حاجة أخیه کان خیرًا له من اعتکاف عشر سنین“ (۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کے کسی شخص کی ضرورت کو پوری کردیا اور اس کے ذریعہ اس کو خوش کرنا چاہتا ہے تو وہ مجھ کو خوش کرتا ہے اور جس شخص نے مجھ کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو

---

(۱) بخاری : باب التحریض علی الصدقة، حدیث: ۱۳۶۵

(۲) مسند احمد: مسند أبی هریرة، حدیث: ۷۶۸۷ محقق شعیب الارنؤوط کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اور اس کی سند کے رجال ثقہ شیخین کے رجال ہیں سوائے محمد بن واسع کے یہ مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

(۳) مجمع الزوائد: باب فضائل قضاء الحوائج، حدیث: ۱۳۷۱۶، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔

خوش کیا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا "من سرّ الله أدخله الله الجنّة "(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتے ہیں "من کان فی حاجة أخیه کان الله فی حاجته " (۲)

ان روایات سے پتہ چلا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کیلئے جائز امور میں سفارش کرنا یہ بڑے اجر وثواب کا کام ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: " الشفاء ات زکاة المروء ات " سفارش یہ انسانیت کی زکوۃ ہے۔ (۳)

☆ البتہ ناجائز کام کیلئے یا کسی کو ناحق مقدمہ سے چھڑانے یا حدود اللہ کے نفاذ سے بچانے، کسی چور یا بدمعاش مجرم کی سفارش کرنا یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے جاری ہونے میں مانع بن گئی (مثلاً اس کی سفارش کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹا نہ جاسکا) تو اس نے اللہ سے مقابلہ کیا اور جو شخص یہ جانتے ہوئے کہ وہ ناحق پر ہے جھگڑا کرتا ہے تو جب تک وہ اس جھگڑے کو چھوڑ نہ دے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے اور جو شخص مومن کے بارے میں ایسی بری بات کہتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخیوں کے پیپ اور خون کے کیچڑ میں رکھیں گے یہاں تک کہ اپنے بہتان کی سزا پاکر اس گناہ سے پاک ہوجائے "من حالت شفاعته دون حدّ من حدود الله فقد ضادّ الله " (۴)

---

(۱) شعب الایمان : الثالث والخمسون من شعب الایمان، حدیث: ۷۶۵۳

(۲) ترمذی: الستر علی المسلم، حدیث: ۱۴۲۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

(۳) کشف الخفاء: ۱/۱۴۶، المکتبة العصریة، المجموع للنووی، فصل فی تلخیص جملة من حال: ۱/۱۳

(۴) ابوداؤد: باب فی الرجل یعین علی خصومة، حدیث: ۳۵۹۷، امام حاکم نے اس کی سند کو صحیح الاسناد کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، اور علامہ ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔

قبیلۂ قریش کے ایک اعلیٰ خاندان بنومخزوم کی ایک خاتون نے چوری کا ارتکاب کیا، اسے سزا کیلئے پیش کیا گیا، قریش کو سخت صدمہ اور ذلت کا احساس ہوا، تو انہوں نے اس کو بچانے کی سوچی، انہوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، جو حضور ﷺ کے چہیتے اور لاڈلے تھے، ان سے سفارش کرانے کو کہا: حضرت اسامہ قریش کے کہنے پر خدمتِ اقدس ﷺ میں بغرضِ سفارش حاضر ہوئے، حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا اور غصہ میں فرمایا: ”یا اسامۃ! أتشفع فی حد من حدود اللّٰہ“ اے اسامہ! کیا تم اللہ کے مقرر کردہ سزا کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہو، اس کے بعد حضور ﷺ منبر پر تشریف لائے، اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ اگر ان کا کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کمزور آدمی چراتا تو اسے سزا دیتے، خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنتِ محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹنے ہی کا حکم کرتا، ”وایم اللّٰہ لو انّ فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا“(۱)

☆ سفارش محض ایک مشورہ ہے، خواہ سامنے والا مناسب سمجھے تو قبول کرے ورنہ نہیں، اس کا اندازہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے اس واقعہ سے ہوتا ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی ایک باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا تھی اور ان کے شوہر مغیثؓ بھی ایک غلام تھے، غلام شوہر کی بیوی اگر شوہر سے پہلے آزاد کردی جائے تو اس کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کو قبول کرے یا رد کرے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بریرہ کو آزاد کردیا، آزادی کے بعد انہوں نے اپنا نکاح توڑ دیا، ان کے شوہر کو ان سے بڑی محبت تھی، لیکن بریرہ کو وہ ناپسند تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بریرہ کے شوہر کالے رنگ کے غلام تھے، میں ان کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ بریرہ کے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں روتے ہوئے گھومتے تھے، ان کے آنسو اُن کی داڑھی پر بہتے تھے، یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ: تم مغیث کی بریرہ سے محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت پر تعجب نہیں کرتے،

---

(۱) بخاری: باب ام حسبت انّ أصحاب الکھف والرقیم، مسلم: باب قطع السارق الشریف حدیث: ۴۵۰۵

پھر مغیث کی اس شدتِ محبت کی بناء پر حضور ﷺ نے حضرت بریرہؓ سے فرمایا: کاش تم رجوع کر لیتیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے کو حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ میں سفارش کرتا ہوں، انہوں نے عرض کیا: ان کی مجھے ضرورت نہیں ہے (یعنی وہ مجھے ناپسند ہیں)، اس لئے میں سفارش قبول کرنے سے معذور ہوں، آپ ﷺ نے خوش دلی کے ساتھ ان کے حال پر رہنے دیا، "قالت یا رسول اللہ! تأمرنی؟ قال: انّما أنا أشفع، قالت لا حاجة لی فیه" (۱)

☆ ان آیات وروایات کی روشنی میں چند باتیں اور بھی ثابت ہوتی ہیں:

۱- سفارش کرو تو اس طرح کہ سامنے والے کی آزادی میں بالکل خلل نہ آئے، اس میں جبر واکراہ نہیں۔

۲- سفارش قبول کرنے والے بہ طیبِ خاطر سفارش قبول کرے، محض اثر ورسوخ اور منصب وجاہ کے پیشِ نظر سفارش قبول نہ کرے، کیونکہ اس طرح سفارش کرنے سے منصب اور عہدہ پر غیر قابل لوگ متعین ہوں گے، اور اس کے جو نقصانات ہوتے ہیں وہ بالکل ظاہر ہیں۔

۳- صرف جائز امور میں سفارش کی جائے اور قبول کی جائے۔

۴- سفارش کرنا یہ سفارش کرانے والے کی اہلیت کی شہادت ہے، نا اہل کی جانب سے شاہد بننا درست نہیں۔

۵- اگر سفارش قبول کرنے سے کوئی معذور ہو تو سفارش کرنے والے کو ناگواری کا اظہار نہ کرنا چاہئے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی سفارش کو رد کر دیا تو آپ کو کسی طرح کی ناگواری کے اظہار کا کوئی حق نہیں۔

۶- جس کو ضرورت مند سمجھے اس کی سفارش کی جا سکتی ہے، اس کا براہِ راست سفارش کا مطالبہ کرنا کوئی ضروری نہیں، حضور ﷺ نے حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے سفارش کے مطالبے کے بغیر بریرہؓ سے ان کے بارے میں سفارش کی تھی۔

---

(۱) بخاری: باب شفاعة النبی صلی اللہ علیه وسلم، حدیث: ۴۹۷۹

۷- سفارش کے الفاظ اس طرح ہونے چاہئے، جس میں سفارش کرنے والے اور قبول کرنے والے ہر دو کی رعایت ہوتی ہے۔

سفارش کی حقیقت صرف اتنی ہوتی ہے کہ جس کے پاس سفارش جارہی ہے اس کو توجہ دلایا جائے، یعنی اس کے علم وذہن میں یہ بات نہیں ہے، آپ نے سفارش کے ذریعہ توجہ دلادی، اگر تم چاہو تو کرو، ورنہ نہیں، پریشر، دباؤ ڈالنا مقصود نہیں، چونکہ ہر ایک کے کچھ اصول وقواعد وضوابط ہوتے ہیں جس کے دائرہ میں رہ کر کام کرنا ہوتا ہے۔

اس لئے کسی حاجت مند کے بارے میں جب سفارش کرے تو ان الفاظ میں کرے "میرے نزدیک یہ شخص حاجت مند ہے اور میں آپ کو متوجہ کررہا ہوں کہ یہ اچھا مصرف ہے اس پر اگر آپ کچھ خرچ کردیں گے تو انشاء اللہ اجر وثواب کا باعث ہوگا، یہ نہیں کہ یہ کام ضرور کرو" (۱)

حضرت حکیم الامتؒ جب کسی کے نام کی سفارش لکھتے تو اکثر وبیشتر یہ الفاظ لکھتے "میرے خیال میں یہ صاحب اس کام کیلئے موزوں ہیں، اگر آپ کے اختیار میں ہو، اور آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو ان کا یہ کام کردیجئے۔

۸- سفارش پر معاوضہ لینا حرام ہے، بعض لوگ اپنا اثر ورسوخ اور منصب ومقام کا استعمال کرکے سرکاری نوکریوں یا ایک جگہ سے دوسری جگہ شفٹ کراتے ہیں اور اس کے عوض مال لیتے ہیں، اس طرح کی سفارش کے ذریعہ مادی منفعت حاصل کرنا حرام ہے۔

چونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: "کوئی شخص سفارش کرے اور اس پر ہدیہ دیا جائے "فأهدى له هدية" اور وہ اس کو قبول کرے تو اس نے سود کا ایک بڑا دروازہ کھولا "فقد أتى بابًا من أبواب الكبائر" (۲)

---

(۱) اصلاحی خطبات: ۱/۸۷، مکتبہ نعیمیہ دیوبند

(۲) ابوداؤد: باب في الهدية، حديث: ۳۵۴۱، امام قشیری کہتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے، اس کو امام احمد نے روایت کیا اور اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور ان کے سلسلے میں کلام ہے اور ان کی عمر بن مالک نے متابعت کی ہے جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ان کے سلسلے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ فقیہ ہیں جیسا کہ تقریب میں ہے، حدیث ان دو سندوں سے منقول ہونے کی وجہ سے حسن ہے، الالمام بأحاديث الأحكام: ۱/۲۰۷، دار ابن حزم لبنان

جس سفارش پر ہدیہ لیا جائے وہ رشوت ہے، حدیث میں اس کو سخت قرار دیا گیا ہے، اس میں ہر طرح کی رشوت داخل ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ناجائز اور حرام سفارش اس میں ہر طرح کی رشوت داخل ہے، خواہ وہ مالی ہو یا یہ کہ اس کا کام کرنے کے عوض اپنا کوئی کام اس سے لیا جائے۔

تفسیر کشاف وغیرہ میں ہے کہ: ”شفاعتِ حسنہ وہ ہے جس کا منشاء کسی مسلمان کے حق کو پورا کرنا ہو یا اس کو کوئی جائز نفع پہنچانا یا مضرت اور نقصان سے بچانا ہو اور سفارش کا کام بھی کسی دنیوی جوڑ توڑ کیلئے نہ ہو؛ بلکہ محض اللہ کیلئے کمزور کی رعایت مقصود ہو، اور اس سفارش پر کوئی رشوت مالی یا جانی نہ لی جائے اور یہ سفارش کسی ناجائز کام میں بھی نہ ہو، نیز یہ سفارش کسی ایسے ثابت شدہ جرم کی معافی کیلئے نہ ہو جن کی سزا قرآن میں معین ومقرر ہے۔

قرض: آداب واحکام

رسول اللہ ﷺ کی دعوت وتعلیم میں ایمان، اللہ کی عبادت کے بعد بندگانِ خدا اور عام مخلوق کے ساتھ حسن سلوک خاص طور پر ضرورت مندوں اور کمزوروں کی خدمت واعانت پر بڑا زور دیا گیا ہے، ہر فریق دوسرے فریق کی رعایت اور خیر خواہی کرے، جس پر کسی کا حق ہے تو وہ اُس کے ادا کرنے کی کوشش کرے اور جس کا کسی دوسرے پر حق ہے تو وہ اس کے وصول کرنے میں فراخ دلی، نرمی اور فیاضی سے کام لے، سخت اور بے باک رویہ اختیار نہ کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی رحمت اُس بندے پر ہوتی ہے جو بیچنے میں، خریدنے میں اور اپنے حق کا تقاضا کرنے میں اور وصول کرنے میں نرم اور فراخدل ہو "رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰى وَاِذَا اقْتَضٰى" (۱)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: تم سے پہلے کسی امت میں ایک آدمی تھا، جب موت کا فرشتہ اُس کی رُوح قبض کرنے آیا اور قبض روح کے بعد وہ اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوگیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تو نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا تھا؟ اس نے کہا: میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے، اس سے کہا گیا کہ: نظر ڈال اور غور کر، اس نے پھر عرض کیا: کہ میرے علم میں کوئی چیز نہیں سوائے اس کے کہ میں لوگوں کے ساتھ کاروبار اور خرید وفروخت کا معاملہ کیا کرتا تھا تو میرا رویہ اُن کے ساتھ درگذر اور احسان کا ہوتا تھا، میں پیسے والوں اور اصحابِ دولت کو مہلت دیتا تھا اور غریبوں،

---

(۱) بخاری: باب السهولة في الشراء والبيع ومن طلب حقا، حديث: ۱۹۷۰

مفلسوں کو معاف بھی کر دیتا تھا "فَانْظِرُ الْمُوسِرَ وَ اَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ" تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کیلئے جنت میں داخلہ کا حکم فرمایا۔ (۱)

☆ قرض دینا بڑی فضیلت کی چیز ہے، اس کا اجر وثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہے۔

قرض کے لین دین کا ثبوت قرآن سے بھی ہے اور حدیث سے بھی اور اس پر اجماع ہے اور مصلحتِ انسانی کا تقاضا ہے، قرآنِ مجید نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں انفاق کو "قرضِ حسن" قرار دیا ہے۔ (۲)

اس میں قرض کے جائز؛ بلکہ مستحب اور مطلوب ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے، اور ایک جگہ "دَین" کے ساتھ مدت لکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے: (۳)

دَین کا لفظ عام ہے اور قرض بھی اس کے دائرہ میں آتا ہے۔

قرض لینا گو مباح ہے، لیکن قرض دینا مستحب ہے، کیوں کہ یہ نیکی اور بھلائی میں تعاون ہے۔ (۴)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اس نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر وثواب دس گنا ہے، اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا "الصدقة بعشر امثالها والقرض بثمانية عشر" (۵)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ: میں نے

---

(۱) بخاري: باب ما ذكر عن بني اسرائيل، حديث: ٣٢٦٦

(۲) البقرة : ٢٤٥

(۳) البقرة : ٢٨٢

(۴) الشرح الصغير: ٢٩٢/٢

(۵) ابن ماجة : باب القرض ،حديث: ٢٤٣١ ، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند ضعیف ہے، خالد بن یزید بن عبد الرحمٰن بن ابي مالک ابو ہاشم الهمد انی الدمشقی ان کی احمد، ابن معین، ابوداؤد، نسائی، ابوزرعہ، ابن جارود، ساجی، عقیلی، دارقطنی وغیرہ نے تضعیف کی اور احمد بن صالح المصری، ابوزرعہ الدمشقی، نے ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان نے کہا ہے کہ: یہ شام کے فقہاء میں سے روایت میں صدوق ہیں، لیکن ان سے بہت زیادہ خطا ہوئی ہے اور ان کے والد دمشق کے فقیہ اور مفتی تھے: مصباح الزجاجة: كتاب الصدقات: ٤٣/٢ ، دار الجنان، بيروت

جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ: قرض میں کیا خاص بات ہے کہ وہ صدقہ سے افضل ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ سائل (جس کو صدقہ دیا جاتا ہے) اس حالت میں بھی سوال کرتا اور صدقہ لے لیتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے اور قرض مانگنے والا قرض جب ہی مانگتا ہے جب وہ محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے، "وَالْمُسْتَقْرِضُ لَا يَسْتَقْرِضُ إِلَّا مِنْ حَاجَةٍ" (۱)

نیز حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: یہ بات کہ میں دو دینار قرض دوں پھر وہ واپس آجائیں اور میں ان کو کسی کو قرض دوں، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ان کو صدقہ کردوں۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ: کسی چیز کو قرض میں دینا اس کو صدقہ کرنے سے بہتر ہے "قرض الشيء خير من صدقته" (۳)

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس آدمی کا کسی دوسرے بھائی پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) واجب الاداء ہو اور وہ اُس مقروض کو ادا کرنے کیلئے دیر تک مہلت دیدے تو اس کو ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا "فَمَنْ أَخَّرَهُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ" (۴)

☆ قرض لینا مباح ہے۔ (۵)

خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض لینا ثابت ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ جائز مقصد کیلئے قرض لیا جائے۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ قرض لینے والے کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ

---

(۱) ابن ماجة: باب القرض، حديث: ۲۴۳۱، اس کی سند پر بحث پچھلی حدیث میں گذر چکی ہے۔

(۲) المغني: ٤/٢٧

(۳) السنن الكبرى للبيهقي: باب ماجاء في فضل الاقراض، حديث: ١٠٧٣٦

(۴) مسند احمد: حديث عمران بن حصين، حديث: ١٩٩٩١، محقق شعیب الارنؤط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(۵) المغني: ٤/٢٧

ادا نہ کرے، سوائے اس کے کہ کسی ایسے مقصد کیلئے دین حاصل کرے جو اللہ کو ناپسند ہو، " کان اللّٰہ مع الدائن حتی یقضی دینہ، مالم یکن فیما یکرہ اللّٰہ" (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ کے پاس جب کوئی جنازہ لایا جاتا تو آپ ﷺ اس آدمی کے عمل کے بارے میں دریافت نہیں فرماتے؛ بلکہ اس کے قرض کے متعلق پوچھتے، اگر یہ کہا جاتا کہ اس پر قرض ہے تو اس کی نماز نہ پڑھاتے اور اگر یہ کہا جاتا کہ اس پر قرض نہیں ہے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے " وان قیل لیس علیہ دین صلی علیہ " (۲)

ابن حیان سے مروی ہے کہ: حضرت لقمان نے فرمایا: میں نے چٹانوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا اور لوہے کو اٹھایا، میں نے قرض سے زیادہ بھاری بوجھ کسی میں نہ پایا " ما رأیت أثقل من الدین " (۳)

اسی لئے احادیث میں قرض سے پناہ مانگنے کی تاکید آئی ہے اور اس سلسلہ کی دعائیں بھی منقول ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت آپ ﷺ نماز میں یہ دعا مانگتے تھے: " اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ (۴) اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ یہ دعا فرماتے: " اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ " (۵) اے اللہ! میں کفر اور قرضہ سے پناہ مانگتا ہوں۔

---

(۱) ابن ماجة : باب من أدان دينا، حديث : ٢٤٠٩ ، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابن ماجہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح ہے اور اس کے شواہد موجود ہیں: الترغیب: کتاب البیوع وغیرھا، حدیث: ٢٧٨٤

(۲) قصص العرب: ٦٧/١

(۳) قصص العرب: ٦٧/١

(۴) بخاری: باب الدعاء قبل السلام، حدیث: ٨٣٢

(۵) سنن النسائی : الاستعاذة من الدین ، حدیث: ٥٣٧٨

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ نے سختی سے منع فرمایا ہے جیسے (شرک اور زنا وغیرہ) سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اس حال میں مرے کہ اس پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کا سامان چھوڑ نہ گیا ہو ”أن یموت رجل وعلیه دین لا یدع له قضاء“ (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر کوئی آدمی راہِ خدا میں یعنی جہاد میں شہید ہو، اور اس کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر راہِ خدا میں شہید ہو، اور پھر زندہ ہو، اور اُس کے ذمہ قرض ہو تو وہ جنت میں اس وقت تک نہ جاسکے گا جب تک کہ اُس کا قرض ادا نہ ہو جائے ”مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یُقْضٰی دَیْنُه“ (۲)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا؛ تا کہ آپ ﷺ اس کی نمازِ جنازہ پڑھائیں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا اس میت پر کسی کا قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی، پھر دوسری میت لائی گئی، اس کے بارے میں بھی یوں دریافت کیا تو اس کے ذمہ قرض ہونے کی بات کہی گئی، تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تم لوگ اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ پڑھ لو، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس کا قرض میں اپنے ذمہ لے لیا تو آپ ﷺ نے اس کی بھی نمازِ جنازہ پڑھادی ”فَصَلّٰی عَلَیْهِ“ (۳)

ان سب وعیدوں کا تعلق اُس صورت سے ہے جب کہ قرضہ ادا نہ کرنے میں بدنیتی، غفلت، لاپرواہی کا دخل ہو، اگر ادائیگی کی نیت تھی، لیکن قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ادا نہ کر سکا تو امید ہے کہ اللہ اس کو معاف کردے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب فی التشدید فی الدین، حدیث: ٣٣٤٢

(۲) مسند احمد: حدیث محمد بن عبد الله بن حجش، حدیث: ٢٢٥٤٦، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو نسائی، طبرانی نے اوسط میں اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح الاسناد کہا ہے: الترغیب: کتاب البیوع وغیرها، حدیث: ٢٧٧٨

(۳) بخاری: باب من تکفّل عن میت، حدیث: ٢٢٩٥

☆ اگر قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں آدمی کی نیت درست ہو اور وہ ادائیگی قرض کیلئے کوشاں ہو تو اللہ عزوجل اس کا قرض ادا کریں گے، اور اس کے قرض کی ادائیگی کی شکلیں اور صورتیں پیدا فرمادیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی لوگوں سے (قرض اُدھار) مال لے اور اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہو تو اللہ عزوجل اس سے ادا کردے گا، (یعنی ادائیگی میں اس کی مدد کرے گا اور اگر زندگی میں وہ ادا نہ کرسکا تو آخرت میں اُس کی طرف سے ادا فرما کر اس کو اس سے سبکدوش کردے گا) اور جو کوئی کسی سے (قرض اُدھار) لے اور اس کا ارادہ ہی مار لینے کا ہو تو اللہ عزوجل اس کو تلف اور تباہ کردے گا (یعنی دنیا میں بھی وہ اس بدنیت آدمی کو ادائیگی کی توفیق نہ ہوگی اور وہ آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہوگا) ”ومن أخذ يريد اتلافها أتلفه الله“ (۱)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ مقروض کے ساتھ ہیں یہاں تک کہ وہ اپنا قرضہ ادا کرے، بشرطیکہ یہ قرض کسی ایسے کام کیلئے نہ لیا گیا ہو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، ”اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الدَّائِنِ حَتّٰى يَقْضِىَ دَيْنَهٗ مَا لَمْ يَكُنْ فِيْمَا يَكْرَهُ“ (۲)

حضور اکرم ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت میمونہؓ قرض لیتیں، تو ان سے کہا گیا: ام المومنین! آپ قرض لیتی ہیں حالانکہ اس کو ادا کرنے کی سکت آپ میں نہیں ہوتی، تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو شخص قرض لے اور وہ اس کو ادا کرنا چاہتا ہو تو اللہ عزوجل اس کی اعانت اور مدد فرماتے ہیں ”من أخذ دينا وهو يريد أن يؤدّيه أعانه الله عزوجل“ (۳)

---

(۱) بخاری: باب من أخذ أموال النّاس، حديث: ۲۲۵۷

(۲) ابن ماجة: باب من أدان دينار وهو ينوى قضاءه، حديث: ٢٤٠٩، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند صحیح ہے: مصباح الزجاجة: كتاب الصدقات: ۲/۳۹، دار الجنان، بيروت

(۳) سنن النسائي: التسهيل فيه، حديث: ٤٦٨٧

☆ بہتر مال اور بہتر بدل سے قرض کی ادائیگی کی کوشش کرے، حضورِ اکرم ﷺ کا بھی یہی معمول تھا، چونکہ یہ اپنی خوشی سے دینا ہے شرط اور معاہدہ کی بناء پر دینا نہیں ہے، اس لئے یہ سود نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا رسول اللہ ﷺ پر کچھ قرض تھا تو آپ ﷺ نے جب وہ ادا فرمایا تو (میرا واجبی رقم سے) زیادہ عطا فرمایا" فَقَضٰى لِىْ وَزَادَنِىْ "(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹ قرض لیا، پھر آپ ﷺ نے قرض کی ادائیگی میں اس سے بڑی عمر والی اونٹنی عطا فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا: تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرض کی ادائیگی میں بہتر ہوں " خیارکم محاسنکم قضاء " (۲)

☆ کسی سے قرض لے تو ادائیگی کے وقت اسے دعا بھی دے" بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِىْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ "(اللہ عزوجل تمہارے اہل و مال میں برکت عطا فرمائے۔(۳)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص پر احسان کیا گیا اور اس نے احسان کرنے والے کو "جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا" (اللہ تم کو اس کا بہتر بدل عطا فرمائیں) کہا تو اس نے (اس دعا کے ذریعہ) پوری تعریف کی اور شکریہ ادا کردیا " فقد أبلغ في الثناء " (۴)

☆ قرض دہندہ قرض خواہ سے کسی بھی قسم کا نفع حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے:

---

(۱) بخاری: باب حسن القضاء، حدیث: ٢٢٦٤

(۲) مسلم: باب جواز اقتراض الجیران، حدیث:٤١١١

(۳) النسائی: الاستقراض، حدیث: ٤٦٨٣

(۴) ترمذی: باب المتشبع بما لم یعطه، حدیث:٢٠٣٥، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن جید کہا ہے۔

اس کو فرمایا: ”كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبَا“ ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے تو وہ ربا اور سود ہے۔ (۱)

قرض دہندہ کو قرض پر نفع حاصل کرنا اور شرط لگانا کہ مقروض اسے اضافے کے ساتھ واپس کرے حرام ہے، اور سود میں داخل ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے قرض پر نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے اور بعض روایتوں میں اسے سود قرار دیا گیا ہے ”كلّ قرض جرّ نفعًا فهو ربا“ (۲) اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

مقدار میں اضافہ تو حرام ہے ہی، کیفیت میں عمدگی کی شرط لگانا بھی جائز نہیں، مثلاً معمولی چیز دی اور شرط لگائی کہ اس کے بدلے میں بہتر چیز واپس کرے، یہ بھی درست نہیں۔ (۳)

اگر قرض دہندہ نے شرط تو نہ لگائی، لیکن مقروض نے بذاتِ خود عمدہ چیز واپس کی یا زیادہ مقدار کے ساتھ واپس کی، تو ایسا کرنا جائز ہے۔

آج کل بعض ادارے قرض جاری کرتے ہیں اور قرض کے تناسب سے مقروض سے ماہانہ فیس رکنیت وصول کرتے ہیں، یہ صورت بھی جائز نہیں، اور یہ بھی سود میں آتا ہے، ایسے قرض کو غیر سودی قرض کہنا محض دھوکہ ہے۔

فقہاءؒ نے نہ صرف یہ کہ قرض پر اضافہ کو ناجائز قرار دیا اور اس کو نفع اٹھانے کا ذریعہ بنانے سے منع فرمایا ہے بلکہ بالواسطہ طریقہ پر قرض سے نفع حاصل کرنے کا راستہ بھی بند کر دیا، مثلاً قرض دہندہ مقروض آدمی کو سے کوئی معمولی چیز گراں قیمت میں بیچے، یہ بھی مکروہ ہے۔ (۴)

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: باب كل قرض جر منفعة، حديث: ۱۰۷۱۵، اتحاف الخيرة المهرة: باب انما جزاء السلف: ۳/ ۳۸۰، دار الوطن للنشر، الرياض، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند ضعیف ہے سوار بن مصعب ہمدانی کے ضعف کی وجہ سے، اور اس کا ایک شاہد بھی فضالۃ بن عبید کی حدیث سے موجود ہے، جس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں ” فهو وجه من وجوه الربا “ اس کو حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے سنن الکبری میں نقل کیا ہے۔

(۲) التلخيص الحبير: ۳/ ۳٤

(۳) فتاوى الهندية: ۳/ ۲۰۲

(۴) الدر المختار على هامش الرد: ٤/ ۱۹۵

اسی طرح یہ بھی صورت مکروہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص قرض لینے کیلئے آئے تو قرض دہندہ ساٹھ روپیہ تو اسے قرض کے دیدے اور بیس روپیہ کی چیز اسے چالیس روپیہ میں فروخت کر دے؛ تاکہ مقروض کے یہاں اس کے سو روپیہ ہو جائیں گے؟ حالانکہ یہ مقروض کو اسی کا ہی روپیہ حاصل ہوگا۔ (۱)

اسی بناء پر فقہاء نے مقروض کے ہدایا اور دعوتوں میں احتیاط کا حکم دیا ہے، حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو لوگ پہلے سے دعوت نہ دیتے رہے ہوں یا ہدایا و تحائف کا معمول نہ رہا ہو تو ایسی دعوت و تحفوں کا قبول کرنا جائز نہیں، ہاں معاملۂ قرض سے پہلے اس طرح کا معمول رہا تو اب جائز ہے۔ (۲)

☆ قرض خواہ قرض ادا کرنے والے کو یہ دعا دے:

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں آکر ایک شخص نے آپ ﷺ سے اپنے قرضے کے اونٹ کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: دے دو، لوگوں نے (دیکھ کر) کہا: ہمارے پاس بطورِ قرض لئے ہوئے اونٹ سے زیادہ اچھی عمر کا ہے (یعنی جو اونٹ قرض پر لیا تھا یہ اس سے عمدہ ہے) اس نے وصول کر کے کہا: "اَوْفَیْتَنِیْ اَوْفَ اللّٰهُ لَكَ" (۳) آپ نے مجھے پورا پورا حق دیا، خدا آپ کو بھی پورا حق دے۔

حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو قرض دے اور وہ اس کو کوئی ہدیہ دے تو اسے قبول نہ کرے اور اس کو اپنی سواری یا جانور پر سوار کرے تو سوار نہ ہو؛ البتہ یہ کہ ان کے درمیان ہدایا کے تبادلہ اور اس طرح آپسی احسان و سلوک کا معاملہ پہلے ہی سے ہو "اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ جَرٰی بَیْنَهٗ وَبَیْنَهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ" (۴)

---

(۱) در المحتار: ۱۹۵/٤

(۲) الهندية: ۲۰۳/۳

(۳) بخاری: باب حسن القضاء، حدیث: ۲۲٦۳

(۴) ابن ماجة: باب القرض، حدیث: ۲٤۳۲، بوصیری نے کہا کہ: اس کی سند میں کلام ہے: مصباح الزجاجة: کتاب الصدقات: ٤٤/۲، دار الجنان، بیروت

☆ قرض کے سلسلے میں یہ چند احکام بھی نکات کی شکل میں یاد رکھے جائیں جسے حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنے ایک رسالہ میں درج کیا ہے:

۱۔ بلاضرورت قرض نہ لیا جائے یعنی حتی الامکان کسی کے مقروض نہ بنو اور اگر ضرورت کی بناء پر کسی کا مقروض ہونا پڑے تو اس کی ادائیگی کی فکر رکھو، بے پرواہ مت بن جاؤ، اگر وہ کچھ کہے تو اس پر صبر کرو، یہ اس کا حق ہے۔

۲۔ جب ایک مدت کیلئے اُدھار یا قرض کا معاملہ کیا کرو تو اُسے لکھ لیا کرو۔

۳۔ اگر لکھنے کا انتظام نہ ہو سکے تو دو آدمیوں کو گواہ بنالیا کرو۔

۴۔ یہ تو احکام لینے کے وقت کے ہیں دینے کے سلسلے میں اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو مہلت دینا چاہیئے، اگر ہو سکے تو کچھ حصہ یا تمام کا تمام معاف کر دو۔

۵۔ اگر مقروض وقت سے پہلے ادا کرے تو قرض دہندہ کو نہ لینے کا اختیار نہیں۔

۶۔ اگر مقروض دوسرے سے قرض ادا کرائے اور اس سے تم کو وصول لنے کی بھی امید ہو تو اس حوالہ کو منظور کر لو۔

۷۔ اگر کوئی شخص تمہارا مقروض ہو اور اسی حالت میں وہ تم کو ہدیہ یا دعوت کرے تو اگر پہلے سے راہ رسم (یعنی عادت) جاری نہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو۔

۸۔ جب کسی کا قرض ادا کیا کرو، ادا کرنے کے ساتھ دعا بھی دیا کرو، اور اس کا شکریہ بھی ادا کیا کرو۔

۹۔ اگر تم کو وسعت ہو تو کسی مقروض کی طرف سے اس کا قرض ادا کر دیا کرو۔

۱۰۔ اگر تم مقروض ہو اور تمہارے پاس دینے کیلئے ہے بھی اس وقت ٹالنا بڑا ظلم ہے۔

۱۱۔ اور جب تم کسی کے مقروض ہو تو خراب چیز سے اس کا حق ادا مت کرو، بلکہ اس کی ہمت رکھو کہ اس کے حق سے بہتر اس کو ادا کروں گا۔(۱)

---

(۱) حقوق المال: ۵۶-۵۷

☆ قرض لینے کے سلسلے میں کئی قسم کی بد پرہیزیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

۱- بلاضرورت کسی کا مقروض ہو جانا، عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ فضول کاموں کیلئے (مثلاً بیاہ شادی کی رسموں کیلئے) قرض لیا جاتا ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے جو کسی مصیبت کیلئے قرض لیا جاتا ہے، اور عموماً یہ قرضے بھی یا تو کسی شادی میں (پیسہ) برباد کرنے کو یا کوئی عالیشان محل تیار کرنے کو یا غمی کی رسموں میں اڑانے کو جو اکثر خلافِ عقل اور خلاف شرع ہیں، غرض ناموری (شہرت) کے کاموں میں صرف کرنے کو قرض لیا جاتا ہے۔

۲- دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ اپنے زیور یا جائیداد کو محفوظ رکھنا اور دوسروں سے قرض لینا (کیونکہ عام طور پر سودی قرض ملتا ہے) اور چند روز میں دوگنی اور چوگنے ہو کر وہ تمام زیور اور جائیداد برباد ہو جاتی ہے اور نقصان الگ رہا اور گناہ الگ، اگر قرض کی واقعی ضرورت ہے تو اپنے یہاں کی چیز بیچ ڈالے، خدا پھر دیں گے۔

☆ اہل اللہ کا معمول یہ تھا کہ سخت ضرورت میں قرض لیا کرتے، لہٰذا بلاضرورت مقروض نہ ہویا جائے خواہ رسم ورواج کے خلاف کرنا پڑے، مقروض ہونے سے بڑی پریشانی ہوتی ہے حدیث میں ہے: گناہ کم کرو تو موت آسان ہو جائے گی اور کسی سے قرض مت لو دنیا میں آزاد رہ کر زندگی بسر ہوگی۔

قرض لینا سخت مجبوری میں جائز ہے جیسے جہاد کیلئے یا کفن کیلئے، یا کپڑے پھٹ گئے ہوں، چھپا ہوا بدن ظاہر ہونے لگے اور اس جیسی ضرورتوں کیلئے ایسے شخص کے حق تعالیٰ قرض ادا ہو جانے کے ذمہ دار ہیں۔ (۱)

---

(۱) حقوق المال: از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ : ۶۳

مساجد: آداب واحکام

مساجد کو اسلام میں بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت حاصل ہے، یہ دنیا میں اللہ عزوجل کے گھر ہیں، ایک مسلمان کا حقیقی معنی میں مسلمان ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا تعلق اور ربط مساجد کے ساتھ کتنا ہے؟ پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی، خدا کے ساتھ خلوت وتنہائی اور اس کے ساتھ ربط وتعلق کے لئے مطلوبہ یکسوئی کیلئے مساجد سے بڑھ کر بہتر کوئی جگہ نہیں، اسی کو حدیث میں فرمایا گیا: ”أحبّ البلاد الی اللّٰہ مساجدھا“ سب سے بہتر جگہ روئے زمین پر مساجد ہیں۔ (۱)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مساجد زمین میں اللہ عزوجل کے گھر ہیں، یہ آسمان والوں کیلئے ایسے ہی چمکتے ہیں جیسے زمین والوں کیلئے ستارے چمکتے ہیں، ”المساجد بیوت اللّٰه في الأرض“ (۲)

☆ اس لئے خالص اللہ عزوجل کی رضا وخوشنودی کے حاصل کرنے کیلئے مسجد کی تعمیر کرنے والوں کیلئے اللہ عزوجل نے جنت کا وعدہ کیا ہے، ارشادِ نبوی ہے: ”من بنٰی للّٰہ مسجدًا یبتغي به وجه اللّٰه بنی اللّٰه له مثله في الجنّة“ (۳) جو شخص اللہ عزوجل کی رضا اور خوشنودی کے حصول کیلئے مسجد کی تعمیر کرے تو اللہ عزوجل اس کیلئے اس کے مثل جنت میں گھر بناتے ہیں۔ (۴)

---

(۱) مسلم: باب فضل الجلوس في مصلاه، حدیث: ٦٧١

(۲) مجمع الزوائد: باب فضل المساجد ومواضع الذکر والسجود، حدیث: ١٩٣٤، اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) شعب الایمان: فصل المشي الی المساجد، حدیث: ۲۹۳۹، منذری کہتے ہیں اس کو احمد نے سندِ لین کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۴) الترغیب: کتاب الصلاۃ، الترغیب في الدعاء بین الأذان والاقامة، حدیث: ٤١٩

☆ مسجد میں آمد ورفت اور اس سے تعلق رکھنے والے کیلئے جنت میں مہمانی، اللہ عزوجل کی محبت، اس کے مومن ہونے کی علامت اور فرشتوں کے اس کے معاون اور مددگار ہونے کی بات کہی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح وشام مسجد جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں مہمانی کا انتظام کرتے ہیں جتنی مرتبہ وہ صبح یا شام مسجد میں جاتا ہے، اتنی ہی مرتبہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے مہمانی کا انتظام فرماتے ہیں " أعدّ الله له من الجنّة كلّما غدا أوراح" (۱)

اور ایک روایت میں فرمایا: جو شخص مسجد سے محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتے ہیں: "من ألف المسجد ألفه الله" (۲)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی کو بکثرت مسجد میں آنے والا دیکھو تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دو، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" (۳) مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ کثرت سے مسجدوں میں جمع رہتے ہیں، وہ مسجدوں کے کھونٹے ہیں، فرشتے ان کے انتظار میں بیٹھتے ہیں، "انّ للمساجد أوتادًا" اگر وہ مسجدوں میں موجود نہ ہوں تو فرشتے انہیں تلاش کرتے ہیں، اگر وہ بیمار ہو جائیں تو فرشتے ان کی عیادت کرتے ہیں، اگر وہ کسی ضرورت کیلئے جائیں تو فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں، آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: مسجد میں بیٹھنے والا تین فائدوں میں سے ایک فائدہ حاصل کرتا ہے، کسی بھائی سے ملاقات ہو جاتی ہے جس سے

---

(۱) بخاری: باب فضل من غدا الی المسجد، حدیث: ٦٣١

(۲) مجمع الزوائد: باب لزوم المسجد، حدیث: ۲۰۳۱، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس میں ابن لہیعہ ہیں اور ان کے سلسلے میں کلام ہے۔

(۳) التوبة: ۱۸

کوئی دینی فائدہ ہو جاتا ہے، یا کوئی حکمت کی بات سننے کو ملتی ہے، یا اللہ تعالیٰ کی رحمت مل جاتی ہے، جس کا ہر مسلمان کو انتظار ہوتا ہے۔ (۱)

☆ مسجد کو جانے کا ارادہ ہو تو نہایت پاکیزگی اور صفائی ستھرائی کے ساتھ جائے:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ" (۲) لہٰذا اپنے کام کے، سونے یا کھیل کود کے کپڑوں میں ادائیگی نماز کیلئے مسجد میں جانا مناسب اور مسجد کے شایانِ شان نہیں ہے۔

☆ جب مسجد جائے تو سکون وقار کے ساتھ جائے:

چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: جب تم نماز کو آؤ تو سکون و وقار کے ساتھ آؤ، "اذا اتیتم الصلاۃ فعلیکم بالسکینۃ " جب باجماعت نماز مل جائے تو اس کو ادا کرو اور چھوٹی ہوئی کی تکمیل کر لو۔ (۳)

☆ پیدل چل کر جانا یہ زیادہ فضیلت کا باعث ہے:

چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "جو شخص اپنے گھر پر پاکی (وضو وغیرہ) حاصل کرے، پھر اللہ عزوجل کے گھر آئے، اور اللہ عزوجل کے فریضہ کو ادا کرے تو اس کے دونوں قدموں میں سے ایک پر گناہ مٹا دیا جاتا ہے اور دوسرے پر ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے، " کانت خطواتہ احداھما تحطّ عنہ خطیئۃ والأخری ترفع درجۃ " (۴)

☆ جس وقت مسجد میں داخل ہو تو دایاں پیر سے داخل ہو اور بائیں پیر سے باہر آئے اور داخل ہونے اور نکلنے کی دعا پڑھے:

---

(۱) مسند احمد: مسند ابی ھریرۃ، حدیث: ۴۹۱۴، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس میں ابن لہیعہ ہیں اور حاکم نے عبداللہ بن سلام سے یہ حدیث نقل کی ہے سوائے اس قول "جلیس المسجد" اور اس کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے: الترغیب: کتاب الصلاۃ، حدیث: ۵۰۰

(۲) الاعراف: ۲۹

(۳) بخاری: باب قول الرجل فاتتنا الصلاۃ، حدیث: ۶۰۹

(۴) مسلم: باب المشی الی الصلوۃ، حدیث: ۶۶۶

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے "اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ وَ بِوَجۡهِهِ الۡكَرِيۡمِ وَ سُلۡطٰنِهِ الۡعَظِيۡمِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ"(۱) میں عظمت والے اللہ کی اور اس کریم ذات کی اور اس نہ ختم ہونے والی بادشاہت کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے۔

جب یہ دعا پڑھی جاتی ہے تو شیطان کہتا ہے: مجھ سے (یہ شخص) پورے دن کیلئے محفوظ ہوگیا۔

یا جب داخل ہو تو یہ دعا پڑھے :

"اَللّٰهُمَّ افۡتَحۡ لِيۡ اَبۡوَابَ رَحۡمَتِكَ" اے اللہ میرے لئے رحمت کے دروازے کھولدے۔

اور جب نکلے تو یہ دعا پڑھے :

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيۡ اَسۡئَلُكَ مِنۡ فَضۡلِكَ" اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں۔(۲)

☆ جب مسجد میں جائے تو دو رکعت "تحیة المسجد" پڑھے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھے بغیر نہ بیٹھے "فلا يجلس حتى يصلّي ركعتين" (۳)

☆ مسجد کی صفائی وستھرائی کا اہتمام کرے :

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا (صاف کرنا) ہے "وكفّارتها دفنها" (۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب فيما يقوله الرجل عند دخوله المسجد، حديث: ٤٦٦، مناوی کہتے ہیں کہ: مصنف نے اس پر حسن کا نشان لگایا ہے، اذکار میں اس کی سند کو جید کہا ہے: فيض القدير: باب كان وهي مالشمائل الشريفة : ١٢٨/٥

(۲) مسلم : باب ما يقول الرجل اذا دخل المسجد، حديث: ۷۱۳

(۳) بخاری: باب ما جاء في التطوع، حديث: ۱۱۱۰

(۴) بخاری: باب كفارة البزاق في المسجد، حديث: ٤٠٥

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک عورت مسجد سے کوڑا کرکٹ اٹھاتی، اس کا انتقال ہوگیا، نبی کریم ﷺ کو اس کے دفن کی اطلاع دی گئی، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو مجھے اطلاع دے دیا کرے، آپ ﷺ نے اس عورت کی نمازِ جنازہ پڑھی اور ارشاد فرمایا: میں نے اسے جنت میں دیکھا، اس لئے کہ وہ مسجد سے کوڑا کرکٹ اٹھاتی تھی " لما كانت تنقى الأذى من المسجد " (۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے محلوں میں مساجد بنانے کا حکم فرمایا اور اس بات کا بھی حکم فرمایا کہ: مساجد کو صاف ستھرا رکھا جائے اور ان میں خوشبو بسائی جائے "أمر رسول الله ببناء المساجد في الدور وأن تنظّف وتطيّب" (۲)

کسی ایک دیہاتی نے مسجد نبوی میں پیشاب کردیا تھا تو آپ ﷺ نے اس سے یوں فرمایا تھا: یہ مساجد اس طرح کے پیشاب کرنے یا کسی بھی قسم کی گندگی پھیلانے کے ہرگز لائق نہیں ہیں، ان مساجد کا موضوع تو ذکرِ خداوندی، یادِ الٰہی، نماز اور تلاوتِ قرآن ہے "انّ هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذاالبول ولا لقذر، انّما هي لذكر الله والصلاة وقرأة القرآن" پھر آپ ﷺ نے ایک شخص کو اس پر پانی بہانے کا حکم فرمایا (اس ممانعت میں سر یا داڑھی کے بال نوچنا، ناک کی آلائش یا زخم کی آلائش، ریاح کا خروج وغیرہ سب چیزیں شامل ہیں۔ (۳)

اور ایک روایت میں فرمایا: میں نے اپنی امت کے برے اعمال میں اس تھوک کو بھی پایا ہے جو مسجد میں ڈالا گیا ہو اور اسے دفن نہ کیا گیا ہو " و وجدت في مساوئ أعمالها النخاعة تكون في المسجد لا تدفن"(۴)

---

(۱) مسند ابی داؤد الطیالسی: مسند ابو رافع، حدیث: ۲۵٦۸

(۲) ترمذی: باب ما ذکر فی تطیب المساجد: حدیث: ۵۹۵، امام ترمذی نے اس باب میں تین احادیث کے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

(۳) مسلم: باب وجوب غسل البول، حدیث: ۲۸۵

(۴) مسلم: باب النهی عن البصاق فی المسجد، حدیث: ۵۵۳

آپ ﷺ نے ایک شخص کو اس وجہ سے منصب امامت سے معزول فرمادیا تھا کہ اس نے دورانِ نماز قبلہ رخ تھوک دیا تھا " فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لقومه حین فرغ لا یصلی لکم " (۱)

☆ مسجد میں لایعنی اور غیر ضروری باتیں کرنا منع ہے :

آپ ﷺ نے مسجد میں لایعنی اور بے کار کی گفتگو کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: آپس میں باتیں کرنا نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے: " کما تأکل النار الحطب " (۲)

اور ایک روایت میں ہے حضرت حسن ؓ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسجد میں دنیوی باتیں ہونے لگیں گی، تم ان کے ساتھ نہ بیٹھنا کہ خدا کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں "فلا تجالسوھم فلیس للّٰہ فیھم حاجة "(۳)

☆ مسجد میں بلند آواز سے گفتگو نہ کی جائے الا یہ کہ وعظ و نصیحت ہو، اور دوسروں کو سنانا مقصود ہو۔

حضرت سائب بن یزید ؓ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں مسجد میں سویا ہوا تھا، کسی نے مجھے کنکری ماری (میری آنکھ کھل گئی) تو میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عمر بن الخطاب ؓ ہیں انہوں نے فرمایا: جاؤ اور ان دونوں کو جو مسجد میں باتیں کر رہے ہیں میرے پاس لے آؤ، چنانچہ میں ان دونوں کو حضرت عمر ؓ کے پاس لایا، حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اگر

---

(۱) صحیح ابن حبان: باب المساجد، حدیث: ۱٦٣٦

(۲) ابوداؤد: باب فی الحسد، حدیث: ٤٩٠٣، علامہ عراقی نے کہا ہے: بخاری نے کہا ہے کہ: یہ روایت صحیح نہیں ہے، اور یہ ابن ماجہ میں حضرت انس ؓ کی حدیث سے ضعیف سند سے منقول ہے، اور تاریخ بغداد میں حسن سند کے ساتھ موجود ہے: المغنی عن حمل الأسفار: ۱/ ٣٢، مکتبة الطریة، الریاض

(۳) شعب الایمان: فصل المشی الی المساجد، حدیث: ٩٢٦٢، حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے، اور یہ کہا ہے کہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے: المستدرك: کتاب الرقاق، حدیث: ٧٩١٦

تم دونوں اس شہر کے ہوتے تو میں تم کو دردناک سزا دیتا، تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز بلند کررہے ہو؟ "لو كنتما من أهل البلد لأوجعتكما ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم" (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس بدبودار درخت کو کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، چونکہ جو چیزیں انسان کیلئے تکلیف دہ اور اذیت رساں ہوتی ہیں، اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے "فإن الملٰئكة تتأذى ممّا يتأذّى منه الانس" (۲)

ایک دوسری روایت میں حضور ﷺ سے ان دونوں درختوں (یعنی پیاز اور لہسن) کے کھانے کی ممانعت منقول ہے، آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ: کوئی ان دونوں درختوں کو کھا کر ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اگر کھانا ضروری ہو تو ان دونوں کو پکا کر کھائے، "ان كنتم لا بدّ اكليهما فليمتهما طبخًا" (۳)

مذکورہ روایات سے پتہ چلا کہ لہسن اور پیاز کا استعمال فی نفسہ مکروہ نہیں، بلکہ ان کی بدبو کی وجہ سے ان کے کچا استعمال کے بعد مسجد میں آنے سے منع کیا گیا ہے، بیڑی، سگریٹ، گٹکھا اور دیگر تمباکو اشیاء کا ان کے بدبودار اور مضر صحت ہونے کی وجہ سے ان کے استعمال کے بعد بنا منہ کی صفائی کے مسجد میں آنا بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہوگا۔ (۴)

ایسے ہی قصاب، مچھلی فروخت کرنے والے، جذامی، کوڑھی کے مرض میں مبتلا شخص یا جن کے منہ سے بدبو آتی ہو، یا جن کو بدبودار زخم ہو، ان کا اس حالت میں مسجد میں آنا منع ہے۔ (۵)

---

(۱) بخاری: باب رفع الصوت في المساجد، حديث: ٤٥٨

(۲) مسلم: باب نهي من أكل ثوم، حديث: ٥٦٤

(۳) مسلم: باب نهي من أكل ثوم، حديث: ٥٦٧

(۴) حاشیه ترمذی: ۳/۲

(۵) شامی: ٤٣٥/٢، زكريا

☆ مسجد کی حد سے زیادہ تزئین اور آرائش سے احتراز کیا جائے :

مسجد کی تعمیر اور تزئین میں بھی حد اعتدال میں رہا جائے، بقدرِ ضرورت پختہ، نفیس بنالی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: قیامت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدوں کی بڑائی اور شان وشوکت پر فخر کریں گے " من أشراط الساعة أن يتباهى النّاس في المساجد " (۱)

ایک روایت میں حضور ﷺ نے مسجد میں غیر معمولی تکلفات اور حد سے زیادہ تزئین اور پختگی کو منع کرتے ہوئے فرمایا: مجھے مسجدوں کی تزئین اور استحکام کا حکم نہیں دیا گیا" ما امرت بتشييد المساجد " ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: عنقریب تم مساجد کو اونچی بناؤ گے جیسے یہود ونصاریٰ اپنے کلیسا، گرجا گھر اور چرچوں کو اونچا کرتے ہیں "لتزخرفُنّها كما زخرفت اليهود والنصارى " (۲)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: مسجد کی حد سے زیادہ تزئین کی ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے نماز کی روح یعنی خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوتا ہے، اس کی وجہ سے نمازی کی یکسوئی اور توجہ بٹ جاتی ہے، اس لئے مسجد کی دیوار خصوصاً محراب اور قبلہ کی جانب دیوار اور دائیں بائیں کی دیوار پر رنگین بیل بوٹے اور نقش ونگار کرنا جائز نہیں"۔ (۳)

---

(۱) نسائي: المباهاة في المساجد، حديث: ٦٨٩ ، علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ: اس روایت کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے اور بخاری نے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ تعلیقاً ذکر کیا ہے، اور اس کو ابو یعلی الموصلی نے اپنی مسند میں موصولاً ذکر کیا ہے: نيل الأوطار: باب الاقتصاد في بناء المساجد: ۱۵۸/۲ ، ادارة الطباعة المنيرية

(۲) ابوداؤد: باب في بناء المساجد، حديث: ٤٤٨ ، علامہ نوویؒ نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کو مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے: خلاصة الأحكام: فصل في ضعيفه : ۳۰۵/۱ مؤسسة الرسالة ، بيروت

(۳) شامي زكريا: ٤٣١/٢

☆ مسجد میں خرید وفروخت سے احتراز کیا جائے:

آپ ﷺ نے مسجد میں خرید وفروخت کو سختی سے منع فرمایا ہے:
آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ''جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید وفروخت کرتے دیکھو تو تم یوں کہو کہ: اللہ عزوجل تمہاری تجارت کو نفع بخش نہ بنائے، "من يبيع ويبتاع فى المسجد فقولوا: لا أربح الله تجارتك" تم کسی شخص کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے دیکھو تو یوں کہو کہ: اللہ عزوجل تمہارا یہ سامان واپس نہ کرے۔''(۱)

البتہ عینِ مسجد سے ہٹ کر مسجد سے متصل کھلی جگہ اگر وقتیہ طور پر دکانیں لگا کر اٹھالی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

☆ مسجد میں فضول اور گندے قسم کے اشعار نہ کہے جائیں، حضور ﷺ نے مسجد میں اس طرح کے لغویات پر مشتمل اشعار کہنے سے منع فرمایا ہے:

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے مسجد میں اشعار کہنے، اس میں خرید وفروخت کرنے "وعن البيع والاشتراء فيه" جمعہ کے دن نماز سے پہلے حلقہ لگا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔(۲)
ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں قصاص طلب کرنے، اشعار کہنے "وينشد فيه الأشعار" اور حدود نافذ کرنے سے منع فرمایا ہے۔
مسجد میں اس طرح کے اشعار کہنے کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ یہ اشعار فضولیات اور لغویات پر مبنی ہوں، اگر مسجد میں اللہ کی حمد وثناء، حضور ﷺ کی تعریف ومنقبت، نیکی کی ترغیب کفر کی مذمت، گناہ کی برائی یا کافر کی ہجو پر مشتمل اشعار کہے جائیں تو اس کی اجازت ہے۔

---

(۱) ترمذی: باب النهى عن البيع فى المسجد، حديث: ۱۳۲۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب كراهية البيع والشراء وانشاد الضالة والشعر فى المسجد، حديث: ۳۲۲، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کیلئے مسجد میں منبر رکھواتے "یضع لحسان منبرًا فی المسجد" (۱)

جس پر کھڑے ہوکر وہ رسول اللہ ﷺ کی منقبت اور آپ ﷺ کے دفاع میں اشعار کہتے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے: اللہ عزوجل حسان کی روح القدس کے ذریعہ جو کچھ وہ رسول اللہ ﷺ کے مفاخر یا دفاع میں کہتے ہیں اس کی تائید فرماتے ہیں۔

☆ مسجد میں اپنے لئے جگہ مخصوص کرنا جیسا کہ بعض مساجد میں ہوتا ہے کہ جو نماز کے پابند ہوتے ہیں وہ مسجد میں اپنے لئے جگہ مخصوص کر لیتے ہیں، اگر کوئی دوسرا شخص اس جگہ آکر بیٹھ جائے تو اسے اٹھا دیتے ہیں، حالانکہ اس طرح کا عمل درست نہیں، مسجد اللہ کا گھر ہے جس میں سب کا حق برابر کا ہے؛ کیونکہ اس طرح کا عمل مسجد میں آنے سے روک دینے کے مشابہ ہے، اور مسجد میں آنے سے روک دینے والے کو اللہ عزوجل نے سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ" (۲)

چنانچہ درمختار میں مساجد میں اپنے لئے جگہ مخصوص کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

☆ مسجد میں آکر بھیک مانگنا یہ مسجد کی روح کے منافی عمل ہے، یہ تو اللہ عزوجل سے براہِ راست مانگنے کی جگہ ہے، یہاں آکر بھی بندہ سے اپنی حاجت روائی کیلئے دستِ سوال دراز کرے یہ بندگی کے شایانِ شان اور لائق نہیں۔

چنانچہ درمختار میں ہے کہ: "مسجد میں سوال کرنا اور دینا مطلقاً حرام ہے"۔ (۳)

اگر واقعی مجبوری ہو، پیشہ گداگری کو اس نے اپنا شیوہ نہ بنایا ہو تو ایسے شخص کا مانگنا اور اس کو دینا جائز ہے"

---

(۱) ترمذی: انشاد الشعر، حدیث: ٢٨٤٦، امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح غریب کہا ہے۔

(۲) البقرة: ٤٣٦/٥

(۳) الدر مع الرد: ٤٣٣/٢

☆ دور رسالت ﷺ میں مساجد مندرجہ ذیل اعمال وافعال کیلئے استعمال کی جاتی تھیں:

ایک دیہاتی نے مسجد نبوی میں پیشاب کردیا، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو روکنے کی کوشش کی، حضور ﷺ نے اس کو روکنے سے منع فرمایا، وہ پیشاب سے فارغ ہوگیا، ؛ پھر حضور ﷺ نے اس کو بلا کر فرمایا: ان مسجدوں میں پیشاب یا گندگی والا کوئی کام کرنا کسی طرح ٹھیک نہیں ہے، یہ مسجدیں تو اللہ کے ذکر، نماز اور قرآن پڑھنے کیلئے بنی ہیں " ان هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول ولا القذر انما هي لذكر الله عز و جل والصلاة وقرأة القرآن" پھر حضور ﷺ نے لوگوں میں سے ایک آدمی کو حکم دیا اس نے پانی کا ڈول لاکر اس پیشاب پر بہادیا۔ (۱)

حضرت بوالقمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ہم لوگ مسجد میں مختلف حلقوں میں بیٹھے ہوئے آپس میں حدیثوں کا مذاکرہ کررہے تھے کہ اتنے میں حضور ﷺ اپنے حجرے سے باہر مسجد میں تشریف لائے اور تمام حلقوں پر نظر ڈالی اور پھر قرآن والوں کے ساتھ بیٹھ گئے (جو قرآن سیکھ رہے تھے) اور فرمایا: مجھے اس مجلس (میں بیٹھنے) کا حکم دیا گیا ہے" فنظر الى الحلق ثم جلس الى أصحاب القرآن وقال: بهذا المجلس أمرت" (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مدینہ کے بازار سے گذرے تو کھڑے ہوکر بلند آواز سے کہا: اے بازار والو! تم کتنے زیادہ عاجز ہو، بازار والوں نے کہا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا: بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو تو کیا تم لوگ جاکر اس میں سے اپنا حصہ نہیں لیتے؟ لوگوں نے پوچھا: کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟ انہوں نے فرمایا: مسجد میں، ؛ چنانچہ وہ بازار والے بہت تیزی سے مسجد گئے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہرے رہے، تھوڑی دیر میں وہ لوگ واپس آگئے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ (کہ جلدی سے واپس آگئے)

---

(۱) مسلم: باب وجوب غسل البول، حدیث: ۲۸۵

(۲) کنز العمال: فصل فی فضائل القرآن مطلقا، حدیث: ۴۰۴۰

انہوں نے کہا: اے ابوہریرہ! ہم مسجد گئے تھے، ہم نے اندر جاکر دیکھا تو ہمیں وہاں کوئی چیز تقسیم ہوتی نظر نہیں آئی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: کیا تم نے مسجد میں کوئی آدمی نہیں دیکھا؟ انہوں نے کہا: ہم نے بہت سے آدمی دیکھے، کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ حلال وحرام کا مذاکرہ کررہے تھے تو ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا بھلا ہو یہی اعمال مسجد تو حضرت محمد ﷺ کی میراث ہیں؟ "بل رأينا قوما يصلون وقوما يقرؤون القرآن وقوما يتذاكرون الحلال والحرام فقال لهم أبو هريره: ويحكم فذاك ميراث محمد صلى الله عليه وسلم" (۱)

حضرت یزید بن عبداللہ بن قسط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اہل صفہ حضور ﷺ کے وہ صحابی تھے جن کا (مدینہ میں) کوئی گھر نہیں تھا، اس لئے وہ حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد میں سویا کرتے تھے اور دن بھر اسی میں رہتے تھے ان کا مسجد کے علاوہ اور کوئی ٹھکانہ نہ تھا، "انا أهل الصفة ناسا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، لا منازل لهم فكانوا ينامون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، في المسجد ويظلون فيه ما لهم مأوى غيره" رات کو جب کھانے کا وقت آتا تو حضور ﷺ انہیں بلاکر اپنے صحابہ میں تقسیم فرمادیتے، پھر بھی ان میں سے کچھ لوگ حضور ﷺ کے ساتھ رات کا کھانا کھاتے یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وسعت عطا فرمادی۔ (۲)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مسجد میں دوپہر کو آرام کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو زمانہ خلافت میں مسجد میں دوپہر کو آرام کرتے ہوئے دیکھا "رأيت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وهو يومئذ خليفة يقيل في المسجد" (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب في فضل العلم، حديث: ۵۰۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد: ذكر الصفه ومن كان فيها: ۱/۲۵۵

(۳) السنن الكبرى: باب المسلم في المسجد، حديث: ٤١٣٨

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چند نوجوان حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد میں رات کو سویا کرتے تھے، ”کنا ونحن شباب نبيت في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد ونقيل“ (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس آتے اور پھر دوپہر کو آرام کیا کرتے تھے۔

حضرت عطا کہتے ہیں کہ: حضرت یعلی بن امیہ کو حضور ﷺ کی صحبت حاصل تھی وہ جب تھوڑی دیر کیلئے بھی مسجد میں بیٹھا کرتے تو اعتکاف کی نیت کرلیا کرتے ”فكان يقعد في المسجد الساعة فينو ى بها الاعتكاف “(۲)

حضرت عطیہ بن سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: قبیلہ ثقیف کا وفد رمضان میں حضور ﷺ کی خدمت میں آیا تو حضور ﷺ نے ان کیلئے مسجد میں خیمہ لگوایا پھر جب وہ مسلمان ہوگئے تو انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ روزے رکھنے شروع کردیئے ”قدم وفد ثقيف على رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان، فضرب لهم قبة في المسجد فلما أ سلموا صاموا معه“ (۳)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن ہم نے مسجد میں حضور ﷺ کے سامنے بھنا ہوا گوشت کھایا، ”أكلنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما شواء ونحن في المسجد “ پھر نماز کھڑی ہوگئی تو ہم نے صرف کنکریوں سے ہاتھ پونچھے۔(۴)

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبه: في النوم في المسجد، حديث: ٤٩١٤

(۲) حلية الأولياء : عطاء بن رباح ، ۳۱۲/۳

(۳) مجمع الزوائد: باب دخول الكافر المسجد، حديث: ۲۰۶۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں محمد بن اسحاق مدلس ہے۔

(۴) مجمع الزوائد: باب الأكل والشرب في المسجد، حديث: ۲۰۲۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں ابن لہیعہ کے سلسلہ میں کلام کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مسجد فضیخ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں نیم پختہ کھجور کے شربت فضیخ کے مٹکے لائے گئے، آپ ﷺ نے اس شربت کو نوش فرمایا اور اسی وجہ سے اس کا نام مسجد فضیخ رکھا گیا، " أتی بفضیخ فی مسجد الفضیخ، فشربه فلذلك سمی " (۱)

اس سے پہلے مسجد میں مختلف اعمال کے قصے گذر چکے ہیں، مال خرچ کرنے کے باب میں کھانا اور مال تقسیم کرنے کے قصے اور بیعت کے باب میں مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کا قصہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اتحاد اور اتفاق رائے کے باب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا قصہ اور اللہ کی طرف دعوت دینے کے باب میں حضرت ضمام رضی اللہ عنہ کو مسجد میں دعوت دینے اور ان کے اسلام لانے کا قصہ اور مسجد میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور مشہور قصیدہ پڑھنے کا قصہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اتحاد اور رائے کے باب میں مسجد اہل شوری کے مشورہ کیلئے بیٹھنے کا قصہ اور مال خرچ کرنے کے باب میں صبح کے وقت مسجد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھنے کا قصہ اور دنیا کی وسعت اور کثرت سے ڈرنے کے باب میں مسجد میں نمازوں کے بعد لوگوں کی ضرورت کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹھنے کا قصہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو مضبوطی سے پکڑنے کے باب میں مسجد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کے رونے کا قصہ۔ (۲)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب الأكل والشرب في المسجد، حديث: ۲۰۲۲

(۲) حياة الصحابه: ۴/۱۴۴، موسسة الرسالة، بيروت

بھیک مانگنا، مسلم معاشرہ کیلئے عیب

مسجدوں، مذہبی مقامات، سینما گھر، بس اسٹانڈ، ریلوے اسٹیشن، ایرپورٹ، ہوٹل، درگاہ، کوئی مصروف مقام اور جگہ ایسی نظر نہیں آتی جہاں گداگروں اور سوالیوں کی بھیڑ نظر نہ آتی ہو، چھوٹے بچے، مرد وخواتین کے غول (اس میں برقع پوش مسلم خواتین کی بڑی تعداد) آپ کو گھیرے میں لے کر مختلف انداز اور طریقوں سے اپنا حلیہ اور ہیئت بدل کر منت وسماجت کر کے ہاتھ، پیر پکڑ کر، غربت ومفلسی وناداری کی دہائی دیتے ہوئے مانگتے ہوئے نظر آئیں گے۔

ہمارے سماج اور معاشرے میں بعض لوگ اس قدر عیش کوشی، تن آسانی، اور آرام طلبی کے خوگر ہوگئے ہیں کہ محنت وجدجہد سے جی چراتے ہیں، مانگ مانگ کر اپنی ضروریات پورا کرنے کے درپے ہوتے ہیں، اور اپنی عزت کو بھرے بازار نیلام کرنے سے نہیں چوکتے، ان میں بعض گداگر واقعی ضرورت مند تو نہیں ہوتے، صحت بھی ماشاء اللہ کام کرنے کے لائق اور قابل ہوتی ہے، لیکن چونکہ انہوں نے گداگری کو بطورِ آبائی پیشہ کے اپنایا ہوا ہے، اس لئے وہ زندگی کا اسے لازمہ اور خاصہ سمجھتے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض گداگروں کے یہاں مانگنے کی جگہیں مخصوص ہوتی ہیں، جو وراثت میں منتقل ہوتی ہیں، اس قسم کے بناوٹی اور پیشہ ور گداگروں کی وجہ سے حقیقی وضرورت مند لوگ محروم ہوتے ہیں۔

☆ گداگری کا یہ پیشہ نہ شریعت میں اور نہ ہی سماج میں اچھا باور کیا جاتا ہے، اگر چہ بعض مانگنے والے واقعی ضرورت مند اور مستحق ہوتے ہیں لیکن اسلام نے مانگنے کی عادت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا، بلکہ وہ تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اپنی غربت وناداری، افلاس وتنگ دستی کو پوشیدہ رکھ کر اسباب کے درجے میں حصولِ معاش کیلئے محنت وجدوجہد کی جائے، بلکہ اللہ عزوجل نے اس شخص کے بارے میں جو واقعی ضرورت مند ہو؛ لیکن اپنی حاجت اور

ضرورت کو چھپائے رکھے اور اپنی ناداری کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرے اس کیلئے ایک سال کی حلال روزی کا ذمہ لیا ہے۔

☆ اسلام نے روزِ اول ہی سے کسبِ معاش کو ضروری قرار دیا ہے، قرآن نے کہا کہ: بندگی اور عبادت سے فارغ ہونے کے بعد کسبِ معاش کی کوشش کرنا ہے، اور مال کو فضلِ الٰہی قرار دیا ہے

” فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ فَانۡتَشِرُوۡا فِي الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ “ (۱)

حضور ﷺ نے کسبِ حلال کو دیگر فرائضِ اسلام (نماز، روزہ، زکوۃ اور حج) کی طرح ایک فریضہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: ”رزقِ حلال کی تلاش و جستجو بھی دیگر فرائضِ اسلام کی طرح ایک فریضہ ہے“ ”طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة “ (۲)

ایک دفعہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ: کونسی کمائی اچھی ہے؟ فرمایا: آدمی کی اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر مقبول تجارت، یعنی جس میں خرید وفروخت کے تمام احکامات کی پاسداری کی گئی ہو، دھوکہ دہی، کھوٹ اور خیانت وغیرہ کا اس میں دخل نہ ہو ” أی الکسب أطیب “ (۳)

☆ آپ ﷺ نے گداگری اور سوال کی مذمت فرمائی، ایک صاحب خدمتِ اقدس میں آئے اور کچھ سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ سامان ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس تو محض ٹاٹ اور پیالہ ہے، آپ ﷺ نے وہ دونوں چیزیں منگوائیں، اور اس کی بولی لگائی، اور ایک صاحب نے ایک درہم قیمت لگائی، دوسرے نے دو درہم، آپ ﷺ نے اسے دو درہم پر فروخت کردیا، پھر ایک درہم میں کلہاڑی کا پھل منگوا کر اس میں اپنے دستِ مبارک سے لکڑی لگا کر ان کے حوالے کیا اور ایک درہم اسے دیتے ہوئے

---

(۱) الجمعة: ۱۸

(۲) شعب الایمان: الستون من شعب الایمان، حدیث: ۸۷۴۱، بیہقی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

(۳) مسند احمد: حدیث رافع بن خدیج، حدیث: ۱۷۳۰۴، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں مسعودی ہیں ثقہ ہیں؛ لیکن ان کو اختلاط ہوگیا تھا اور احمد کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ: اس سے اپنی ضروریات پوری کرلو، کلہاڑی لے کر اس سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور اسے فروخت کرو، ایک ماہ تک بھیک مانگتے ہوئے نظر نہ آؤ، ان صاحب نے اس ہدایت پر عمل کیا اور ایک ماہ کے بعد اس حال میں آئے کہ ان کے پاس کئی درہم موجود تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بات کہ تم اپنی پیٹھ پر لکڑی کے گٹھے کاٹ کر لاؤ اور اسے فروخت کر دو، اس سے بہتر ہے کہ تم لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلاؤ وہ چاہیں تو دیں، چاہیں تو نہ دیں " لأن یأخذ أحدکم حبلًا فیأکل ویتصدق خیر من أن یسأل الناس أعطوه أو منعوه " (۱)

اس قسم کے بعض واقعات اور بھی منقول ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ دو شخص خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور کچھ طلب کیا، آپ ﷺ نے مشورہ دیا کہ جنگل جاؤ، لکڑی کاٹو، اور اسے فروخت کرو، انہوں نے ایسا ہی کیا، پہلے لکڑیاں بیچ کر کھانے کی چیزیں خریدیں پھر سونا خریدا، پھر سواری کیلئے گدھے خریدے، اور کہنے لگے: " قد بارك اللّٰه في أمر رسول اللّٰه " اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ کے حکم میں برکت رکھی ہے۔ (۲)

حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ اگر اونٹنی کی لگام نیچے گر جاتی تو اونٹنی کو بٹھاتے اور خود لگام لیتے، لگام دوسروں سے مانگنے کو بھی درست خیال نہیں کرتے، جب لوگ ان سے یہ کہتے کہ اگر آپ ہم سے کہتے تو ہم آپ کو اٹھا کر دیتے تو فرماتے " انّ حبیبی أمرني أن لا أسأل الناس شیئًا " میرے حبیب ﷺ نے مجھے حکم کیا ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں۔ (۳)

---

(۱) بخاري: کتاب الزکاة، باب استخفاف في المسئلة: حديث: ٤٠٢

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ٤٥١٢ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں بشر بن حرب ہیں جن کے سلسلے میں کلام ہے اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ٤٥٠٢ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے، ابن ابی ملیکہ نے ابو بکر سے ملاقات نہیں کی ہے، اور عبداللہ بن مؤمل کے سلسلے میں کلام ہے اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ اور حضرت ثعبان رضی اللہ عنہ سے بھی آپ ﷺ نے یہ عہد لیا تھا کہ لوگوں سے سوال نہ کرنا، اگر تمہارا کوڑا اگر جائے تو اس کے اٹھانے کیلئے بھی سوال نہ کرنا "ولا سوطلك ان سقطت حتى تنزل فتأخذه (۱)

لوگ حضرت ثعبان رضی اللہ عنہ کا معمول بتاتے ہیں کہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا اگر بھیڑ میں بھی کوڑا گر جاتا تو خود اُتر کر اسے لیتے "حتى يكون هو ينزل فيأخذه " (۲)

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: اگر سوال کرنے والے کو سوال کرنے میں جو کچھ ہے اس کا علم ہو جائے تو کبھی بھی سوال نہ کرے "لو يعلم صاحب المسألة ماله فيها لم يسأل " (۳)

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: جو شخص مستغنی ہوتے ہوئے سوال کرے تو وہ اپنے لئے جہنم کی چنگاریوں میں اضافہ کر رہا ہے، "من سأل مسألة عن ظهر غنىً استكثر بها من رضف جهنم " لوگوں نے دریافت کیا کہ: مستغنی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس رات کا کھانا موجود ہو۔ (۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ: جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ عزوجل اس پر فقر کے دروازے کھولتے ہیں " يفتح الله عليه باب فقر" (۵)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ۴۵۰۳ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ۴۵۰۵ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں علی بن یزید ضعیف ہے۔

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ۴۵۰۶ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں قابوس ہیں اور ان کے سلسلے میں کلام کیا گیا ہے، اور ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔

(۴) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ۴۵۱۴ ، منذری کہتے ہیں: اس کو عبداللہ بن احمد نے زوائد میں روایت کیا ہے اور طبرانی نے اوسط میں اور اس کی سند جید ہے: الترغيب: كتاب الصدقات: ۱۱۹۸

(۵) ترمذی: مثل الدنيا مثل أربعة نفر، حديث: ۲۳۲۵ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اور فرمایا: سوال قیامت کے دن صاحبِ سوال کے چہرے پر خراش کی صورت میں ظاہر ہوگا اب جو چاہے اسے اپنے چہرہ پر باقی رکھے " فمن شاء استبقى على وجهه " (۱)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پیشہ رکھنے کے باوجود سوال کرنا قیامت کے دن اس کے چہرے کو عیب دار کردے گا " كانت شينًا في وجهه يوم القيامة " (۲)

حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: جو شخص بغیر احتیاج کے سوال کرے وہ چنگاری کھاتا ہے "من سألَ النّاس من غير فقر فكأنّما يأكل الجمر" (۳) ان تمام روایتوں سے سوال کی مذمت اور کسب و محنت کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

☆ گداگری اور بھیک منگنی پر روک لگانا ہے تو سب سے پہلے ہمیں اپنے پاس پڑوس کے لوگوں کی خبر لینی ہوگی، اگر کوئی غریب ہے تو اسکی ممکنہ ضروریات کی تکمیل کی کوشش کی جائے، شریعت نے پڑوسی کے حقوق کی بہت تاکید کی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ: تاکید کے نتیجہ میں یوں معلوم ہوتا تھا کہ پڑوسی شاید گھر ہی کا فرد ہے۔

☆ جو خواتین اور مرد کام کے لائق ہیں انہیں مزدوری اور کام پر لگانا ہوگا اور انہیں سوال کی مذمت اور کمائی کی فضیلت کو بتلا کر ان کو محنت اور جدوجہد پر آمادہ کرنا ہوگا۔

☆ چھوٹے بچوں کی پڑھائی کا نظم کرنا ہوگا، بھیک منگنی کے پیشہ سے متعلق بچوں کو ان کے ماں باپ میں شعور پیدا کر کے ان کو مدارس، اسکولس وغیرہ میں ان کے داخلے دلوا کر ان کو سماج کا مہذب اور با اخلاق فرد بنانا ہوگا۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في السوال: حديث: ٤٥٢٤، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ اور مشہور ہیں۔

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء فى السوال: حديث: ٤٥٢٢، علامہ ہیثمی اور منذری فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد، بزار، طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء فى السوال: حديث: ٤٥٢٦، اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: الترغيب: كتاب الصدقات، حديث: ١١٩٦

☆ گداگری کی حوصلہ شکنی کی جائے، خصوصاً مساجد اور درگاہوں وغیرہ پر انہیں بیٹھنے اور بھیک مانگنے سے روکا جائے اور انہیں کام کی ترغیب دی جائے، حضور ﷺ نے بھیک مانگنے والوں کو محنت اور مزدوری میں کی ترغیب دی۔

☆ زکوۃ، صدقاتِ مسنونہ کا خوب اہتمام کیا جائے کہ فقراء کو دستِ سوال دراز کرنے کا موقع نہ ملے۔

میزبانی کے آداب

مہمان کی آمد پر خوشی اور مسرت اور محبت کا اظہار کیا جائے، بددلی اور ترش روئی اور تنگ دلی کا احساس نہ کیا جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اسے اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرنا چاہیے، "من کان یؤمن باللہ والیوم الأخر فلیکرم ضیفه" (۱)

☆ مہمان کی آمد پر اس کا تپاک سے استقبال کیا جائے، اس سے سلام ودعا کی جائے، اور اس کی خیر وعافیت دریافت کی جائے، قرآن مجید میں ہے "هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرَاهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ، اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ، قَالَ : سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ " (۲) کیا آپ کو ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی حکایت پہنچی ہے کہ جب وہ ان کے پاس آئے تو آتے ہی سلام کیا، ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں سلام کیا۔

☆ دل کھول کر مہمان کی خاطر مدارات اور تواضع کی جائے اور جو کچھ میسر ہو وہ فوراً پیش کیا جائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں جب مہمان آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فوراً ان کے کھانے کے نظم میں لگ گئے، اور موٹا تازہ بچھڑا جو انھیں میسر تھا بھون کر مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا، قرآن مجید میں ہے " فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ " (۳) تو جلدی سے گھر میں جا کر ایک موٹا تازہ بچھڑا (ذبح کر کے بھنوا کر) لائے اور مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔

---

(۱) بخاری: باب اکرام الضیف وخدمته، حدیث: ٥٧٨٤

(۲) الذاریات: ٢٤

(۳) الذاریات: ٢٦

☆ یہ بھی مہمان کے اِکرام میں داخل ہے کہ اس کی آمد کے ساتھ ہی اسکے کھانے کا نظم کیا جائے اور ماحضر (جو کچھ ہو) پیش کیا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کیلئے بجلد ہی بھونا ہوا بچھڑا پیش کیا " فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ " (۱)

☆ تین دن تک خوب ذوق وشوق کے ساتھ مہمان نوازی کی جائے، تین دن تک مہمان نوازی اور ضیافت مہمان کا حق ہے، پہلا دن تو خوب خاطر و مدارات اور تواضع کا ہے؛ اس لئے پہلے دن مہمان نوازی کا حق ادا کرنا چاہئے، بعد کے دو دن اگر اتنا اہتمام نہ ہو سکے تو کوئی حرج اور مضائقہ نہیں، حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے جسے حضرت ابوشریح روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنے مہمان کا اعزاز و اکرام کرے "جائزته يوم وليلة ، والضيافة ثلاثة أيام ، فما بعد ذلك صدقة " (۲) پہلا دن انعام کا ہے (خوب خاطر کرنے کا ہے) مہمان نوازی تین دن تک ہے، اس کے بعد میزبان جو کچھ کھلائے گا اس کیلئے صدقہ ہوگا۔

☆ مہمان کیلئے ایثار سے کام لیا جائے، خود تکلیف اٹھا کر اس کی راحت کا نظم کیا جائے۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے، اپنی بھوک سے بے تابی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس کھانے سے متعلق دریافت کیا تو پتہ چلا کہ تمام ازواج کے یہاں گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہیں، تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ: آج رات کیلئے ان کی مہمان نوازی کون قبول کرتا ہے، ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں قبول کرتا ہوں، پھر گھر جا کر بیوی کو مہمان کی آمد سے مطلع کیا اور ان کی خوب خاطر و تواضع کرنے کو کہا تو بیوی نے بچوں کے

---

(۱) ھود: ٦٩

(۲) بخاری: باب اکرام الضیف وخدمته، حدیث: ٥٧٨٤

کھانے کے علاوہ کچھ موجود نہ ہونے کا ذکر کیا، ان صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: بچوں کو بہلا کر سلا دینا اور جب مہمان کے سامنے کھانا رکھو تو چراغ درست کرنے کے بہانے سے اسے بجھا دینا اور کھانے پر مہمان کے ساتھ بیٹھ جانا، تا کہ اس کو یہ محسوس ہو کہ ہم بھی کھانے میں شریک ہیں۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، مہمان نے پیٹ بھر کر کھایا اور وہ سارے بھوکے ہی رات گذارے، جب یہ صبح خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا: تم دونوں نے رات اپنے مہمان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا وہ خدا کو بہت ہی پسند آیا" لقد ضحك الله أو عجب من فعلكما " (۱)

☆ اگر مہمان کی جانب سے کبھی آپ کے ساتھ بے مروتی اور عدم التفات اور اعراض کا سلوک پایا گیا تو تب بھی اس کے ساتھ فراخ دلی اور خوش اخلاقی اور وسعتِ قلبی کا معاملہ کیجئے۔

حضرت ابو الاحوص الحبشی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں کسی شخص کے پاس سے گذروں اور وہ میری مہمان نوازی نہ کرے، پھر اس کا گذر میرے پاس سے ہو تو کیا میں اس کی مہمان نوازی کروں یا (اسے اس کی بے التفاتی اور بے رخی) کا مزا چکھاؤں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں؛ بلکہ اس کی مہمان نوازی کا حق ادا کرو " قال: لا اقره " (۲)

☆ بنفسِ نفیس مہمان کی خدمت انجام دے، اس سلسلے میں دوسرے سے مدد نہ لے کہ اس میں مہمان تکلف کرے گا۔

جب شاہِ نجاشی کا وفد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ بذاتِ خود اس وفد کی خدمت انجام دینے لگے، تو حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس خدمت کی انجام دہی کیلئے کافی ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے ہمارے اصحاب رضی اللہ عنہم کا

---

(۱) بخاری: باب قول الله : يؤثرون على أنفسهم، حدیث: ۳۵۸۷

(۲) ترمذی : الاحسان والعفو، حدیث: ۲۰۰۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اعزاز واکرام کیا ہے؛ اس لئے میں بذاتِ خود اس کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں" انهم كانوا لأصحابنا مكرمين واحب ان اكافئهم " (۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی جب ان کے پاس فرشتوں کی آمد ہوئی تو بنفسِ نفیس ان کی خدمت انجام دی اور ان کی ضیافت کا انتظام کیا، اس کو قرآن کہتا ہے " فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ " (۲)

---

(۱) شعب الایمان، فصل فی المکافاة بالصنائع، حدیث: ۹۱۲۵، بیہقی نے اس روایت کو کے بارے میں کہا کہ: اس کو طلحہ بن زید نے اوزاعی سے تنہا روایت کیا ہے۔

(۲) هود: ٦٩

مہمانی کے آداب

☆ جب کسی کے یہاں مہمان بن کر جائیں تو کوشش کریں کہ تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں، ہاں اگر میزبان خود اصرار کرے تو کوئی حرج نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مہمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ میزبان کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اس سے میزبان کو حرج ہو ”ولا یحلّ له أن یمکث عنده حتیّ یحرجه“ (۱)

مسلم کی روایت میں ہے کہ: مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اس کو گنہ گار کردے، لوگوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! گنہ گار کیسے کرے گا؟ فرمایا: اس طرح کے وہ اس کے پاس اتنا ٹھہرے کہ میزبان کے پاس ضیافت کیلئے کچھ نہ رہے ”یقیم عنده ولا شیء له یقریه به“ (۲)

☆ ماحضر جو کچھ بھی ہے اور جو نظم بھی میزبان سے ہوسکے اور وہ جو بھی اہتمام کرے اس پر اس کا شکر گذار ہونا چاہئے، اس کو زیادہ تکلیف نہ دے۔

حدیث میں ہے کہ ” لا یتکلّفن أحد ما لا یقدر علیه “ کوئی بھی شخص اپنے مہمان کیلئے تکلف نہ کرے۔ (۳)

جو بھی بے تکلف موجود ہو جائے اس کو حاضر کردے اور مہمان بھی اسے قبول کرلے۔

---

(۱) الادب المفرد : باب لا یقیم عنده حتی یحرجه ، حدیث: ۷۳۳، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: باب الضیافة، حدیث: ٤٨

(۳) شعب الایمان : الثامن والستون من شعب الایمان ، حدیث: ۹٥۹۹

☆ مہمان اپنے ساتھ ان ہی لوگوں کو لے جائے جن کو مدعو کیا گیا یا جن کو اپنے ساتھ لے جا رہا ان کی آمد کے تعلق سے پہلے ہی اطلاع دے، اجازت ہو تو لے جائے ورنہ نہیں، ورنہ بغیر دعوت کے اپنے ساتھ کسی کو لے جانا اس پر حدیث میں بہت سخت الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں۔

جب تم میں سے کسی شخص کو دعوتِ طعام دی جائے تو اپنے ساتھ نہ اپنے لڑکے کو لے جائے اور نہ کسی رشتہ دار یا غیر رشتہ دار کو لے جائے، اگر وہ اس طرح لے جاتا ہے تو وہ چور کے مانند ہے "کان بمنزلة من سرق" (۱)

☆ اگر کسی وجہ سے میزبان کے ساتھ کھانا نہ کھانا چاہے یا روزہ وغیرہ سے ہو تو صفائی کے ساتھ معذرت کرے اور اس کیلئے خیر و برکت کی دعا کرے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے معزز مہمانوں کیلئے پر تکلف کھانا تیار کیا اور وہ کھانے سے ہاتھ ہٹاتے ہی رہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا "الا تأکلون"؟ (۲) تم کھاتے کیوں نہیں؟ تو انہوں نے اپنے فرشتہ ہونے اور ان کو صرف اولاد کی خوشخبری دینے کیلئے آنے کو بتلایا۔

☆ کسی کے یہاں مہمان جائے یا دعوت کھانے کے بعد میزبان کیلئے کشادگیٔ رزق، خیر و برکت کی دعا کرے۔

حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی دعوت کی، جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ کو اس کا بدل دو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: کیا بدل دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی اپنے بھائی کے یہاں جائے اور وہاں کھائے، پیئے تو اس کے حق میں خیر و برکت کی دعا کرے،

---

(۱) الترغیب والترهیب: حدیث: ۲۰۵۰

(۲) الذاریات: ۲۷

یہ اس کا بدل ہے "انّ الرجل اذ دخل بیته فأكل طعامه وشرابه فدعوا له وذلك اثابته" (۱)

نبی کریم ﷺ ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے روٹی اور زیتون پیش کیا، آپ ﷺ نے تناول فرمایا، اور یہ دعا فرمائی "افطر عند كم الصائمون وأكل طعامكم الأبرار وصلّت عليكم الملٰئكة" (۲)

من جملہ ان آداب کے میزبان کے متعلق یہ آداب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بتلائے ہیں کہ

☆ میزبان جس جگہ بٹھائے وہیں بیٹھ جائے، بعض اوقات کسی جگہ بٹھانے میں میزبان کی کوئی خاص مصلحت پردہ وغیرہ کی ہوتی ہے۔

☆ آداب مہمانی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی ایسی چیز کی فرمائش نہ کرے جس کا مہیا ہونا مشکل ہو، اگرچہ کم ہی درجہ کی اور آسان چیز ہو؛ کیونکہ بعض اوقات میزبان کو پریشانی ہوتی ہے وہ چیز نہیں ملتی۔

☆ آداب مہمانی میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ اگر کھانے میں کسی چیز سے پرہیز ہو تو پہلے ہی اطلاع کر دے، عین وقت پر دستر خوان پر بیٹھ کر کہنا بڑی ہی بے تمیزی کی بات ہے۔

☆ جس کے یہاں مہمان ہو اس کو اپنے معمولات (پرہیز وغیرہ) پہلے ہی اطلاع کر دو، دستر خوان پر بیٹھ کر اپنے معمولات (پرہیز وعادت) بیان کرنا تہذیب کے خلاف ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء في الدعاء لرب الطعام اذا أكل عنده، حديث: ۳۸۵۳، منذری کہتے ہیں کہ: اس میں ایک مجہول شخص ہے اور اس میں یزید بن عبدالرحمٰن ابو خالد جودلانی سے مشہور ہیں ان کے کئی ایک لوگوں نے توثیق کی ہے اور بعض لوگوں نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء في الدعاء لرب الطعام، حديث: ۳۸۵٤، علامہ حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ: اس کو احمد ابوداؤد اور دار قطنی نے معمر عن ثابت عن انس کے طریق سے نقل کیا اور اس کی سند صحیح ہے: التلخيص الحبير: اب الوليمة والنثر، حديث: ۱۵۷۰: ۴۲۱/۳، دار الكتب العلمية، بيروت

☆ اگر کسی کے یہاں مہمان جاؤ اور تم کو کھانا منظور نہ ہو خواہ اس وجہ سے کہ کھا چکے یا اور کسی وجہ سے کھانے کا ارادہ نہ ہو تو فوراً جاتے ہی اس کی اطلاع کر دو کہ میں اس وقت کھانا نہ کھاؤں گا، ایسا نہ ہو کہ وہ انتظام کر دے اور انتظام میں اس کو پریشانی بھی ہو پھر کھانے کے وقت یہ اطلاع دو کہ (کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا) تو اس کا یہ اہتمام وطعام ضائع ہوگا۔

☆ مہمان کو چاہئے کہ کسی اور کی دعوت میزبان کی اجازت کے بغیر قبول نہ کرے

☆ مہمان کو چاہئے کہ جہاں جائے میزبان سے اطلاع کر دے؛ تاکہ اس کو کھانے کے وقت تلاش کرنے میں پریشانی نہ ہو۔

☆ مہمان کو چاہئے کہ پیٹ بھر جائے تو تھوڑا سالن روٹی ضرور چھوڑے؛ تاکہ گھر والوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ مہمان کو کھانا کم ہو گیا، اس سے وہ شرمندہ ہوتے ہیں۔

☆ اگر کوئی کریم دعوت کرے اور مختلف قسم کے کھانے ہوں تو مہمان کو چاہئے کہ سب قسم کے کھانے کھائے، ہاں اگر بیمار ہو تو جو چیز مضر ہو وہ نہ کھائے اور وہ طبیب کی اتباع سے۔

☆ مہمان کو میزبان کے نوکروں (خادموں) سے تحکم (یعنی حاکمانہ) لہجہ میں پانی نہیں مانگنا چاہئے؛ بلکہ اخلاق کے ساتھ کہنا چاہئے کہ ذرا پانی دیجئے، تھوڑا پانی عنایت کیجئے۔(۱)

---

(۱) اسلامی آداب: ۷۰-۷۱

لباس کے آداب واحکام

لباس بھی ضروریاتِ زندگی میں ایک اہم ضرورت ہے، اس لئے قرآن وحدیث میں اس کے بارے میں تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں، اس سلسلے میں آپ ﷺ کی تعلیمات وہدایات کی اساس اور بنیاد سورۂ اعراف کی یہ آیت ہے: یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا، وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ" (۱) اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لئے زینت کا سبب بنتا ہے، اور تقویٰ کا لباس تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں لباس کے دو خاص فائدے ذکر کیے گئے ہیں، ایک ستر پوشی یعنی انسانی جسم کے ان حصّوں کو چھپانا جن پر غیروں کی نظر نہیں پڑنی چاہیئے، اور دوسرے زینت وآرائش یعنی یہ کہ دیکھنے میں آدمی بھلا اور آراستہ معلوم ہو اور جانوروں کی طرح ننگ دھڑنگ نہ پھرے۔

آخر میں فرمایا گیا: "وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ" یعنی اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ لباس اچھا ہے اور سراسر خیر ہے جو خدا ترسی اور پرہیزگاری کے اصول سے مطابقت رکھتا ہو، اس میں اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، بلکہ اس نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق ہو، ایسا لباس بلاشبہ سراسر خیر ونعمت اور شکر کے ساتھ اس کا استعمال قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

لباس کے تعلق سے جب نبی پاک ﷺ کے ارشادات اور تعلیمات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو اس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ سب سے پہلے یہ لباس ایسا ہو جس سے ستر پوشی کا مقصود حاصل ہو، اور دیکھنے میں بھی آدمی باجمال اور باوقار لگے، نہ تو ایسا ناقص ہو کہ ستر پوشی کا مقصد ہی پورا نہ ہو

---

(۱) الاعراف: ۳

اور نہ ہی ایسا گندہ ہو کہ بجائے زیب وزینت کے آدمی کی صورت ہی بگاڑ دے، اور دیکھنے والوں میں تنفر ووحشت پیدا ہو، اسی طرح یہ کہ آرائش اور تجمل کیلئے بھی اس میں اسراف اور فضول خرچی سے کام نہ لیا گیا ہو، اسی طرح اس کے ذریعہ شان وشوکت، نمائش اور برتری کا اظہار وتفاخر بھی مقصود نہ ہو، جو مقامِ عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہو، اسی طرح یہ کہ مرد ریشمی کپڑا استعمال نہ کریں، یہ سونے چاندی کے زیورات کی طرح عورتوں کیلئے مخصوص ہے اور یہ کہ مرد خاص عورتوں والا لباس پہن کر نسوانی صورت نہ بنائیں اور عورتیں مردوں والے مخصوص کپڑے پہن کر اپنی نسوانیت کو نہ کھودیں۔

☆ لباس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپا سکے، آیتِ کریمہ میں ’’سوأة‘‘ کے معنی ہیں وہ چیز جس کے ظاہر کرنے یا جس کے ذکر کرنے سے انسان شرم محسوس کرے، اس سے مراد ستر عورت ہے، مرد کا ستر کا حصہ جس کو چھپانا ہر حال میں ضروری ہے، وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے، اس حصہ کا بلا ضرورت کھولنا جائز نہیں، علاج ومعالجہ کی ضرورت کیلئے بقدر ضرورت کھولا جا سکتا ہے، عورت کا سارا جسم سوائے چہرے اور گٹوں تک ہاتھ کے سب کا سب ’’عورت‘‘ ہے اور ’’ستر‘‘ ہے جس کا چھپانا ضروری ہے۔

لہٰذا اگر لباس اتنا چھوٹا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود ستر کا کچھ حصہ کھلا رہ گیا، اس لباس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ شرعی لباس نہیں ہے اور اس لباس سے اس کا بنیادی مقصد ’’سترعورت‘‘ حاصل نہیں ہوا۔

ایسے ہی لباس سے ستر کو چھپالیا؛ لیکن وہ لباس اتنا باریک ہے کہ اس سے اندر کا بدن جھلکتا ہے، یا لباس اتنا چست ہے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ اور جسم کا ابھار نظر آرہا ہے، یہ بھی ستر کے خلاف ہے، اس لئے مرد کیلئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ایسے کپڑے سے چھپانا ضروری ہے جو اتنا موٹا ہو کہ اندر سے جسم نہ جھلکے اور وہ اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ اندر کے اعضاء کو نمایاں نہ کرے اور اتنا مکمل ہو کہ جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہ جائے، اور یہی تین چیزیں عورت کے لباس میں بھی ضروری ہیں۔

آج کل مردوں کے پینٹ، پتلون گرچہ ساتر ہوتے ہیں، لیکن بدن پر چست اور فٹ ہونے اور غیروں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کا اختیار کرنا درست نہیں معلوم ہوتا۔

اور بعض عورتیں ایسا لباس پہنتی ہیں کہ جس سے ان کا ستر کھلا رہ جاتا ہے، بازو کھلے رہ جاتے ہیں، پیٹ کھلا رہ جاتا ہے، ایسے بے ڈھنگے اور غیر ساتر مرد وعورت کے لباس کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات ملحوظ ہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ بائیں ہاتھ سے کھائے یا صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلے اور اس سے بھی منع فرمایا کہ: آدمی صرف ایک چادر اپنے اوپر لپیٹ کر ہر طرف سے بند ہوجائے (چونکہ یہ ایک بے ڈھنگا طریقہ ہے، اس میں آدمی ہر طرف سے بند ہوجاتا ہے، اس کے ہاتھ پیر باہر نہیں نکل سکتے (یا ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھے) یہ بھی ایک طریقہ تھا کہ آدمی دونوں ڈھوپر زمین پر رکھ کر گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھ جاتا اور بس ایک کپڑا اپنی کمر اور پنڈلیوں پر لپیٹ لیتا، اس میں ستر پوشی بھی نہیں ہوتی؛ کیونکہ نیچے کا حصہ کھلا رہ جاتا ہے، اسے "احتباء" کہتے ہیں

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصماء وعن الاحتباء في ثوب واحد" (۱)

اور جو عورتیں ستر کے چھپانے کا اہتمام نہیں کرتیں اور بے ستری والے لباس پہنتی ہیں ان کے تعلق سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "كاسيات عاريات" (۲)

وہ خواتین ننگے لباس پہننے والی ہوں گی، یعنی لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، کیونکہ اس لباس سے لباس کا مقصود ہی حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ان عورتوں کا اس لباس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس بے ستری والے شوخ لباس سے لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنے کے متمنی ہوں گی، "مائلات" یعنی وہ عورتیں اپنے لباس سے، اپنے انداز سے، اور اپنی

---

(۱) ابوداؤد: باب في لبسة الصماء، حديث: ٤٠٨١

(۲) مسلم: كتاب اللباس: باب النساء الكاسيات: ٢١٢٨

زیب وزینت سے اور اپنے بناؤ سنگار سے دوسروں کو اپنی جانب مائل کرنے والی ہوں گی، حضور ﷺ نے ایسی عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ: وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو ایک سال کی دوری سے آتی ہے: "ممیلات مائلات رؤسهن كأسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وان ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا" (۱)

☆ لباس کا دوسرا مقصد اللہ عزوجل نے یہ بتلایا ہے کہ "رِیْشًا" یعنی ہم نے اس کو تمہارے لئے زینت اور خوبصورتی کی چیز بنائی ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر لباس کے ساتر ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ آسائش اور آرام کا لحاظ بھی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ جس کی آمدنی اچھی ہو، اس کیلئے خراب قسم کا کپڑا اور بہت گھٹیا قسم کا لباس پہننا پسندیدہ بات نہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ صاحب بد ہیئت قسم کا پرانا لباس پہنے ہوئے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے ان صاحب سے پوچھا: ألك مال؟ کیا تمہارے پاس مال ہے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! اللہ نے ہر قسم کا مال عطا فرمایا ہے، یعنی اونٹ، بکریاں اور غلام سب ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اس کے انعامات کا کچھ اثر تمہارے لباس میں بھی ظاہر ہونا چاہئے، "فاذا أتاك اللّٰه مالًا فلير أثر نعمة الله عليك وكرامته" (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: كل ما شئت والبس ما شئت ما اخطأت اثنتان سرف ومخيّلة "جو چاہے کھاؤ اور جو چاہے پہنو؛ لیکن دو چیزوں میں اسراف اور تکبر نہ ہونا چاہئے۔ (۳)

---

(۱) مسلم: كتاب اللباس: باب النساء الكاسيات: ۲۱۲۸

(۲) ترمذی: باب الاحسان والعفو، حدیث: ۲۰۰۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) بخاری: کتاب اللباس، حدیث: ٥٤٤٦

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبیٔ پاک ﷺ نے فرمایا: ”جس کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا، ایک شخص نے کہا: ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے عمدہ ہوں، اس کے جوتے عمدہ ہوں، نبیٔ پاک ﷺ نے فرمایا: خدا خود صاحبِ جمال ہے، اور جمال کو پسند کرتا ہے، یعنی عمدہ نفیس پہناوا غرور نہیں ہے) غرور دراصل یہ ہے کہ آدمی حق سے بے نیازی برتے اور لوگوں کو حقیر وذلیل سمجھے ”انّ اللّٰہ جمیل یحب الجمال، الکبر بطر الحق وغمط الناس“ (۱)

☆ شہرت اور نمائش کیلئے کپڑے نہ پہنے جائیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی دنیا میں نمائش اور شہرت کے کپڑے پہنے گا، اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت ورسوائی کے کپڑے پہنائے گا ”من لبس ثوب شهرة فی الدنیا ألبسه الله ثوب مذلّة یوم القیامة“ (۲)

اس میں وہ لباس بھی داخل ہے جو اپنی شان وشوکت کے اظہار اور لوگوں کی نظر میں بڑا بننے کیلئے پہنا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا کپڑا استکبار اور فخر کے طور پر زیادہ نیچا کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہ اٹھائے گا ”من جرّ ثوبه خیلاء لم ینظر الله الیه یوم القیامة“ (۳)

---

(۱) مسلم : باب تحریم الکبر وبیانه ، حدیث: ۹۱

(۲) ابوداؤد: باب فی لبس الشهرة ، حدیث: ٤٠٣١ ، علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو نسائی نے ثقہ رجال کی سند سے نقل کیا ہے، اور ابوداؤد نے اپنے شیخ محمد بن عیسیٰ بن نجیح بن الطباع سے روایت کیا ہے اور ان کے بارے میں ابوحاتم نے کہا ہے: یہ ثقہ اور ان کی متعدد تصانیف ہیں: نیل الأوطار: باب الرخصة فی اللباس الجمیل : ۱۱۱/۲

(۳) بخاری: باب جر ثوبه من الخیلاء ، حدیث: ٥٤٥٥

عہدِ نبوی میں بھی عرب کے متکبرین کا یہ فیشن تھا کہ کپڑوں کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے، اوراس کو بڑائی کی نشانی سمجھتے تھے، ازار یعنی تہبند اس طرح باندھتے کہ چلنے میں نیچے کا کنارہ زمین پر گھسٹتا، اسی طرح قمیص اور عمامہ اور دوسرے کپڑوں میں بھی اس قسم کے اِسراف کے ذریعہ اپنی بڑائی اور چودھراہٹ کی نمائش کرتے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔

آج کل بعض حضرات جو کسی خاص لباس کا التزام کرتے ہیں اوراس کو اپنی درویشی کا مظہر بناتے ہیں، تو یہ بھی لباسِ شہرت میں داخل ہے، آپ ﷺ کے یہاں اس طرح کا کوئی تکلف نہیں تھا، جو کپڑا میسر آ گیا، پہن لیا، آپ ﷺ نے اونی کپڑے بھی پہنے ہیں، سوتی کپڑے بھی پہنے ہیں اور کتان بھی پہنا ہے۔ (۱)

اسی طرح لباس میں کوئی رنگ متعین کر لینا جیسا کہ ہندوستان میں بعض سلاسل تصوف زرد یا سبز کپڑا ہی پہنتے ہیں یا کپڑے کی کسی خاص وضع کو بھی ضروری سمجھنا جیسے کہ بعض حلقۂ تصوف میں احرام کے لباس کی طرح تہبند اور چادر کو ضروری سمجھا جاتا ہے، یہ سب لباس شہرت ہے جس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

☆ حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ مومن بندہ کے لئے ازار یعنی تہبند باندھنے کا طریقہ (یعنی بہتر اور اولیٰ طریقہ) یہ ہے کہ نصف ساق تک (یعنی پنڈلی کے درمیانی حصہ تک ہو) اور نصف ساق اور ٹخنوں کے درمیان تک ہو تو یہ بھی گناہ نہیں ہے یعنی جائز ہے، اور جو اس سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے (یعنی اس کا نتیجہ جہنم ہے) راوی کہتے ہیں کہ: یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی: (اس کے بعد فرمایا) اللہ اس آدمی کی طرف نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھے گا جو ازراہِ فخر اپنی ازار گھسیٹ کر چلے گا ”ولا ینظر اللّٰہ یوم القیامۃ الی من جرّ ازارہ بطرًا“ (۲)

---

(۱) زاد المعاد: ١٤٣/١

(۲) بخاري: باب من جر ثوبه من الخيلاء، حديث: ١٤٥١

علماء نے لکھا ہے کہ اگر ٹخنوں سے نیچا تہبند یا پائجامہ تفاخر واستکبار کے جذبہ سے ہو تو حرام ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے اور اگر صرف عادت اور فیشن کی بناء پر ہے تو مکروہ ہے، اور اگر نادانستہ، بے خیالی اور بے توجہی کی وجہ سے ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

☆ لباس کے سلسلے میں تشبہ سے بچا جائے یعنی ایسا لباس پہننا جس کو پہن کر انسان کسی غیر قوم کا فرد نظر آئے اور وہ اس مقصد سے لباس پہنے، تاکہ میں ان جیسا ہو جاؤں یا نظر آؤں، اس نقالی پر حضور ﷺ نے سخت وعید ارشاد فرمائی ہے "من تشبّه بقوم فهو منهم" یعنی جو شخص کسی قوم کے ساتھ تشبہ اختیار کرے، اس کی نقالی کرے تو وہ انہیں میں سے ہے ،ہم تو لباس میں غیروں سے جان بوجھ کر مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہمارے حضور ﷺ تو اتفاقی طور پر کسی معاملے میں غیروں سے مشابہت ہو جائے اس کو بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے، آپ ﷺ نے جب رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے محرم کا روزہ فرض تھا اور آپ ﷺ کو یہ پتہ چلا کہ یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا کر رکھوں گا یا تو نویں تاریخ کا روزہ یا گیارہویں تاریخ کا روزہ، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو؛ بلکہ ان سے علاحدگی اور امتیاز ہو جائے۔(۱)

ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خالفوا المشركين" (۲) یعنی مشرکین کے طریقوں کی مخالفت کرو یعنی انہوں نے جیسے طریقے اختیار کئے ہیں ان سے الگ طریقہ اپناؤ۔

☆ لباس میں عورتیں اور مرد ایک دوسرے کا سا رنگ اور ڈھنگ اختیار نہ کریں:

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا سا ڈھنگ اختیار کریں "المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال" (۳)

---

(۱) مسند احمد: ١/٢٢٦

(۲) بخاری: باب تقلیم الأظفار، حدیث: ٥٥٥٣

(۳) بخاری: باب المتشبهين بالنساء، حدیث: ٥٥٤٦

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا سا لباس پہنے، اور اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مرد کا سا لباس پہنے ”لعن رسول اللّٰہ الرجل یلبس لبسة المرأة، والمرأة تلبس لبسة الرجل“ (۱)

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے کسی نے ذکر کیا کہ ایک عورت ہے جو مردوں کے سے جوتے پہنتی ہے تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مرد بننے کی کوشش کرتی ہیں۔ ”انّ امرأة تلبس النعل“(۲)

☆ لباس میں سفید لباس مردوں کیلئے پسندیدہ ہے، نبیؐ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”سفید کپڑے پہنا کرو، یہ بہترین لباس ہے، سفید کپڑا ہی زندگی میں پہننا چاہئے اور سفید ہی کپڑے میں مُردوں کو دفن کرنا چاہئے“ فانّها من خیر ثیابکم، وکفنوا فیها موتاکم“ (۳)

اور ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو، اس لئے کہ سفید کپڑا زیادہ صاف ستھرا رہتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو” فانها أطهر وأطیب وکفنوا موتاکم“ (۴) یعنی اس میں میل کچیل جلد نظر آجاتا ہے اور آدمی جلد دھونے اور اس کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے کبھی ہلکے سرخ اور سبز کپڑے بھی پہنے ہیں، تو اس سے پتہ یہ چلا کہ کبھی ایسا کرنا بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، لیکن آپ ﷺ کا پسندیدہ کپڑا سفید ہی تھا۔

☆ ریشمی کپڑا نہ پہنے یہ عورتوں کا لباس ہے اور نبی ﷺ نے مردوں کو عورتوں کا سا لباس پہننے اور ان کی سی شکل وصورت بنانے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب فی قول (ولیضربن بخمرهن) حدیث: ۴۰۹۸

(۲) ابوداؤد: باب فی لباس النساء، حدیث: ۴۰۹۹، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۳) ترمذی: باب ما یستحب من الأکفان، حدیث: ۹۹۴، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۴) سنن النسائی: الامر بلبس البیض من الثیاب، حدیث: ۵۳۲۲

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ریشمی لباس نہ پہنو" لا تلبسوا الحرير ولا الديباج " (۱) کہ جو اس کو دنیا میں پہنے گا وہ آخرت میں اس کو نہ پہن سکے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ عورتیں ریشمی لباس پہن سکتی ہیں۔

اور ایک روایت میں فرمایا: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے ریشمی کپڑا لیا اور اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا اسی طرح سونا لیا اور اس کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑا اور پھر فرمایا کہ میری امت کے مردوں کیلئے یہ دونوں چیزیں حرام ہیں "إن هذين حرام على ذكور أمتي " (۲)

ہاں البتہ کسی کو کوئی عذر یا بیماری ہو جس میں ریشم کا استعمال کرتا ہو تو اس کیلئے اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت زبیرؓ کو ریشمی کپڑے پہننے کی جاازت دی گئی، خارش کی وجہ سے جو ان کو تھی "رخص لهما لحكة بهما " (۳)

☆ نیا لباس پہنیں تو کپڑے کا نام لے کر خوشی کا اظہار کیا جائے کہ خدا نے اپنے فضل وکرم سے یہ کپڑا عنایت فرمایا، اور شکر کے جذبات سے سرشار ہو کر نیا لباس پہننے کے بعد وہ دعا پڑھے جو نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ جب کوئی نیا کپڑا، عمامہ، کرتا یا چادر پہنتے تو اس کا نام لے کر فرماتے: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ اَسْئَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ (۴)

---

(۱) بخاری: باب الأكل في اناء مفضض، حديث: ۵۱۱۰، باب تحريم استعمال اناء، حديث: ۲۰۶۹

(۲) ابوداؤد: باب في الحرير للنساء، حديث: ۴۰۵۹

(۳) بخاری: باب الحرير في الحرب، حديث: ۲۹۲۱

(۴) ترمذی: باب ما يقول اذا لبس ثوبا، حديث: ۱۷۶۷، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

خدایا تیرا شکر ہے تو نے مجھے یہ لباس پہنایا، میں تجھ سے اس کے خیر کا خواہاں ہوں اور میں اپنے آپ کو تیری پناہ میں دیتا ہوں، اس لباس کی برائی سے اور اس کے مقصد کے اس بُرے پہلو سے جس کیلئے یہ بنایا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نئے کپڑے پہنے اگر گنجائش ہو تو وہ اپنے پرانے کپڑے کسی غریب کو خیرات میں دے دے اور نئے کپڑے پہنتے وقت یہ دعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَآ اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ " (۱) ساری تعریف اور حمد اس خدا کیلئے ہے جس نے مجھے یہ کپڑے پہنائے، جس سے میں اپنی ستر پوشی کرتا ہوں، اور جو اس زندگی میں میرے لئے حسن وجمال کا بھی ذریعہ ہے۔

جو شخص نیا لباس پہنتے وقت یہ دعا پڑھے گا، خدا تعالیٰ اس کو زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی اپنی حفاظت اور نگرانی میں رکھے گا " ثم عمد الی الثوب الذی اخلق فتصدق به كان فی كنف الله وفی حفظ الله وفی ستر الله حیا ومیتا " (۲)

☆ کپڑے پہنتے وقت سیدھی جانب کا خیال رکھے، کرتہ، قمیص وغیرہ پہنیں تو پہلے سیدھی آستین پہنے اور اسی طرح پائجامہ وغیرہ پہنیں تو پہلے سیدھے پیر میں پائینچہ ڈالیں، حضور اکرم ﷺ جب قمیص پہنتے تو پہلے سیدھا ہاتھ سیدھی آستین میں ڈالتے اور پھر بایاں ہاتھ بائیں آستین میں ڈالتے، اسی طرح جب جوتا پہنتے تو پہلے سیدھا پاؤں سیدھے جوتے میں ڈالتے پھر بایاں پاؤں بائیں جوتے میں ڈالتے اور جوتا اتارتے وقت پہلے بایاں پاؤں جوتے میں سے نکالتے پھر سیدھا پاؤں نکالتے۔

☆ کپڑے پہننے سے پہلے اسے جھاڑ لیں کہ اس میں کوئی موذی جانور بیٹھ سکتا ہے اور تکلیف اور اذیت کا باعث ہوسکتا ہے۔

---

(۱) ترمذی: باب من باب فی دعاء النبی، حدیث: ۳۵۶۰، یہ حدیث غریب ہے، عراقی کہتے ہیں کہ: اس کو ترمذی نے غریب کہا ہے اور ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے: المغنی عن حمل الأسفار: بیان اخلاقه وادابه فی اللباس، حدیث: ۲۴۸۱، ۱/۶۶۹، مکتبة الطبریه الریاض

(۲) ترمذی: باب من باب فی دعاء النبی، حدیث: ۳۵۶۰، یہ حدیث غریب ہے۔

نبی پاک ﷺ ایک بار ایک جنگل میں اپنے موزے پہن رہے تھے پہلا موزہ پہننے کے بعد جب آپ ﷺ نے دوسرا موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا، تو ایک کوّا جھپٹا اور وہ موزہ اٹھا کر اڑ گیا، اور کافی اوپر لے جا کر اُسے چھوڑ دیا، موزہ جب اونچائی سے نیچے گرا تو گرنے کی چوٹ سے اس میں سے ایک سانپ دور جا پڑا، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ارشاد فرمایا: ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ جب موزہ پہننے کا ارادہ کرے تو اس کو جھاڑ لیا کرے "من كان يومن بالله واليوم الأخر فلا يلبس خفيه حتى ينفضهما" (۱)

☆ لباس اور کپڑوں میں جاندار شئی کی فوٹو بھی نہ ہو، ویسے ہی تصویر کشی حرام ہے، پھر لباس میں اس کا استعمال، پھر اس کے ساتھ نماز کی ادائیگی یہ اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی چیزیں ہیں، اس لئے تصویر والے لباس سے احتراز کیا جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے ایک طرف پردہ تھا جو انہوں نے لٹکا دیا تھا، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس کو مجھ سے دور کر دو، اس لئے کہ یہ تصویریں میری نماز میں میرے سامنے ہوتی ہیں" لا تزال تصاويره تعرض لي في صلاتي" (۲)

☆ پائجامہ اور لنگی وغیرہ کو ٹخنوں سے اونچا رکھے، جو لوگ غرور وتکبر میں اپنا پائجامہ اور لنگی وغیرہ نیچے لٹکاتے ہیں، نبی ﷺ کی نظر میں وہ ناکام اور نامراد ہیں اور سخت عذاب کے مستحق ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف قیامت کے دن نہ دیکھے گا اور نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کو پاک صاف کر کے جنت میں داخل کرے گا؛ بلکہ ان کو انتہائی دردناک عذاب دے گا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ ناکام اور نامراد لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) مجمع الزوائد: باب النهي عن لبس الخف قبل أن ينفضها، حديث: ٨٦٣٥، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں ہاشم بن عمرو ہیں، میں ان کو نہیں جانتا، لیکن ابن حبان نے ان کا ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے، پس اس روایت کے رواۃ ثقہ ہیں اور یہ صحیح ہے انشاء اللہ۔

(۲) بخاری: كراهية الصلاة في التصاوير، حديث: ٩١٩

ایک وہ جو غرور اور تکبر میں اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے، دوسرا وہ شخص جو احسان جتاتا ہے اور تیسرا وہ شخص ہے جو جھوٹی قسموں کے سہارے اپنی تجارت کو چمکاتا ہے "والمنفق سلعته بالحلف الكاذب" (۱)

اور ایک روایت میں شلوار اور پائجامہ کو ٹخنہ کے نیچے رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا اس حال میں کہ میری ازار لٹک رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ اپنی اِزار اونچی کر میں نے اسے اوپر اٹھالیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا،" يا عبد الله ارفع إزارك " آپ ﷺ نے فرمایا اور اٹھا میں نے اور اٹھائی میں اپنی ازار اٹھاتا رہا یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے کہا کہاں تک اٹھائے آپ ﷺ نے فرمایا آدھی پنڈلیوں تک۔ (۲)

اگر یہ لٹکانا از راہ تکبر نہ ہو؛ بلکہ کسی شرعی یا طبعی عذر کی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں:

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص از راہ تکبر اپنا تہبند یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں اٹھائے گا یہ سن کر حضرت ابوبکر ﷺ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے کہ میرے قصد وارادہ کے بغیر میرا تہبند لٹک جاتا ہے اور ٹخنوں تک یا ٹخنوں سے نیچے پہنچ جاتا ہے الا یہ کہ میں ہمہ وقت اس کا دھیان رکھوں (یعنی اگر میں ہر وقت اس طرف متوجہ رہوں تو یقیناً کسی بھی وقت میرا تہبند نہیں لٹک سکتا لیکن بعض شرعی یا طبعی رکاوٹوں کی وجہ سے اس کی طرف ہر وقت دھیان رکھنا ممکن نہیں ہے) تو ایسی صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں جو از راہ تکبر اپنا تہبند یا پائجامہ لٹکاتے ہیں "إنك لست ممن يفعله الخيلاء" (۳)

---

(۱) ترمذی: فیمن حلف علی سلعة کاذبة، حدیث: ۱۲۱۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: حدیث: ۹٦۵

(۳) ابوداؤد، باب ما جاء فی اسبال الإزار، حدیث: ٤٠٨٧

ایک ضروری بات

رسول اللہ ﷺ لباس کے بارے میں ان حدود واحکام کی پابندی کے ساتھ جو مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں، اسی طرح کے کپڑے پہنتے تھے جس طرح اور جس وضع کے کپڑوں کا اس زمانے میں آپ ﷺ کے علاقے اور آپ ﷺ کی قوم میں رواج تھا، آپ ﷺ تہبند باندھتے تھے، چادر اوڑھتے تھے، کرتا پہنتے تھے، عمامہ اور ٹوپی بھی زیبِ سر فرماتے تھے اور یہ کپڑے اکثر و بیشتر معمولی سوتی قسم کے ہوتے تھے، کبھی کبھی دوسرے ملکوں اور دوسرے علاقوں کے بنے ہوئے ایسے بڑھیا قیمتی جبے بھی پہن لیتے تھے جن پر ریشمی حاشیہ یا نقش ونگار بنے ہوتے تھے، اسی طرح کبھی کبھی بہت خوشنما یمنی چادریں بھی زیبِ تن فرماتے تھے جو اس زمانے کے خوش پوشوں کا لباس تھا۔

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ زبانی ارشادات وہدایات کے علاوہ آپ ﷺ نے امت کو اپنے طرزِ عمل سے بھی تعلیم دی ہے کہ کھانے پینے کی طرح لباس کے بارے میں بھی وسعت ہے، اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ ہر طرح کا معمولی یا قیمتی لباس پہنا جا سکتا ہے اور یہ کہ ہر علاقے اور ہر زمانے کے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ شرعی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا علاقائی وقومی پسندیدہ لباس استعمال کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امت کے اصحابِ صلاح وتقویٰ نے بھی جن کی زندگی میں اتباعِ سنت کا حد درجہ اہتمام تھا یہ ضروری نہیں سمجھا کہ بس وہی لباس استعمال کریں جو رسول اللہ ﷺ استعمال فرماتے تھے، دراصل لباس ایسی چیز ہے کہ تمدن کے ارتقاء کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی، اسی طرح علاقوں کی جغرافیائی خصوصیات اور بعض دوسری چیزیں بھی لباس کی وضع وقطع اور نوعیت پر اثر انداز ہوتی ہیں، اس لئے یہ ممکن نہیں کہ ساری دنیا کے لوگوں کا لباس یکساں ہو یا کسی قوم یا کسی علاقے کا لباس ہمیشہ ایک ہی رہے، اس لئے شریعت نے کسی خاص قسم اور وضع کے لباس کا پابند نہیں کیا ہے، ہاں! ایسے اصولی احکام دیئے گئے ہیں جن کی ہر زمانے میں اور ہر جگہ بسہولت پابندی کی جا سکتی ہے۔ (۱)

---

(۱) معارف الحدیث: ۶/۳۰۲-۳۰۳

پردہ کے شرعی حدود و قیود

حیاء حیاتِ انسانی کا جوہر

شرم وحیا ایک اہم فطری اور بنیادی وصف ہے جس کو انسان کی سیرت سازی میں بہت زیادہ دخل ہے، یہی وہ وصف اور خلق ہے جو آدمی کو بہت سے برے کاموں اور بری باتوں سے روکتا اور فواحش ومنکرات سے اس کو بچاتا ہے اور اچھے اور شریفانہ کاموں کیلئے آمادہ کرتا ہے، الغرض شرم وحیاء انسان کی بہت سی خوبیوں کی جڑ بنیاد اور فواحش ومنکرات سے اس کی محافظ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم وتربیت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ (۱)

حضرت یعلی بن شداد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إن اللہ حی ستیر ، یحب الحیاء والستر“ بیشک اللہ عزوجل حیاء والے اور پردہ پوشی کرنے والے ہیں اور حیاء و پردہ پوشی کو پسند کرتے ہیں۔

اسی لئے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”إن لکل دین خلقا وخلق الإسلام الحیاء“ زید بن طلحہ سے روایت ہے کہ وہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور دین اسلام کا امتیازی وصف حیاء ہے۔ (۲)

اور ایک روایت میں حیاء کی اہمیت وافادیت کو بیان کرتے ہوئے یوں کہا گیا ہے:

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ

---

(۱) ابوداؤد: باب النهی عن التعری، حدیث: ٤٠١٤

(۲) سنن ابن ماجة: باب الحیاء، حدیث: ٤١٨١

نے اس سے فرمایا کہ اس کو کچھ مت کہو؛ کیونکہ حیا ایک شاخ ہے ایمان کی "فإن الحیاء من الإیمان" (۱)

اور نبی کریم ﷺ نے حیاء کو داخلہ جنت کا سبب اور بے حیائی کو جہنم میں جانے کی وجہ بتلایا ہے: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے اور بے حیائی و بے شرمی بدکاری میں سے ہے اور ابدی دوزخ میں لے جانی والی ہے "الحیاء من الایمان والایمان فی الجنة ، والبذاذة من الجفاء والجفاء فی النار" (۲)

اور ایک روایت میں ایمان اور حیاء میں آپس کے گہرے تعلق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اگر کسی آدمی یا کسی قوم میں سے ان دونوں میں سے ایک اٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حیاء اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ ساتھ اور اکٹھے ہی رہتے ہیں، جب ان میں سے کوئی ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے "فإذا رفع أحدھما رفع الآخر" (۳)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: "الحیاء لا یأتی إلا بخیر" حیاء تو بس خیر ہی کو لاتی ہے۔ (۴)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ سے اس طرح حیا کرو جیسے حیا کرنے کا حق ہے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! الحمدللہ، ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں، فرمایا یہ مطلب نہیں، بلکہ جو شخص اللہ سے اس طرح حیا کرتا ہے جیسے حیا کرنے کا حق ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے سر اور اس میں آنے والے خیالات اپنے پیٹ اور اس میں بھرنے والی چیزوں کا خیال رکھے، موت کو اور بوسیدگی کو یاد رکھے، جو شخص آخرت کا طلبگار

---

(۱) بخاری : باب الحیاء من الایمان ، حدیث: ٢٤

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی الحیاء ، حدیث: ٢١٤٠ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) شعب الایمان: الحیاء ، حدیث: ٧٣٣١، منذری کہتے ہیں کہ: یہ روایت شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

(۴) صحیح البخاری : باب الحیاء ، حدیث: ٦١١٧

ہوتا ہے وہ دنیا کی زیب و زینت چھوڑ دیتا ہے اور جو شخص یہ کام کرلے، درحقیقت اس نے صحیح معنی میں اللہ سے حیا کرنے کا حق ادا کردیا" فمن فعل ذلك فقد استحيا من الله حق الحياء " (۱)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ستر کا حکم دیا ہے اور اس کو بڑے اہتمام سے اس کو بیان کیا ہے، ستر کو عورۃ کہتے ہیں جو عور سے مشتق ہے، جس کے معنی عیب، بری چیز کے ہیں، اس کا اطلاق سترِ عورت پر اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس کا ظہور برا ہے۔

لفظِ عورۃ کا اطلاق کئی معنوں میں ہوتا ہے :

۱۔ سترِ عورت، جس کا چھپانا نماز میں ضروری ہو۔

۲۔ ستر جس کو دیکھنا حرام ہو۔

۳۔ ہر وہ چیز جس کو انسان حیاء کی وجہ سے چھپاتا ہے۔

اصطلاحِ شرع میں جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے سامنے کھولنے سے منع فرمایا ہے وہ سترِ عورت ہے، اسلام نے ستر پر سخت حکم لگائے ہیں کیونکہ بے پردگی ہر خرابی اور فساد کی جڑ ہے اور پردہ سے رہنے کو اللہ تعالیٰ نے زینت بتلایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَا بَنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا" (۲) اے آدم کی اولاد! نماز کے وقت ستر کو ڈھانپ لیا کرو، (یعنی اپنا لباس پہن لیا کرو) اور خوب کھاؤ اور پیو، اور حد سے مت نکلو بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکلنے والوں کو۔

نبی کریم ﷺ نے ستر کا حکم دیا ہے اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے، علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: " فالنظر الى العورة حرام لما روى عن سلمان رضى الله عنه قال: لأن أخرّ من السماء فانقطع نصفين أحب

---

(۱) ترمذی: باب، حدیث: ۲۴۵۸

(۲) الاعراف : ۳۱

الی من ان انظر الی عورۃ احد او ینظر احد الی عورتی" (۱)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں آسمان سے گر کر دو ٹکڑے ہو جاؤں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے کہ اس کے مقابلہ میں کہ میں کسی کے ستر کو دیکھوں یا کوئی میری ستر کو دیکھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ننگا ہونے سے تم پرہیز کرو "ایاکم والتعری" اس لئے کہ تمہارے ساتھ وہ مخلوق رہتی ہے جو تم سے جدا نہیں ہوتی ہے، ہاں جب کوئی بیت الخلاء جائے یا اپنی اہلیہ سے ہم بستری کرے، لہٰذا تم ان سے شرم کیا کرو، اور اس مخلوق (فرشتوں) کی عزت کیا کرو۔ (۲)

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب کوئی اپنی اہلیہ سے ہم بستری کرے تو پردہ کے ساتھ کرے، دو وحشی گدھوں کی طرح برہنہ نہ ہو جائے" ولا یتجردان تجرد البعیرین" (۳)

حضرت ام ہذیل رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی زمین میں تشریف لے گئے، آپ نے چرواہے کو دیکھا کہ وہ ننگا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے فلاں! زمین میں کیا ہے دیکھو؟ اور اتذیل لو اور اپنی پوری اجرت لے لو اور اپنے گھر چلے جاؤ، اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی اور زمین کی دیکھ بھال اچھی طرح نہیں کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ لیکن تنہائی میں جو اللہ سے نہ شرمائے اس کی ہمیں ضرورت نہیں "ولکن لا حاجة لنا فیمن إذا خلی لم یستح من اللہ" (۴)

---

(۱) المحیط البرھانی: باب فیما یحل للرجل النظر الیه: ۵/۱۷۹، دار احیاء التراث العربی بیروت

(۲) سنن الترمذی: باب ماجاء فی الاستتار عند الجماع، حدیث: ۲۸۰۰، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۳) ابن ماجه: باب التستر عند الجماع، حدیث: ۱۹۲۱

(۴) معرفة الصحابه لابن نعیم، ام الهذیل غیر منسوبة، حدیث: ۸۰۶۹

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھ کو ننگا چلنے سے منع کیا گیا ہے " نهيت ان امشي عاريا " (۱)

پردہ ایمان کے ثمرات ونتائج میں سے ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ بغیر لنگی کے حمام میں داخل نہ ہو " فلا يدخل الحمام بغير ازار " (۲)

آنحضرت ﷺ نے تالاب، حوض، سمندر اور ندی نالوں میں بھی بغیر کپڑے کے داخل ہونے سے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: " لا تدخلوا الماء إلا بمئزر؛ فإن للماء عينين " (۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں: کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک نہایت شرمیلے اور سخت پردہ کا اہتمام رکھنے والے آدمی، ان پر شرم وحیا کا اتنا غلبہ تھا کہ (پورے بدن کو ہر وقت ڈھانپے رہتے تھے اور) ان کے جسم کی کھال کا کوئی بھی حصہ دکھائی نہ دیتا تھا " لا يري من جلده شيء " (۴)

جس "شرعی پردہ" کا قرآن وحدیث میں حکم دیا گیا ہے، اس کے تین درجہ ہیں:

۱- اعلیٰ درجہ ۲- متوسط درجہ ۳- ادنیٰ درجہ

ان میں پردہ کا ہر درجہ دوسرے درجہ سے بلند تر اور عظیم تر ہے اور پردہ کے یہ تمام درجات قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، البتہ مختلف احوال میں خواتین سے مختلف درجہ کا حکم متوجہ ہوتا ہے۔

---

(۱) الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الرابعة والسبعون: ۱/ ۲۱۲، دار الفكر، بيروت

(۲) ترمذي: باب ما جاء في دخول الحمام، حديث: ۲۸۰۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) فردوس ديلمي: باب الف لام، حديث: ۷۳۵۹، دار الكتب العلمية، بيروت

(۴) بخاري: باب حديث الخضر مع موسي عليه السلام، حديث: ۳۲۲۳

☆ پردہ کا پہلا درجہ

یہ ہے کہ خواتین اپنے جسم کی گھر کی چہار دیواری یا پردے یا ہودج (پالکی) وغیرہ میں اس طرح چھپائیں کہ ان کی ذات اور ان کے لباس اور ان کی ظاہری اور چھپی ہوئی زینت کا کوئی حصہ اور ان کے جسم کا کوئی حصہ چہرہ ہتھیلیاں وغیرہ کسی مرد کو نظر نہ آئیں۔

عورت اپنے گھر کے اندر رہے اور بلا ضرورت گھر سے باہر نہ آئے اس پردہ کا ثبوت ارشادِ خداوندی میں ہے " وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ " (۱) اور اے بیویو! تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔

اور ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: " وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ " (۲) اور جب تم عورتوں سے کوئی چیز استعمال کیلئے مانگو تو پردہ کی آڑ میں ہو کر مانگو۔

اور ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: "وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُیُوْتِهِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ" (۳) اور عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو، اور نہ خود نکلیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورت چھپانے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے " المرأة عورة، فاذا خرجت استشرفها الشیطٰن " (۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ " واقرب ما تکون من وجه ربها وهی فی قعر بیتها " یعنی عورت جب تک اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے تو اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ (۵)

---

(۱) الاحزاب : ۳۳

(۲) الأحزاب : ۵۳

(۳) الطلاق: ۱

(۴) ترمذی: باب ، حدیث: ۱۱۷۳ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۵) مجمع الزوائد: باب خروج النساء الی المساجد وغیر ذلك وصلا تهن فی بیوتهن صلاتهن فی المسجد ،حدیث: ۲۱۱۶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پردہ کے احکام نازل ہوجانے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قضاءِ حاجت کیلئے گھر سے باہر نکلیں، چونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جسیم (فربہ) تھیں اور عام خواتین کے مقابلہ میں دراز قد تھیں، اس لئے جو لوگ آپ کو پہچانتے تھے، ان سے مخفی نہیں رہ سکتیں تھیں چنانچہ آپ ﷺ باہر نکلیں تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور فرمایا کہ: اے سودہؓ! اللہ کی قسم تم ہم سے مخفی نہیں رہ سکتی، لہٰذا سوچ لو تم کیسے نکلو گی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ سن کر لوٹیں، حضور ﷺ اس وقت میرے گھر میں تھے اور وہ اس وقت آپ شام کا کھانا تناول فرمارہے تھے، اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں گوشت کی ہڈی تھی، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا داخل ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں گھر سے نکلی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے ایسا ایسا کہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: اللہ کی طرف سے حضور ﷺ پر وحی نازل ہونی شروع ہوگئی، پھر وحی کا سلسلہ بند ہوگیا اور وہ ہڈی اب تک حضور ﷺ کے ہاتھ میں تھی، اور آپ ﷺ نے اس کو اب تک نہیں رکھا تھا، پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ: تم سب عورتوں کو حاجت کیلئے گھروں سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی " انه قد أذن لكم أن تخرجن لحاجتكنّ " (۱)

اس حدیث کے الفاظ " قد أذن لكم أن تخرجن لحاجتكنّ " اس پر دلالت کررہے ہیں کہ خواتین کیلئے گھر سے نکلنے کی اجازت حاجت کے ساتھ محدود ہے، حاجت کے علاوہ خواتین اپنے گھروں ہی میں رہیں۔

حضرت ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ (جماعت سے مسجد میں) نماز ادا کروں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ (میرے پیچھے جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنے کی بڑی چاہت ہے، مگر تمہاری نماز جو تم

---

(۱) مسلم: کتاب السلام: باب اباحة الخروج للنساء لقضاء ،حديث: ۷۱۷۰

اپنے گھر کے اندرونی حصہ میں پڑھو، اس نماز سے افضل ہے جو تم گھر کے بیرونی دالان میں پڑھو اور دالان میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے صحن میں پڑھو، یہ اس سے افضل ہے جو تم گھر کے بیرونی دالان میں پڑھو، اور دالان میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے صحن میں پڑھو اور اپنے گھر کے صحن میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلہ کی مسجد میں (جو کہ تمہارے گھر سے قریب ہو) نماز پڑھو، اور اپنے قبیلہ کی مسجد میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں آ کر نماز پڑھو، آپ ﷺ کا یہ فرمان سن کر ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کے اندرونی اور تاریک حصے میں نماز کی جگہ بنوائی اور پھر موت تک اسی جگہ نماز پڑھتی رہیں "فاصرت فبُني لها مسجد في أقصى شيئ من بيتها وأظلم فكانت تصلي فيه حتّى لقيت الله عزوجل" (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عورتوں کا گھر سے باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں الا یہ کہ وہ نکلنے پر مجبور ہوں "ليس للنساء نصيب في الخروج الاّ مضطرّة" (۲)

ان مذکورہ بالا تمام آیات واحادیث سے پتہ چلا کہ عورتوں کیلئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ گھر میں ہی رہیں اور گھر میں رہنا اور گھر ہی ان کا پردہ ہو اور اپنی ذات کو گھر میں محبوس رکھ کر اجنبی مردوں سے مخفی رہیں، ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلیں۔

☆ پردے کا دوسرا درجہ

یہ ہے کہ اگر کبھی عورت اپنی حوائج طبعیہ کی وجہ سے گھر سے باہر نکلے تو اس کا جواز ہے، بشرطیکہ وہ برقع سے اپنے آپ کو اس طرح چھپائے کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو،

---

(۱) مسند احمد: حدیث ام حمید رضی اللہ عنہا، حدیث: ۲۷۱۳۵، ابن حجر نے اصابہ میں ابن ابی خیثمہ کے طریق سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے "شوکانی" نے نیل الاوطار میں ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ: "اس کی سند حسن ہے"۔

(۲) مجمع الزوائد: باب الخروج الی العید، حدیث: ۳۲۲۱، طبرانی نے اس کو کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں سوار بن مصعب ہیں اور یہ متروک الحدیث ہیں۔

یہ حجاب کا دوسرا درجہ ہے:

" یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ " (۱) اے نبی ﷺ! آپ اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں سے اور دوسری مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر چادریں لٹکا لیا کریں۔

ظاہر ہے کہ عورت کے اوپر چادر لٹکانے سے مقصود یہ ہے کہ اس کا پورا بدن حتیٰ کہ اس کا چہرہ بھی چھپ جائے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ''جلباب'' اس چادر کو کہا جاتا ہے جو اوپر سے نیچے تک پورے جسم کو چھپائے۔

علامہ ابن جریرؒ اور ابن المنذرؒ وغیرہ نے امام محمد بن سیرینؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبیدہ السلمانی سے آیت " یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ " کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اپنی چادر اٹھائی اور اس کے اندر اپنے آپ کو لپیٹ لیا اور اپنا پورا سر پلکوں تک اس کے اندر چھپا لیا اور اپنا چہرہ بھی ڈھانپ لیا، البتہ صرف اپنی بائیں آنکھ بائیں کنارے سے نکال لی، "وأخرج عینه الیسری من شق وجهه الأیسر" (۲)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جریر طبریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی عورتوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو چادروں کے ذریعہ چہروں کو اپنے سروں کے اوپر سے ڈھانپ لیں اور صرف ایک آنکھ کھولیں۔ (۳)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْھِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَھُنَّ " (۴)

---

(۱) الاحزاب: ۵۹

(۲) روح المعانی: ۲۲/۸۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت

(۳) تفسیر ابن جریر:

(۴) النور: ۶۰

اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو یہ اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنے کپڑے اتار دیں، ظاہر ہے کہ ”وضعِ ثیاب“ سے جسم کے تمام کپڑے اتارنا مراد نہیں ہے، بلکہ ”وضعِ ثیاب“ سے مراد ”وضعِ جلباب اور وضعِ رداء“ ہے یعنی وہ اوپری اور ظاہری کپڑے اتارنا مراد ہے جس کے اتارنے کے نتیجے میں کشفِ عورت نہ ہو۔ ”وضعِ ثیاب“ کی تفسیر ”وضعِ جلباب“ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور حضرت مجاہدؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت ابوالشعثاءؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت حسنؒ، حضرت قتادہ، امام زہریؒ اور امام اوزاعیؒ نے کی ہے، لہٰذا ”وضعِ جلباب“ جس کی وجہ سے چہرے کا کشف ہوتا ہے کا حکم یہ ہے کہ یہ ان بوڑھی عورتوں کیلئے جن کو آئندہ نکاح کی امید نہیں، لیکن جہاں تک جوان عورتوں کا تعلق ہے تو ان کیلئے اجانب کے سامنے جلباب، برقع کا اتارنا اور چہرہ کا کھولنا جائز نہیں ہے۔

☆ حضرات صحابیات رضی اللہ عنہن بھی جب اپنی کسی ضرورت سے باہر نکلتی تھیں تو جلباب اور رِداء (چادر) سے مستور ہو کر نکلتی تھیں اور اَجانب کے سامنے اپنے چہرے نہیں کھولتی تھیں۔

حضرت قیس بن حازم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ایک خاتون جنہیں امّ خلّاد کہا جاتا تھا حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوئیں کہ ان کے چہرے پر نقاب تھا اور آ کر اپنے مقتول بیٹے کے بارے میں حضور اقدس ﷺ سے سوال کرنے لگیں، حضور اقدس ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی نے ان خاتون سے کہا: کہ تم اپنے مقتول بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہو، اس کے باوجود تم نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال رکھا ہے؟ ان خاتون نے جواب دیا کہ: اگر میرے بیٹے پر مصیبت آئی ہے تو میری حیاء پر تو مصیبت نہیں آئی ”ان أزرء ابنى فلن أزرأ حيائى“ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: اس کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا، ”ابنك له أجر شهيدين“ (۱)

---

(۱) ابوداؤد: باب فضل قتال الروم على غيرهم من الأمم، حدیث: ۲۴۸۸، البانی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ: حضور ﷺ عیدین کے موقع پر کنواری اور دوشیزہ اور پردہ دار اور حیض والی عورتوں کو نکالتے تھے مگر حیض والی خواتین عیدگاہ سے علاحدہ رہتی تھیں، البتہ مسلمانوں کے ساتھ دعاء میں شریک ہوتی تھیں، ایک خاتون نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! اگر کسی کے پاس جلباب نہ ہوتو (وہ کس طرح عیدگاہ جائے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی بہن اپنے جلباب سے اس کو ڈھانک لے "ان لم یکن لھا جلباب ؟ فلتعرھا اختھا من جلبابھا " (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ: ہم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ حالت احرام میں تھے، اس وقت ہمارے پاس سے لوگوں کی سواریاں گذر رہی تھیں، جب وہ سواریاں ہمارے قریب آتیں تو ہم نے اپنی چادریں چہرے پر لٹکا لیتی تھیں اور جب سواریاں آگے گذر جاتیں تو ہم اپنا چہرہ کھول لیا کرتی تھیں "فاذا حاذوا سدلت احدانا جلبابھا من رأسھا علی وجھھا فاذا جاوزنا کشفنا " (۲)

☆ تیسرے درجہ کا پردہ

تیسرے درجہ کا پردہ یہ ہے کہ عورت جب اپنے گھر سے نکلے تو پورا بدن سر سے پاؤں تک ڈھکا ہوا رکھے، البتہ ضرورت کے وقت اپنا چہرہ، ہتھیلیاں کھول دے، بشرطیکہ فتنہ سے مامون ہو، حجاب کے اس تیسرے درجہ پر قرآن کریم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے:
"وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

---

(۱) ترمذی: باب خروج النساء فی العیدین، حدیث : ۵۳۹، مصطفیٰ الاعظمی نے صحیح ابن خزیمہ کی تخریج میں اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب المحرمۃ تغطی وجھھا، حدیث: ۱۸۳۳، علامہ حجر فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے مجاھد عن عائشہ کے طریق سے نقل کیا ہے، اور ابن خزیمہ نے یزید بن ابی سکن سے روایت کیا ہے اور یہ روایت ایک دوسرے طریق سے منقول ہے: فاطمہ بنت المنذر عن اسماء بنت ابی بکر اور یہ ان کی دادی ہیں، اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے: التلخیص الحبیر : باب محرمات الاحرام : ۵۷۶/۲

زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا "(۱) یعنی اے نبی ﷺ آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے کھلی چیز ہے۔

"مَا ظَهَرَ مِنۡهَا" کی تفسیر میں علماءِ مفسرین کا اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عطاؒ، حضرت عکرمہؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت ابوالشعثاؒ، حضرت امام ضحاکؒ، اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کے مطابق اس سے مراد "وجہ اور کفین" ہیں۔ یعنی چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنتِ ابوبکر رضی اللہ عنہما حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اس طرح آئیں کہ ان کے اوپر باریک کپڑے تھے، حضور ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا، اور کہا: اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو یہ مناسب نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے اس کے اور اس کے، اور آپ ﷺ نے چہرے اور ہتھیلیوں کی جانب اشارہ کیا "انّ المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح أن يُرىٰ منها الّا هذا أو هذا وأشار الى وجهه و كفّيه " (۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے یوم النحر (عید الاضحیٰ) کے دن حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی سواری پر بٹھایا اور حضرت فضل خوبصورت تھے، حضور اقدس ﷺ لوگوں کے سوالات کے جوابات دینے کیلئے رک گئے، اتنے میں قبیلہ خثعم کی ایک خوبصورت عورت آکر حضور ﷺ سے کوئی مسئلہ پوچھنے لگی، حضرت فضل نے اس عورت کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور اس عورت کے حسن نے ان کو تعجب میں ڈال دیا، جب حضور اقدس ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت فضل اس عورت کو

---

(۱) النور: ۳۱

(۲) ابوداؤد: باب فیما تبدی المراة، حدیث: ٤١٠٤، ابوداؤد کہتے ہیں کہ: یہ روایت مرسل ہے، خالد بن وریک کی حضرت عائشہ سے ملاقات نہیں ہے۔

دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو پیچھے کیا اور پھر ان کی تھوڑی پکڑ کر ان کا چہرہ اس عورت کی طرف سے پھیر دیا" فأخذ بذقن الفضل وعدل وجهه عن النظر اليها " (۱)

اس حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت فضل کے چہرے کو اس عورت کی طرف سے پھیر دیا، لیکن اس عورت کو چہرہ ڈھانکنے کا حکم نہیں دیا، اس لئے کہ وہ حالتِ احرام میں تھیں، تو ضرورتِ شدیدہ کے وقت چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھولنے کی اجازت ہے اور یہ اس حالت کا پردہ ہے۔

☆ عورت کا مرد سے حجاب اور چہرے کو چھپائے رکھنا واجب ہے اس پر یہ نصوص دلالت کرتے ہیں: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَايُبْدِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآءِ هِنَّ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيرِ اُوْلِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاء وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِن زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۲)

اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجیے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مواقع کو ظاہر نہ کریں مگر جس (اس موقع زینت) میں سے (غالبا) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو (کسی پر)

---

(۱) بخاري: باب من باب بدء السلام، حديث: ٥٨٧٤

(۲) النور: ۳۱

ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے حقیقی (علاتی یا اخیافی بھائیوں پر) یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی (کے طور پر رہتے) ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں (مراد غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانو (تم سے جو اِن احکام میں کوتاہی ہوگئی ہو تو) سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ)۔

اس آیت سے ایک تو یہ پتہ چلا کہ عورت کو اجنبی مردوں سے پردہ کرنا چاہئے۔

اللہ عزوجل نے عورتوں کو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے، شرمگاہوں کی حفاظت میں ان چیزوں کی حفاظت بھی شامل ہے جن پر شرمگاہوں کی حفاظت موقوف ہے، جن میں چہرے کا ڈھکنا بھی داخل ہے، چونکہ چہرے کے کھولنے سے بدنظری ہوگی، چہرے کے محاسن پر غور وتدبر ہوگا، اس سے لذت آئے گی، پھر طبیعت ملاقات کا تقاضا کرے گی، اسی کو فرمایا: "العينان تزنيان وزناهما النظر" (آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے) پھر فرمایا: " والفرج يصدق ذلك أو يكذّبه " (شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے) چونکہ چہرہ کا ڈھکنا یہ حفظِ فرج کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور ذرائع ووسائل کے احکام مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔(۱)

اور فرمایا: "وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ" خمار کہتے ہیں: جس سے عورت اپنے سر کو چھپائے، جب عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گلے اور سینے پر اوڑھنی کا استعمال کرے تو اس کو چہرے کا ڈھانکنا بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوگا، چونکہ چہرہ مجمع المحاسن ہوتا ہے، حسن وخوبصورتی کا منبع اور سرچشمہ ہے، اور خوبصورتی سے مراد چہرے کی بناوٹ وساخت اور اس کی حسن ورعنائی ہوتی ہے، اس لئے یہ فتنہ کا زیادہ باعث ہے، اس لئے شریعت یہ حکم کیسے دے سکتی ہے کہ گلے اور سینے کے تو پردہ کا حکم کرے اور چہرے کو ڈھکنے کا حکم نہ دے؟

---

(۱) بخاري: كتاب الاستيذان، باب زنا الجوارح، حديث: ٦٢٤٣

اللہ عزوجل نے زینت کے اظہار سے مطلقاً منع فرمایا ہے سوائے اس کے جو خود ظاہر ہوجاتا ہے، جیسے ظاہری کپڑے وغیرہ، "اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا" کہا "الّا ما اظھرن منہا" (جو وہ ظاہر کریں) نہیں کہا: پھر اسی آیت میں دوبارہ اللہ عزوجل نے ابدائے زینت کی ممانعت محارم کے استثناء کے ساتھ فرمائی، تو اس سے پتہ چلا کہ دوسری زینت پہلی زینت سے مختلف ہے، پہلی زینت سے مراد وہ زینت جو ہر ایک کیلئے خود بخود ظاہر ہوجائے، جس کا چھپانا اور اخفاء ممکن نہیں اور دوسری زینت مراد باطنی زینت ہے۔

ان احکام کا مقصود اصلی عورت کو فتنہ کے اندیشے سے بچانا اور چہرہ تو مجمع المحاسن اور سب سے بڑے فتنے کی جگہ ہے، اس لئے اس کا چھپانا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔

پھر فرمایا: "وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ" (۱) یعنی عورت اپنے پیر کو نہ مارے کہ اس کی وجہ سے اس کے پیروں کی جھنکار سنائی دے گی، جب عورت کو مرد کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے صرف پیر مارنے سے روکا گیا تو چہرے کا کھولنا کس قدر فتنہ کا باعث ہوگا؟ اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

آدمی جب عورت کی پازیب کی آواز کو سنتا ہے تو اسے یہ پتہ نہیں ہوتا ہے کہ آیا یہ عورت کی آواز ہے بھی کہ نہیں، یا جوان عورت ہے یا بوڑھی یا بدمنظر ہے یا حسین و جمیل، ایک خوبصورت، بے پردہ عورت جو حسن و جمال کے بھی کمال کو پہنچی ہوئی ہے، اس کی خوبصورتی اور رعنائی بھی پرکشش ہے، اس کے چہرے کا دیکھنا کس قدر فتنہ کا باعث ہوسکتا ہے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْھِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَھُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِیْنَةٍ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّھُنَّ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ" (۲)

---

(۱) النور: ۳۱

(۲) النور: ٦٠

اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو توقع نہیں رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کیلئے اور اللہ سب باتیں سنتا اور جانتا ہے۔

یعنی بوڑھی عورتیں جن میں کبرِ سن کی وجہ سے مردوں کی ان میں رغبت کی امید نہیں تو ان عورتوں کے مواقعِ زینت کے پردہ کو ضروری نہیں قرار دیا، البتہ مقصود ان کا اس بے پردگی سے زینت کا اظہار نہ ہو، اور یہاں ان بوڑھی عورتوں کے وضعِ ثیاب میں جو گناہ کی نفی کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بالکل ننگی ہو جائیں یعنی ان کیلئے چہرے اور ہتھیلیوں وغیرہ کا پردہ کرنا نہیں ہے، لہٰذا جن عورتوں میں نکاح کی امید ہے وہ جلباب اور خمار کے ذریعہ چہرے اور ہتھیلیوں وغیرہ کا بھی پردہ کریں گی جن سے بوڑھی، دراز عمر عورتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ، ذٰلِكَ اَدْنٰىٓ اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ” (۱)

اے پیغمبر ﷺ اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمان کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کر لیا کریں اپنی تھوڑی سی چادریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ” فوق رؤوسهنّ بالجلابيب ويبدين عينًا واحدةً “ اپنے سروں پر جلباب (چادر) ڈالیں اور ایک آنکھ ظاہر کریں، یہ صحابی کا اثر مرفوع حدیث کے درجہ میں ہے۔ (۲)

بہرحال ایک آنکھ سے دیکھنے کی اجازت ضرورت اور راستہ دیکھنے کیلئے دی گئی ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب یہ آیت نازل ہوئی تو انصاری عورتیں تو

---

(۱) الاحزاب : ۵۹

(۲) تفسیر ابن کثیر : ۲ / ۵۶۹

وہ کالے کپڑے پہن کر نکلتی تھیں، ایسے نظر آتا تھا کہ ان کے سر پر کوے بیٹھے ہیں " كأنّ على رؤوسهنّ الغربان " (۱)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اس عورت کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ اس کو پیغامِ نکاح دینے کیلئے دیکھ رہا ہو، گرچہ اس عورت کو اس کا علم ہو " فلا جناح عليه أن ينظر اليها اذا كان انّما ينظر اليها لخطبته " (۲)

اس روایت میں نکاح کا پیغام دینے والے کو اگر وہ عورت کو نکاح کا پیغام دینے کی غرض سے دیکھے تو اس سے گناہ اور حرج کی نفی کی گئی ہے، اس سے پتہ چلا کہ جس کا نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ نہ ہو تو اس کا دیکھنا حرام ہے، اور نکاح کا پیغام دینے والا چہرہ کو خصوصاً دیکھتا ہے؛ کیونکہ حسن وجمال میں چہرہ کی خوبصورتی اور رونق اصل مقصود ہوتی ہے، اس لئے غیر مخاطب کو یا اجنبی شخص کو عورت کے چہرہ کو دیکھنا ممنوع ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص اپنے کپڑوں کو تکبر کے ساتھ لٹکائے ہوئے چلے تو اللہ عز وجل روزِ قیامت اس کی جانب نظر نہیں فرمائیں گے " لم ينظر اللّٰه اليه يوم القيمة " حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: عورت اپنے دامن کو کیسے کرے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو ایک بالشت نیچے کرے، تو انہوں نے کہا: تب تو اس کے قدم ظاہر ہوں گے، تو فرمایا: ایک ہاتھ اور اس پر زیادہ نہ کرے " ولا يزدن عليه " (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب في قول اللّٰه تعالٰى (يدنين عليهن من جلابيبهن)، حديث: ۴۱۰۱، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) مسند احمد: حديث ابى حميد الساعدى، حديث: ۲۳۶۵۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے، لیکن زہیر کو شک ہے انہوں نے عن ابی حمید یا ابی حمیدۃ کہا ہے اور بزار نے بغیر شک کے نقل کیا ہے اور طبرانی نے اوسط اور کبیر میں روایت کیا ہے اور احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب النظر الى من يريد تزويجها، حديث: ۷۴۵۵

(۳) ترمذی: جر ذيول النساء، حديث: ۱۷۳۱، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

یہاں پر عورت کے قدم کے ستر کو واجب قرار دیا گیا ہے اور پیر کے دیکھنے میں چہرے اور ہتھیلیوں کے دیکھنے سے کم فتنہ کا اندیشہ ہے اور شریعت یہ کیسے حکم دے سکتی ہے کہ جو کم فتنہ کا باعث ہو، اس کے ستر اور پردہ کا تو حکم کرے اور جس میں فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہو اس کے ظاہر کرنے کی اجازت دے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ہم حالتِ احرام میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھے ہمارے یہاں سے قافلوں کا گذر ہوتا اور جب وہ قافلہ ہمارے قریب سے گذرتا تو ہم عورتیں اپنے جلباب (چادروں) کو سر پر سے چہرے پر ڈال لیتیں "سدلت احدانا جلبابها علىٰ وجهها من رأسها" اور جب وہ گذر جاتے تو ہم چہرے کو کھول دیتے۔ (۱)

صحیحین وغیرہ کی روایت میں ہے کہ محرم عورتوں کو نقاب اور دستانے پہننے کو منع کیا جاتا تھا "أنّ المرأة المحرمة تنهى عن النقاب والقفّازين" (۲)

اس روایت کی تشریح میں علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: اس سے پتہ چلا جو عورتیں حالتِ احرام میں نہ ہوتی تھیں ان میں نقاب اور دستانوں کے استعمال کا رواج تھا۔

حدیثِ افک میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: صفوان بن معطل سلمی جو بعد کو ذکوانی کے نام سے مشہور ہوئے وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہا کرتے تھے تاکہ گری پڑی چیزیں اٹھاتے ہوئے آئیں وہ صبح کو جب قریب پہنچے تو مجھے سوتا ہوا دیکھ کر پہچان لیا کیونکہ وہ پردہ سے پہلے مجھے دیکھ چکے تھے، انہوں نے زور سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا تو میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا منہ چھپالیا "فخمرت وجهي بجلبابي" (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب المحرمة تغطي وجهها، حدیث: ۱۸۳۳، علامہ حجر فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے مجاھد عن عائشہ کے طریق سے نقل کیا ہے، اور ابن خزیمہ نے یزید بن ابی سکن سے روایت کیا ہے اور یہ روایت ایک دوسرے طریق سے منقول ہے: فاطمہ بنت المنذر عن اسماء بنت ابی بکر اور یہ ان کی دادی ہیں، اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے: التلخيص الحبير : باب محرمات الاحرام : ۵۷۶/۲

(۲) مجموع الفتاوی: تفسير سورة النور: ۵۹،۲۵۴، مجمع الملك فهد للطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية

(۳) بخاری: باب حديث الافك، حديث: ۳۹۱۰

اس روایت سے پتہ چلا کہ چہرے کو چھپانے کا رواج اس وقت تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں انہوں نے بیان کیا کہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رفع حاجت کیلئے چادر اوڑھ کر باہر گئیں چونکہ وہ بہت جسیم تھیں اس لئے باوجود چادر کے پہچانی جاتیں چنانچہ ایک دن وہ باہر گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہچان کر کہا کہ آپ باوجود چادر کے ہم سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر واپس آئیں۔ آنحضرت ﷺ میرے گھر میں موجود تھے، کھانا کھا رہے تھے ایک ہڈی آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں باہر گئی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ باتیں کہیں ہیں آپ ﷺ نے جب یہ سنا تو آپ ﷺ پر نزول وحی ہونے لگی جب نازل ہو چکی تو ہڈی ہاتھ میں ہی تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تم کو اجازت دیتا ہے کہ تم ضرورت کیلئے باہر جا سکتی ہو۔(۱)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا مکمل با حجاب تھی، جسم کا ہر حصہ چہرہ اور ہتھیلیوں سمیت چادر سے ڈھکا ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف ان کے جسم سے ان کو پہچان کر ان کو غیرت دلائی تھی اور ان کو حدیث میں مذکورہ جملہ فرمایا تھا۔

☆ عورت کے چہرے اور ہتھیلی کو دیکھنے کے سلسلے میں فقہاء کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ اگر لذت کی نیت سے دیکھنا ہو یا دیکھنے کے نتیجہ میں ایسے فتنہ کا اندیشہ ہو جو مفضی الی الخلوۃ بن سکتا ہو، تو چہرے اور ہتھیلیوں کے دیکھنے کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن اگر مرد فتنہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ ہو، اور دیکھنے سے لذت حاصل کرنا بھی مقصود نہ ہو تو اس کے جواز میں اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف نظر کرنا جائز ہے، اکثر شوافع اور بعض حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے؛ لیکن مختار مذہب مطلقاً عدم جواز کا ہے، اگر چہ شہوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

---

(۱) بخاري: حديث الفلك، حديث: ٤٥١٧

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ: وتمنع المرأة الشّابة من كشف الوجه بين رجال، لا لأنّه عورة، بل لخوف الفتنة " یعنی جوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا، یہ حکم اس لئے نہیں کہ وہ چہرہ ستر میں داخل ہے؛ بلکہ فتنہ کے خوف کی وجہ سے۔

اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: فان خاف الشهوة امتنع نظره الى وجهها، فحِلّ النظر مقيّد بعدم الشهوة والّا فحرام، وهذا في زمانهم " (قهستانی وغيره) الّا النظر لحاجة كقاضٍ وشاهدٍ يحكم ويشهد عليها " (۱)

یعنی اگر شہوت کا خوف ہو یا شہوت کا شک ہو تو اس صورت میں عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا ممنوع ہے، لہٰذا عدمِ شہوت کی قید کے ساتھ عورت کی طرف نظر کرنا حلال ہے، ورنہ حرام ہے اور یہ حکم ان فقہاء کے زمانے کا ہے، اور جہاں تک ہمارے زمانے کا تعلق ہے، اس میں تو نوجوان عورت کی طرف نظر کرنا ممنوع کہا گیا ہے، (قہستانی وغیرہ) البتہ ضرورت کے وقت دیکھنا جائز ہے، جیسے قاضی کا فیصلہ سنانے کے وقت دیکھنا یا شاہد کا گواہی دینے کے وقت دیکھنا۔

☆ ستر اور حجاب کا فرق

مرد کا ستر:

ناف کے نیچے سے گھٹنے تک عورت ہے (ستر ہے) ''گھٹنا'' نام ہے پنڈلی اور ران کے ملنے کی جگہ کا، حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مرد کا ستر اس کی ناف سے گھٹنے تک ہے "عورة الرجل ما بين سرته الٰى ركبته " (۲)

---

(۱) الدر المختار: ٥/٦٨٧، دار الفكر، بيروت

(۲) مسند فردوس: باب الظاء، حديث: ٤١١٥

ایک مرد کا دوسرے مرد کے ناف سے لے کر گھٹنے تک دیکھنا حرام اور ناجائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! اپنی ران کو نہ کھولنا اور نہ کسی زندہ اور مردہ کی ران کو دیکھنا "لا تكشف فخذك ولا تنظر الي فخذ حي وميت"(۱)

نابالغ بچے کا ستر

۱- اگر بچہ چار سال سے کم ہو تو اس وقت اس کیلئے شرعی ستر نہیں۔

۲- جب چار سال سے زائد ہو تو قبل اور دبر اور اس کے آس پاس کا حصہ چھپانا پڑے گا یہ ستر دس سال تک ہے۔

۳- دس سال کے بعد بالغ مرد ہی کی طرح اس کا ستر ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: دس سال کے بچے کو ستر کا حکم دیا جائے گا، کیوں کہ اس کو نماز پڑھانے کا حکم دیا گیا ہے "وفي السراج: لا عورة للصغير جدا، ثم مادام لم يشته فقبل ودبر ثم تتغلظ إلى عشر سنين ثم كبالغ" (۲)

چھوٹے بچے کا کوئی ستر نہیں جب تک کہ حد اشتہاء کو نہ پہنچے، پھر قبل و دبر ہے، اس کے بعد دس سال تک اس میں شدت ہوتی رہتی ہے، دس سال کے بعد بالغ کی طرح ہے۔

اَمرد کا ستر

لڑکا اگر بالغ ہو بڑا ہو تو اس کے ستر کا حکم بالغ مرد کی طرح ہے، جب کہ وہ خوبصورت نہ ہو؛ لیکن اگر وہ خوبصورت ہو تو اس کا حکم لڑکی کی طرح ہے، اس کے سر سے پاؤں تک دیکھنا جائز نہیں ہے، اگر شہوت ہو تو دیکھنا ہرگز جائز نہیں، شامی میں ہے: لڑکا جب مردوں کے برابر ہو جائے اور اگر خوبصورت ہو تو اس کا حکم عورتوں کی طرح ہے، وہ سر سے پاؤں تک عورت ہے، شہوت سے اس کو دیکھنا حلال نہیں ہے، اگر شہوت نہ تو اس کے ساتھ

---

(۱) ابوداؤد: باب النهي عن التعري، حديث: ٤٠١٥

(۲) رد المحتار: ٥٣٩/٩

تنہا رہنا اور دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی وجہ سے اس کو نقاب ڈالنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے ”ولذا لم یؤمر بالنقاب“ (۱)

عورت کا ستر مرد سے

عورت کا ستر یہ ہے کہ عورت اپنا چہرہ، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدموں کے علاوہ باقی تمام بدن ہر وقت چھپائے رہے گی، یہ چھپانا واجب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں نماز میں کھلی رہ جائیں تو نماز ہو جائے گی، اس میں کوئی خلل نہ آئے گا، اس میں فقہاء نے قدموں کا بھی یہی حکم بتلایا ہے، اس کے علاوہ عورت کا سارا بدن ستر میں داخل ہے اس میں سے کوئی عضو نماز میں کھلا رہا تو نماز نہ ہوگی یہ مسئلہ تو ستر پوشی کا ہے۔

عورت کا ستر عورت سے:

ایک عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں ناف سے گھٹنوں تک ہے، قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ (۲)

اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجیے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مواقع کو ظاہر نہ کریں مگر جس (موقع زینت) میں سے (غالبا) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا

---

(۱) رد المحتار : ٦/٣٦٥

(۲) النور: ٣١

اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے حقیقی (علاتی یا اخیافی بھائیوں پر) یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر۔

عورت کا پردہ

یہ ہے کہ تمام بدن کے ساتھ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم بھی غیر محرم کے سامنے ظاہر نہ کرے، اس کا ظاہر کرنا ناجائز ہے۔ عورت کا پردہ یہ الگ مسئلہ ہے، اس کا مدار فتنہ کے اندیشہ پر ہے اور ظاہر ہے کہ عورت کا چہرہ اس کے بدن کا ممتاز حصہ ہے، اس کے غیر محرم کے سامنے کھولنے میں بڑا فتنہ ہے، اس لئے حضرات فقہاء نے غیر محرم مردوں کیلئے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں دی۔ (۱)

☆ عورت کے چہرے کے پردہ کے واجب ہونے کی ایک دلیل تو وہ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے "یدنین علیھن من جلابیبھن" (نیچے لٹکا لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں) اس آیت کریمہ میں گھر سے باہر نکلنے کے ضابطہ کی تعلیم ہے کہ جو (نکلنا) کسی سفر وغیرہ کی ضرورت کیلئے ہو اس وقت بے حجاب مت ہو، بلکہ اپنی چادر کا پلہ اپنے چہرہ پر لٹکا لیں تا کہ چہرہ کسی کو نظر نہ آئے۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: "اللہ عز وجل نے مومن عورتوں کو حکم کیا ہے کہ جب وہ گھر سے کسی ضرورت سے نکلیں تو اپنے چہروں کو اپنے سر کے اوپر سے چادروں سے ڈھانکیں رکھیں، اور صرف ایک آنکھ کو ظاہر کریں "ویبدین عینا واحدة" (۲)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اس آیت کریمہ "وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ" میں فرماتے ہیں: مواقع زینت یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں، فتنہ کا خوف نہ ہو تو ان کا اظہار کیا جا سکتا ہے، لیکن

---

(۱) مجالس حکیم الامت: ۱۲۹

(۲) الدر المنثور: ٦/٦٦٩

متاخرین علماء نے زمانے کے بگاڑ اور لوگوں کے احوال کی خرابی کی وجہ سے ان کے بھی ستر اور پردہ کا حکم کیا ہے۔ (۱)

عورت کے چہرہ کے پردہ کے ضروری ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے ”احرام الرجل في رأسه واحرام المرأة في وجهها“ یعنی مرد کا احرام اس کے سر میں اور عورت کا احرام اس کے چہرہ میں ہے، مطلب یہ ہے کہ: حج میں مردوں کو سر ڈھانکنا حرام ہے اور عورتوں کو چہرہ پر کپڑا ڈالنا ناجائز ہے، مگر اس سے یہ استنباط نہیں ہوتا کہ پردہ عورتوں کو نہ کرنا چاہئے بلکہ اس سے تو اور پردہ کا تاکد (ضروری ہونے) پر استدلال ہوتا ہے کہ عورت کو ساری عمر چہرہ ڈھانکنا ضروری ہے، صرف حج میں اس کو منہ کھولنا چاہئے۔ (۲)

لڑکی کتنی عمر سے پردہ کرے

فقہاءِ کرام نے دلائل و تجربات کی روشنی میں یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ لڑکی کو نو سال کی عمر کو حیض آسکتا ہے؛ اس لئے نو سال کی لڑکی پر پردہ فرض ہے، نو سال کی عمر میں لڑکی بالغ ہو سکتی ہے تو اس عمر میں قریب البلوغ بطریق اولیٰ ہو سکتی ہے اور قریب البلوغ پردہ کے حکم میں بالغہ کی طرح ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ: اس زمانے میں بچیوں کو غیر محارم رشتہ داروں سے سات سال کی عمر میں اور اَجانب سے سات سال سے بھی پہلے پردہ شروع کرا دینا چاہئے، یہ آج سے ۶۰-۷۰ سال پہلے کہی ہوئی بات ہے، آج کے پر فتن دور میں تو اس کی اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے؛ لہٰذا عادت ڈالنے کیلئے سات سال کی عمر سے پردہ کرا دینا بہتر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نو سال کی لڑکی اور دس سال کا لڑکا احکام حجاب کے مکلّف ہیں اگر وہ خود کوتاہی کریں تو ان کے سرپرستوں پر واجب ہے کہ وہ ان کو ان احکام پر عمل کروائیں۔ (۳)

---

(۱) فیض الباری: ۳۵۲/۱

(۲) احکام پردہ عقل و نقل کی روشنی میں: ۵۸-۵۹

(۳) پردہ: محمد اسحاق ملتانی: ۳۰۸، اریب پبلیکشنیز، دہلی

کافر عورتوں سے مردوں کی طرح پردہ

ایک عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں ناف سے گھٹنوں تک ہے:

البتہ کافرہ عورت، مشرکہ، کتابیہ، یہودیہ، نصرانیہ اور فاجرہ اس سے مستثنیٰ ہے، یعنی ان سے پردہ ضروری ہے؛ کیوں کہ ان کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ (۱)

نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے، یا اپنے باپ کے آگے یا اپنے خاوند کے باپ کے آگے، یا اپنے بیٹے کے آگے، یا اپنے خاوند کے بیٹے کے آگے، یا اپنے بھائی کے آگے، یا اپنے بھتیجوں کے آگے، یا اپنے بھانجوں کے آگے یا اپنی عورتوں کے آگے۔

مذکورہ آیت میں " او نسائهن " کا لفظ آیا ہے، یعنی اپنی عورتیں، جس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں کہ ان کے سامنے بھی وہ تمام اعضاء کھولنا جائز ہے جو اپنے باپ بیٹوں کے سامنے کھولے جاسکتے ہیں، چنانچہ مسلمان عورتوں کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ کافر مشرکہ، کتابیہ عورتوں سے بھی پردہ واجب ہے۔ (۲)

یہی تفسیر عنایہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اسی طرح عبد الغنی نابلسی نے "ہدایہ ابن العماد" کی شرح میں لکھا ہے کہ مسلمان عورت کیلئے یہودیہ، نصرانیہ، مشرکہ عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے اور فاجرہ عورت سے بھی؛ کیوں کہ وہ دوسرے مرد کے پاس نیک عورت کا وصف بیان کریں گی " لانها تصفها عند الرجال " (۳)

علامہ شامیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ذمیہ اجنبی مرد کی طرح ہے، مسلمان عورتوں کو دیکھنے

---

(۱) النور: ۳۱

(۲) معارف القرآن: ۱۱۶/۶

(۳) رد المحتار: ۳۷۱/۶، فصل فی النظر والمس

کے متعلق، مسلمان عورتوں کو وہ بالکل نہیں دیکھ سکتی، اس مسئلہ کو خوب یاد رکھو " فلا تنظر أصلا إلى مسلمة فليتنبه لذلك " (۱)

مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ ان کا حکم نامحرم مردوں کی طرح ہے، اس کے سامنے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کھول سکتی ہیں، باقی پورا وجود ڈھنکا رہنا چاہئے، انہوں نے علامہ شامیؒ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے۔ (۲)

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی بہن سے ہندوستان کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے ملنے کی خواہش کی تو انہوں نے ملاقات سے انکار کردیا کہ: باہر پھرنے والی عورتیں مردوں کے حکم میں ہوتی ہیں۔ (۳)

مفتی شفیع صاحبؒ اور صاحبِ روح المعانی کی رائے:

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ایسی روایات موجود ہیں کہ جن میں کافر عورتوں کا ازواجِ مطہرات کے پاس جانا ثابت ہے، اس لئے یہ مسئلہ مجتہدین کے یہاں مختلف فیہ ہے، بعض نے کافر عورتوں کو مثل غیر محرم کے قرار دیا ہے، بعض نے اس مسئلہ میں مسلمان اور کافر دونوں قسم کی عورتوں کا ایک ہی حکم رکھا ہے کہ ان سے پردہ نہیں ہے، امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ: اصل بات یہ ہے کہ لفظ " نسائهن " میں تو سبھی عورتیں مسلم اور کافر داخل ہیں اور سلف صالحین سے جو کافر عورتوں سے پردہ کرنے کی روایت منقول ہے وہ استحباب پر مبنی ہے، روح المعانی میں مفتی بغداد علامہ آلوسی نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے "هذا القول أرفق بالناس اليوم، فإنه لا يكاد يمكن احتجاب المسلمات عن المغيبات" یہی قول لوگوں کیلئے آج کل مناسب حال ہے؛ کیوں کہ اس زمانہ میں مسلمان عورتوں کا کافروں سے پردہ تقریباً ناممکن ہوگیا ہے۔ (۴)

---

(۱) شامی: ۲۰۷/٤، مطلب فی تمیز أهل الذمة فی الملبس

(۲) آپ کے مسائل اوران کا حل: ۶۵/۸، مطبوعہ پاکستان

(۳) اللباس المحمود: ۱۷۷

(۴) معارف القرآن: ١١٦/٦

☆ عورت کی آواز کا پردہ

عورت کی آواز کے عورت ہونے میں شبہ اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ عورت نہیں۔ (۱) لیکن عوارض کی وجہ سے بعض جائز امور کا ناجائز ہو جانا فقہ میں معروف و مشہور ہے، اس لئے فتنہ کی وجہ سے عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔

بعض فقہاءؒ نے عورت کی آواز کو عورت (ستر) کہا ہے گو بدن مستور (پردہ) ہی میں ہو؛ کیونکہ گفتگو اور کلام سے بھی عشق ہو جاتا ہے اور آواز سے بھی میلان ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے "المرأة عورة" کیونکہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے بہکانے کے لیے موقع تلاش کرتا رہتا ہے۔ (۲)

اس روایت میں تو عورت کو مطلقاً اس کے سارے بدن اور آواز سمیت پردہ اور حجاب کی چیز کہا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات سے بہتر کوئی بات نہیں جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کیلئے ایک حصہ زنا کا لکھ دیا ہے جو اس سے یقیناً ہو کر رہے گا چنانچہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے "وزنا اللسان المنطق" اور نفس خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (۳)

اس روایت سے پتہ چلا کہ آواز کا بھی پردہ ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) امداد الفتاویٰ: ۱۹۷

(۲) ترمذی: حدیث: ۱۱۷۳

(۳) بخاری: باب زنا الجوارح دون الفرج، حدیث: ۵۸۸۹

فرمایا کہ: مردوں کیلئے تسبیح اور عورتوں کیلئے تالی بجانا ہے "التسبیح للرجال، والتصفیق للنساء" (۱)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن العربی المالکی فرماتے ہیں کہ: "یعنی أن کلامھن عورة فلا یظھر نه" یعنی ان کا کلام عورت اور پردہ ہے وہ اس کا اظہار نہ کریں۔ (۲)

یعنی عورت کی آواز کے پردے ہی کی وجہ سے اس کیلئے نماز میں متنبہ کرنے کیلئے مرد کے مقابل جس کو تسبیح کا سہارا لینے کو کہا گیا ہے، عورت اس کی جگہ تالی بجائے گی۔

اس کے علاوہ عورت کیلئے جمعہ، عیدین اور استسقاء وغیرہ کے موقع سے خطبہ دینے کو جائز اور مشروع نہیں کہا گیا اور نہ ہی وہ اذان دے سکتی ہے اور نہ ہی ایسی جماعت کی نماز کی امامت کر سکتی ہے جس میں مرد و عورتیں دونوں شامل ہوں اور نہ ہی تلبیہ میں اس کیلئے آواز کو بلند کرنے کو کہا گیا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "عورت نہ ہی صفا و مروہ پر چڑھے گی اور نہ ہی تلبیہ میں اپنی آواز بلند کرے گی ولا ترفع صوتھا بالتلبية (۳)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ: وأجمعوا أن المرأة لا ترفع صوتھا بالتلبية، وإنما علیھا أن تسمع نفسھا" (۴)

اس بات پر اجماع ہے عورت تلبیہ میں اپنی آواز بلند نہیں کرے گی، بلکہ خود اپنے آپ کو سنائے گی۔

عورت کی آواز کے پردہ ہونے کی دلیل یہ بھی ہے "ولا یضربن بأرجلھن" یعنی عورتوں کو حکم ہے کہ اپنے پیروں کو زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ اس سے زیور وغیرہ کی آواز نکلے

---

(۱) ترمذی: إن التسبیح للرجال والتصفیق للنساء، حدیث: ۳۶۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) عارضة الأحوذی: ٤٦١٩١

(۳) السنن الکبری للبیھقی، کتاب الحج، باب المرأة لا ترفع صوتھا بالتلبية، یہ صحیح ہے، اس کی سند متصل اور اس کے رجال ثقہ ہیں، تذکرة الحفاظ: ٨٢٨/٣

(۴) عمدة القاری شرح البخاری: ١٧١/٩

اور غیر محرموں تک پہنچے اور ظاہر ہے کہ زیور عورت کا کوئی جزء نہیں بلکہ ایک منفصل (علاحدہ) چیز ہے اور اس کی آواز سے اتنا خطرہ اور فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ بھی نہیں جتنا چہرہ کھولنے (یا آواز) سے ہوتا ہے تو جب ایک منفصل (علاحدہ) چیز کی آواز سے پیدا ہونے والے فتنہ کو اس نص قرآنی (آیت) میں روکا گیا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عورت کی زینت کے ممتاز حصہ یعنی چہرہ کھولنے (اور آواز) سننے کی اجازت دے دی جائے۔

الغرض اس آیت سے یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ جب زیور کی آواز کے پوشیدہ رکھنے کا ایسا اہتمام ہے تو خود صاحب زیور (یعنی عورت) کی آواز جو کہ اکثر فتنہ اور میلان کا ذریعہ ہوجاتی ہے اس کا اخفاء (پوشیدہ رکھنا) کیوں قابل اہتمام نہ ہوگا، چنانچہ دوسری جگہ ارشادِ باری عزوجل ہے "فلا تخضعن بالقول" اپنی آوازوں میں لچک پیدا نہ کریں، جب آواز چھپانے کی چیز ہے تو چہرہ جو کہ اصل فتنہ کی جگہ اس کے چھپانے کا اہتمام کس قدر کرنا چاہئے۔

☆ دل ودماغ کا بھی پردہ ضروری ہے:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اللسان یزنی وزناہ النطق والقلب یتمنی ویشتھی" یعنی زبان زنا کرتی ہے اور زبان کا زنا نامحرم سے بات کرنا ہے اور قلب تمنا کرتا ہے، خواہش کرتا ہے اور قلب کا زنا سوچنا ہے۔

اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ: اجنبی عورت (یا حسین لڑکے) کے تذکرہ اور تصور سے نفس کو لذت دینا جائز نہیں اور اجنبی عورت کے خیال و تصورات سے لذت لینا حرام ہے حتی کہ اگر اپنی بیوی سے صحبت کرے اور اجنبی عورت کا تصور کرے تو وہ بھی حرام ہے۔

الغرض نامحرم کا تصور کرنا اور تصور سے لذت لینا یہ بھی اپنے اختیار میں ہے جس کا چھوڑنا واجب ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس حالت میں محبوب سے دور رہنے سے اکثر یہ مرض خفیف ہوجاتا ہے۔

اسی طرح کسی عورت سے نکاح نہیں ہوا مگر یہ فرض کر کے کہ اس سے نکاح ہو جائے تو اس طرح تمتع حاصل کروں گا اس طرح سوچ کر لذت حاصل کرنا بھی حرام ہے۔

اسی طرح اگر کسی عورت سے نکاح ہو چکا تھا مگر طلاق وغیرہ کی وجہ سے نکاح زائل ہو گیا اور وہ زندہ ہے.....اس کے تصور سے لذت حاصل کرنا کہ جب یہ نکاح میں تھی تو اس سے اس طرح تمتع کیا کرتا تھا یہ بھی حرام ہے۔(۱)

☆ پازیب کی جھنکار کی آواز کا پردہ :

ایسا زیور پہننا ناجائز تو ہے ہی جس میں گھنگرو ہو "مع کل جَرَسٍ شیطان" لیکن قرآن ایسے چلنے سے بھی منع کرتا ہے، جس سے پیر کا زیور ایک دوسرے سے ٹکرا کر کوئی آواز پیدا ہو اور وہ نامحرم کے کان میں پڑے۔

☆ جسم سے مہکنے والی خوشبو کا پردہ :

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے " أیما إمراة استعطرت فمرّت بالمجلس وھی زانیة "جو عورت خوشبو لگائے اور نامحرموں کی مجلس سے گذرے تو وہ زانیہ ہے۔

دوسری روایت میں ہے: وہ چاہے کہ جسم سے مہکنے والی خوشبو نامحرم کی ناک میں جائے وہ عورت زانیہ ہے۔(۲)

جس زمانے میں مسجد میں جانا درست تھا اس زمانے میں بھی اس بات کی اجازت ہرگز نہ تھی کہ وہ مسجد میں خوشبو لگا کر آئیں "ما من امرأة تطیبت للمسجد فلا یقبل اللہ صلاة حتی تغتسل من اغتسالھا من الجنابة "(۳)

جو عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر مسجد کے ارادے سے نکلے اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو

---

(۱) احکام پردہ : ۹۹-۱۰۰

(۲) ترمذی: کراھیة خروج المرأة مستطعرة، حدیث:۲۷۸۶

(۳) مسند، مسند أبی ھریرة، حدیث:۷۹۵۸

قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ اپنے گھر واپس جا کر اسے اس طرح دھوئے جیسے ناپاکی کی حالت میں غسل کیا جاتا ہے۔

☆ آج کل کے بھڑکیلے اور شوخ برقعوں سے پردہ نہیں ہوتا:

اللہ تعالیٰ نے پردہ کے احکام بیان فرمانے کا کس قدر اہتمام کیا ہے، فرماتے ہیں: وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ" (کہ عورتیں اپنی زینت کو بھی ظاہر نہ کریں) اور قرآن میں زینت سے مراد لباس ہے، چنانچہ آیت "خُذُوْ زِیْنَتَكُمْ" (کہ زینت کو اختیار کرو) اس میں تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد لباس ہی ہے۔

اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت "وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ" کی تفسیر یہی کی ہے کہ عورتیں خوب بن ٹھن کر بھڑکدار برقعہ اوڑھ کر باہر نکلتی ہیں زینت کو تو برقع چھپالیتا ہے مگر (خود) برقعہ میں ایسی چین بیل لگی ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر دوسرے کا دل و دماغ بے چین ہو جائے، واقعی وہ برقعہ ایسا ہوتا ہے جسے دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی حور پری ہوگی، گو منہ کھولنے کے بعد چڑیل کی ماں نکلے، تو شریعت نے ایسے برقعے اور زینت کے لباس کا ظاہر کرنا حرام کہا ہے، پھر بھلا چہرہ اور گلا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے جو کہ حسن و جمال کا مرکز ہے۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو تم مسجدوں سے نہ روکو؛ لیکن عورتیں میلے کچیلے کپڑوں میں (ضرورت کے وقت) باہر نکلیں "وهن تفلات" (۲)

جب مسجد کو جاتے وقت عمدہ کپڑے پہننا منع ہے تو بازاروں یا قرابت داروں میں چمک دمک والے برقعے کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟۔

---

(۱) احکام پردہ: از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی: ۱۰۲-۱۰۳

(۲) ابوداؤد: فی خروج النساء الی المسجد، حدیث: ٥٦٥

☆ عورت کا مرد سے پردہ تین طرح کا ہے :

۱- عورت کا اپنے شوہر سے پردہ

عورت کا اپنے شوہر سے پردہ یہ ہے کہ میاں بیوی کیلئے آپس میں ان کے بدن کے کسی حصہ کا پردہ نہیں؛ لیکن تنہائی میں بھی حیاء کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

عالمگیری اور شامی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی رو سے لکھا ہے کہ مخصوص مقامات سے نظریں محفوظ رکھنا اولیٰ اور افضل ہے۔(۱)

۲- عورت کا اپنے محرم رشتہ داروں سے پردہ

عورت کا اپنے محرم رشتہ دار مثلاً باپ، بھائی وغیرہ عورت کے مواضع زینت دیکھ سکتے ہیں، عورت کے مواضع زینت یہ ہیں: سر، بال، گردن، گلا، سینہ، کان، بازو، ہتھیلی، گٹہ، کلائی، پنڈلی، پاؤں، چہرہ ان اعضاء کو دیکھنا محرم کیلئے حرام نہیں ہے، کیونکہ ان سے پردہ نہیں ہے، اس لئے کہ ان کی گھروں میں آمد و رفت ہر دم رہتی ہے، اگر ان سے مذکورہ اعضاء کو چھپانے کا حکم دیا جائے تو بہت حرج ہوگا۔(۲)

البتہ اس میں یہ شرط ہے کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔

البتہ ان محرم رشتہ داروں کے سامنے اپنی پیٹھ، اور پیٹ، اسی طرح ناف سے گھٹنوں تک دکھانا عورت کیلئے حلال نہیں ہے۔(۳)

مذکورہ بالا احکام پر اس محرم رشتہ دار کے ساتھ بھی ہیں جو رضاعت اور مصاہرت (دامادی رشتہ) کی وجہ سے محرم ہیں، مثلاً: رضاعی بھائی، رضاعی باپ، رضاعی بیٹا، اور داماد خسر؛ لیکن آج کل فتنوں اور شہوتوں کا دور ہے؛ اس لئے احتیاط ہی اولیٰ اور افضل ہے۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية : ٥/٤٠٤

(۲) شامي: ٥٢٨/٩

(۳) شامي: ٥٢٨/٩، زکریا بک ڈپو

۳۔ عورت کا نامحرم سے پردہ

عورت کا نامحرم سے پردہ وہی ہے جو پردے کے تین درجہ کے تحت پہلا اور دوسرا درجہ بیان کیا گیا ہے۔

☆ عورتوں کو نامحرم رشتہ داروں (مثلاً دیور، جیٹھ وغیرہ) سے گہرا پردہ کرنا چاہیے، ہاں جس گھر میں بہت سے آدمی رہتے ہوں جن میں بعض نامحرم ہوں اور بعضے محرم اور گھر تنگ ہو اور پردہ کرنے کی حالت میں گذر مشکل ہو، ایسی حالت میں نامحرم رشتہ داروں سے گہرا پردہ کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی ایک گھر میں اس طرح نباہ ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں نامحرموں کے سامنے بقدرِ ضرورت چہرہ کا کھولنا جائز مگر باقی تمام بدن سر سے پیر تک لپٹا ہوا ہونا چاہیے، کفوں کے چاک سے ہاتھ نہ جھلکیں، گریبان کھلا ہوا نہ رہے، بٹن اچھی طرح لگے ہوئے ہوں تاکہ گلا اور سینہ نہ جھلکے، دوپٹہ سے تمام سر لپٹا ہوا ہو کہ ایک بال بھی باہر نہ رہے، اس طرح بدن کو چھپا کر ان کے سامنے منہ کھول کر گھر کا کام کاج کرسکتی ہیں۔

جس کو نامحرم کے سامنے کسی ضرورت سے سامنے آنا پڑتا ہو اس کا چہرہ اور دونوں ہاتھ گٹے تک اور دونوں پاؤں ٹخنے کے نیچے تک کھولنا جائز ہے، اس صورت میں اگر بدنگاہی سے کوئی دیکھے گا وہ گنہ گار ہوگا۔

محارم وغیر محارم کی فہرست

جن مردوں سے پردہ نہیں	جن رشتہ داروں سے پردہ ہے
۱۔ شوہر	۱۔ چچازاد
۲۔ باپ	۲۔ ماموں زاد
۳۔ سوتیلا باپ	۳۔ خالہ زاد
۴۔ رضاعی باپ (جس عورت کا دودھ اس کے شوہر نے پیا ہو)۔	۴۔ پھوپھی زاد
	۵۔ بہنوئی

جن مردوں سے پردہ نہیں	جن رشتہ داروں سے پردہ ہے
۵- دادا، رضاعی دادا	۶- نندوئی
۶- پردادا، سوتیلا پردادا، (دادا کا سوتیلا باپ، چچا، تایا، ماموں)	۷- دیور ۸- جیٹھ
۷- چچا، سوتیلا چچا، رضاعی چچا	۹- خالو
۸- حقیقی بھائی، رضاعی بھائی	۱۰- پھوپھا
۹- حقیقی بھتیجا، سوتیلا بھتیجا	
۱۰- بیٹا، سوتیلا بیٹا، رضاعی بیٹا	
۱۱- بھانجا	
۱۲- پوتا	
۱۳- پرپوتا	
۱۴- نواسہ، پرنواسہ	
۱۵- نانا	
۱۶- ماموں	
۱۷- سسر، دادا سسر، نانا سسر	
۱۸- داماد، پوتا داماد، پرپوتا داماد، نواسا داماد	

مرد احباب کیلئے ان عورتوں سے پردہ کرنا ضروری ہے

۱- حقیقی بھائی کی بیوی (بھاوج) خواہ بڑی ہو یا چھوٹی، بعض جگہ بڑے بھائی کی بیوی کو ماں کے برابر کہتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے؛ بلکہ پردہ ضروری ہے، اسی طرح دیگر رشتے کے بھائیوں کی بیویاں (ان سے بھی پردہ ضروری ہے)۔

۲- حقیقی تایا، چچا، پھوپھی خالہ اور ماموں کی لڑکیاں، اسی طرح دیگر رشتے کی لڑکیاں۔

۳- حقیقی تائی، چچی اور ممانی، اسی طرح دیگر رشتہ کی عورتیں۔

۴- دیگر رشتے اپنے والد اور والدہ کے حقیقی، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی لڑکیاں، اور اسی طرح کی لڑکیاں۔

۵- اپنے حقیقی بھائی اور بہنوئی کی بہویں، اسی طرح دیگر رشتہ کی بہویں۔

۶- بیوی کی حقیقی بہنیں، اسی طرح بیوی کی دیگر رشتے کی بہنیں۔

عورتوں کیلئے ان مردوں سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

۱- اپنی حقیقی بہن کے شوہر (بہنوئی) اسی طرح کے دیگر رشتے کی بہنوں کے شوہر۔

۲- حقیقی تایا، چچا، پھوپھی، خالہ اور ماموں کے لڑکے، اسی طرح دیگر رشتے کے لڑکے۔

۳- حقیقی پھوپھا اور خالو، اسی طرح کے رشتے کے پھوپھا اور خالو۔

۴- اپنے والد اور والدہ کے حقیقی تایا، چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کے لڑکے، اسی طرح دیگر رشتے کے لڑکے۔

۵- اپنے حقیقی بھائی اور بہنوں کے داماد، اسی طرح دیگر رشتے کے بہن بھائی کے داماد۔

۶- اپنے شوہر کے حقیقی بھائی (جیٹھ، دیور) خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اسی طرح دیگر رشتے کے مرد۔

۷- اپنے شوہر کی بہن کے شوہر (نندوئی) اسی طرح دیگر رشتے کے مرد۔

مختصر یہ کہ جن سے زندگی بھر میں کسی وقت نکاح ہوسکتا ہے، شریعت میں ان سے پردہ ہے، عورت جب بالکل بوڑھی ہو تو پردہ میں تخفیف ہو جاتی ہے، بشرطیکہ خوف شہوت نہ ہو، لیکن جب قابل شہوت ہو تو پردہ ضروری ہے، مرد کے لئے ہر عمر میں پردہ ضروری ہے، گو کہ وہ نکاح پر قدرت نہ رکھتا ہو، بوڑھے مرد سے جوان عورتوں کا ہم کلام ہونا بلا ضرورت، بلا پردہ جائز نہیں ہے، جب مرد یا عورت اس قدر ضعیف و کمزور ہو جائیں کہ شہوت کا خوف

باقی نہ رہے تو ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں؛ لیکن بوڑھی عورت کے بال دیکھنا اس وقت بھی حرام ہے۔ (مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں جائزہ لیں تو اندازاً مرد کیلئے نامحرم عورتیں تقریباً ۲۰۰ اور اسی طرح عورت کیلئے نامحرم مرد ۲۰۰ ہوں گے، جن سے زندگی میں ہزاروں لاکھوں مرتبہ بے پردگی ہوتی ہے۔ (۱)

والدۂ محترمہ حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ لڑکیوں کے رہن سہن اور ان کے پردہ کے تعلق سے احتیاط کو بیان کرتی ہوئی فرماتی ہیں:

لڑکیوں کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر میں جب تک رہیں ماں باپ کی خدمت کرتی رہیں کہ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے، کھانا ان کی خواہش کے موافق اور وقت پر پیش کریں، ان کے کپڑے وغیرہ ٹھیک رکھیں اگر بدلنے کی ضرورت ہو تو فوراً لادیں، پانی، صابن، تولیہ، یہ سب چیزیں مہیا کریں، ان کی جگہ اور بستر مہیا کریں، ان سے کبھی تنگ دل نہ ہوں، کبھی خفا ہوں تو ان سے آنکھیں چار نہ کرو، اپنی دست کاری سے پیدا کر کے ان کی خواہش پوری کرتی ہو...... پہلے عام قاعدہ یہ تھا کہ بیویاں بچیوں کو بلا کر اپنے پاس بٹھاتیں، ان سے مزہ مزہ کی باتیں کرتیں، نماز کی سورتیں یاد کراتیں اور رفتہ رفتہ احکام شریعت وفرائض وواجبات پر عمل کراتی تھیں، جب اس کی طرف سے اطمینان ہو جاتا تو ان کو حسنِ معاشرت کی تعلیم دیتیں، ان کی معاشرت پر ہر وقت نظر رہتی، جس کی وجہ سے ان میں کسی قسم کی آزادی، خود غرضی، بے حیائی اور بداندیشی نہیں پائی جاتی تھی جیسے اس وقت کی لڑکیوں میں عام ہے...... ان کو بچپن ہی سے شرم وحیا کے راستہ پر لگاتی تھیں، ان کی تعلیم وتربیت کا ان پر وہ اثر پڑتا تھا کہ پھر وہ کسی دوسرے کا اثر نہ لے سکتی تھی، ان کی نشست وبرخواست کے لئے ایسی جگہ تجویز کی جاتی تھی کہ جس کے باعث وہ تمام خرابیوں سے محفوظ رہتی تھیں، کبھی بے پردگی نہ ہو سکتی تھی...... حیاء وشرم کو جوہر بنا کر دکھاتیں، بے حیائی کا ایسا اندیشہ پیدا کرتی تھیں جس سے وہ

---

(۱) ارشاداتِ ابرار: ۱۱۸، مرتب: سید علیم اللہ غوری صاحب، خلیفہ ومجاز بیعت حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کانپ اٹھتی تھیں، ہر ایک سے پردہ کرنا اور پردہ کرنے کا محل بتاتیں، ان باتوں کا یہ اثر ہوتا کہ ماموں اور چچا سے بھی وہ بے تکلف نہ ہوتیں...... سوائے چچا، ماموں، باپ اور حقیقی بھائی کے اپنے ہاتھ کی تحریر کسی اور کو نہ دکھاتیں...... سوائے قرآن وحدیث اور دینیات کے کسی کتاب پر متوجہ نہ ہونے دیتیں، صاف کہہ دیتیں کہ ان چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں میں وقت صرف کرنا بیکار اور ہیچ ہے، نماز، روزہ کی تاکید رکھتیں، وظیفہ اور دعاؤں پر مائل کراتیں...... اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ خود والدین اولاد کے ناز بردار ہوگئے ہیں...... اب لڑکیاں نہایت آزاد اور بے خوف ہوتی جارہی ہیں، جو چاہتی کر گذرتی ہیں، نہ والدین کا ڈر، نہ اللہ کا خوف، نہ دنیا کی شرم، نہ عزت کا پاس، نہ غیرت کا لحاظ، یہ بھی نہیں جانتیں کہ غیرت اور شرم کہاں پر کی جاتی ہے، نہ یہ معلوم کہ اس کی قدر ومنزلت کیا ہے، مروت ومحبت کی راہ بھول گئیں، شرم وحیاء کے راستہ سے بہک گئیں، اب گویا اتنا خیال نہیں ہے کہ کس راستہ سے ہم آئے ہیں اور کہاں جارہے ہیں، نیک صحبتوں سے واقفیت نہیں، تفریح کی شائق، سیر وسیاحت پر قربان، ناولوں پر صدقہ، قصہ کہانیوں پر نثار، قرآن وحدیث سے بیزار، اوامر سے غافل، نواہی پر مائل، دروغ گو، عیب جو، دوستوں کی دشمن، دشمنوں کی دوست، تیز مزاج، متلون، جس کی جو وضع دیکھی پسند کرلی، جو راہ چاہی اختیار کرلی، نہ پابندئ شریعت، نہ پاس ادب، نہ اسلامی حمیت، نہ آئندہ کی خبر، نہ انجام پر نظر، برے بھلے کی پہچان نہیں، اپنے پرائے کی تمیز نہیں، برا بھلا، عزت وذلت، شریف ورذیل، آقا وغلام، امیر وفقیر، بہار وخزاں، رنج وراحت، شرم وبے حیائی، علم وجہل، اندھیرا اجالا، بصارت وبے نگاہی، عذاب وثواب، گویا سب سے واسطہ توڑ آئیں۔ (۱)

پھر لڑکیوں کو مخاطب کرکے فرماتی ہیں کہ: ''اپنے رشتہ کے بھائیوں سے اس طرح پیش آؤ کہ گویا پردہ ہی کرتی ہو، کبھی ان سے آنکھ ملا کے مخاطب نہ ہو، کوئی اپنا کام اپنا بنایا ہوا دوسروں کو نہ دکھاؤ، ہنسی مذاق نہ کرو، اگر وہ چھیڑیں تو تم مخاطب نہ ہو؛ بلکہ تمہیں ناگوار ہو،

---

(۱) حسن معاشرت: ۲۳-۲۴-۲۵

ایسے برتاؤ رکھو، جس سے بظاہر غیرت پائی جائے، اس کا بھی خیال رکھو کہ کوئی تمہارا نام لے کر زور سے نہ پکارے کہ باہر والے تمہارے نام سے واقف ہوجائیں تمہیں خبر بھی نہ ہو...... اپنے کپڑے، اپنی وضع قطع وہ رکھو جو تمہیں زیب دیتی ہو، بوڑھی بن کر نہ رہو، کسی کی بات میں دخل نہ دو، آنکھیں چار کرکے باتیں نہ بناؤ، پان تمباکو کو کھا کر منہ لال نہ کرو، یہ لڑکیوں کو نازیبا ہے، شرم کے ساتھ اٹھو بیٹھو، سر نہ کھلے، ادھر ادھر دیکھتی نہ چلو، کھلی جگہ نہ بیٹھو، تاک جھانک سے باز آؤ، بدنامی سے بچتی رہو، نہ تو بد ہو نہ بدنام ہو............

بچیو! ذرا غور کرو کہ کس قدر فرق آگیا ہے، صرف اندازِ خیال بدل جانے سے تمام باتیں بدل گئیں، نہ تو وہ رونق ہے، نہ وہ دولت نہ وہ برکت، نہ کسی چیز میں لذت نہ باتوں میں لطف، نہ کپڑے میں زینت، نہ بچوں میں بچپن، نہ بوڑھوں میں دانائی غرض کہ اب عالم ہی نیا ہے اور دنیا ہی دوسری ہے، بجائے شرم وحیا کے اب بے حیائی ہے، گھروں میں گندے اور عریاں لٹریچر کی ریل پیل ہے، جن سے بداخلاقی اور بے حیائی کی وبا پھوٹ رہی ہے اور بجائے سنت کے دنیاداری ہے،، بجائے اطمینان وخوشی کے فکر وپریشانی ہے، جو آسودہ حال برسوں مہمانوں کو کھلاتے تھے، وہ اچھے سے اچھے گھر آج اپنے لئے پریشان ہیں، نہ وہ دن ہیں نہ وہ راتیں، نہ وہ صورتیں ہیں، نہ وہ سیرتیں، نہ وہ دل ہیں وہ ہمتیں، نہ وہ دلچسپی کے سامان نہ دل لگی، اگر کبھی دیکھیے بھی تو خواب پریشان، غرض کہ ہر جگہ سے اف اُف کی صدا آرہی ہے، یہ سب بدخیالی کا ثمرہ ہے جیسی روح ویسے فرشتے۔ (۱)

اسلاف کے یہاں عورتوں میں پردہ کا کس قدر اہتمام کیا جاتا تھا اس کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جاتا ہے، مفتی ابوالسعود دباقوی امیر شریعت بنگلور کے گھرانے میں پردہ کے اہتمام کے تعلق سے یہ واقعات لکھے ہیں: کہتے ہیں کہ :

گھر میں پردہ کا اہتمام کچھ زیادہ ہی...... کسی کو برا نہ لگے.......... مثلاً ایک بھابی صاحبہ حج کر چکیں، اس کے بعد بھائی صاحب نے ان کو عمرے پر لے جانا چاہا تو بھابی صاحبہ نے

---

(۱) حسن معاشرت: ۲۵-۲۶-۲۷

فرمایا: ''نہیں، وہاں بسوں میں چڑھتے ہوئے منتظمین مسافروں کے نام لے کر پکارتے ہیں، میرا نام بھی پکاریں گے، ایمگریشن میں نقاب اٹھانے کو کہیں گے، میرا نام غیروں کی زبان پر کیوں؟ مجھے اچھا نہیں لگتا''

دیوروں اور جیٹھوں سے پردہ تھا، اس لئے ہم بھائی گھر میں داخل ہوتے تو گھنٹی بجاتے، اپنا اپنا الگ الگ انداز تھا، جس سے عورتیں سمجھ جاتیں کہ دروازے پر کون ہے، ان کی اہلیہ آتیں اور دروازہ کھولتیں، یا بچے کھولتے، بڑے حضرات جب اپنے مخصوص انداز میں گھنٹی بجاتے تو سارا گھر دروازے کی جانب دوڑ جاتا۔ (۱)

بے پردگی کے نقصانات

مجموعی احادیث اور شریعت کے نصوص اور تاریخی واقعات کو پیش نظر رکھ کر یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے بے پردگی دنیا و آخرت دونوں جہاں میں نقصانات کا باعث ہوتی ہے، بے پردگی کے نتیجے میں آج عورت بھرے بازار ایک بے قیمت اور حقیر سی چیز ہو کر رہ گئی ہے، جو چاہے اس سے نظر لڑائے اور جو چاہے اس کا استحصال کرے۔

۱- بے پردگی کے عام ہونے کی وجہ سے شادی اور نکاح کا رواج کم ہوتا جارہا ہے، گناہوں کا شیوع عام ہوگیا ہے، لوگوں میں شہوانی جذبات عام ہوگئے ہیں۔

۲- غیرت کا مادہ ناپید ہوگیا ہے، حیاء اور شرمندگی کی صفت ختم ہوتی جارہی ہے۔

۳- جرائم میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے۔

۴- مردوں کے اخلاق میں خصوصا نوجوانوں میں اخلاق بگاڑ عام ہوگیا ہے، خصوصًا قریب البلوغ نوجوان یہ گناہوں کے دلدل میں پھنسے جارہے ہیں۔

۵- خاندانی تعلقات ٹوٹ رہے ہیں، افرادِ خاندان کے درمیان اعتماد اٹھتا چلا جارہا ہے اور طلاق کی کثرت ہوگئی ہے۔

---

(۱) تذکار بڑے حضرت: ۲۲۵، دارالعلوم سبیل الرشاد، بنگلور

۶- عورتوں کی تجارت عام ہوگئی ہے، اس کو کاروبار کیلئے اشتہاری ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے، عورت کے استعمال سے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

۷- عورت خود اپنے ساتھ برا سلوک کرنے پر اتر گئی ہے، اپنی بدنیتی اور بدباطنی کا اعلان اور اظہار کرتی پھر رہی ہے، جس سے وہ اشرار اور بدباطن نوجوانوں کا لقمہ تر بنتی جارہی ہیں۔

۸- بے پردگی کے نتیجے میں جو جنسی جرائم پیش آرہے ہیں وہ مختلف امراض اور بیماریوں کا باعث بن رہے ہیں، ایڈز وغیرہ کی بیماریاں اس کے نتیجے میں در آرہی ہیں، چونکہ حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جس قوم میں فحاشی اعلانیہ ہونے لگے تو اس میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں نہ تھیں" والأوجاع التي لم تكن مضت في أسلافهم الذين مضوا " (۱)

۹- بے پردگی کے نتیجے میں بدنظری اور بدنگاہی کا گناہ آسان ہوگیا ہے، جو کہ زنا اور بدکاری کا اصل پیش خیمہ ہے، اور آنکھوں کا زنا خود بدنظری ہی ہے "العينان تزنيان وزناهما النظر " آنکھوں کا زنا بدنگاہی ہے، اور نگاہیں نیچی رکھنے کا ربانی حکم پر عمل درآمد مشکل تر ہوگیا ہے۔ (۲)

۱۰- اس بے پردگی اور اس سے ہونے والے گناہوں کے نتیجے میں جو عذاباتِ خداوندی اور عقابِ الٰہی ہماری طرف متوجہ ہورہے ہیں یہ ایٹم بم سے بھی بھیانک ثابت ہورہے ہیں جس کو ختم کرنے کیلئے دنیا ایڑی چوٹی کا زور لگارہی ہے، جیسے زلزلے، آتش فشاں، طوفان وباد وباراں وغیرہ، ارشاد باری عزوجل ہے "وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ

---

(۱) ابن ماجه: حديث: ٤٠١٩

(۲) مسند احمد، مسند ابي هريرة، حديث: ٢٤٦٣

نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيْرًا " (۱)

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر (جب) وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے پھر اس بستی کو تباہ اور غارت کر ڈال دیتے ہیں۔

حیاء اور عفت کے واقعات

حیاء بھی جزوِ ایمان ہے اور عورت کیلئے تو اس کا سب سے زیادہ قیمتی زیور ہے، جس سے آراستہ و پیراستہ ہونا اس کے انوثیت اور عورت پن کا لازمہ اور خاصہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا: اے میرے چچازاد بھائی جب آپ کے ساتھی (حضرت جبرئیل علیہ السلام) آئیں تو آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: وہ آئیں تو مجھے بتلا دینا، رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرئیل آچکے ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ میری داہنی ران پر بیٹھ جائیں، آپ ﷺ بیٹھ گئے، حضرت خدیجہ نے عرض کیا: کیا وہ اب نظر آرہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ میری بائیں ران پر بیٹھ جائیں، آپ ﷺ بیٹھ گئے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیا وہ اب نظر آرہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا: ہاں!، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر سے اوڑھنی ہٹالیں اور سر کھول دیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیا اب وہ نظر آرہے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: آپ خوش خبری سن لیں کہ یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں ہوسکتا۔ (۲)

---

(۱) الإسراء: ۱۶ (۲) سیرۃ ابن ہشام: ۲۳۹/۱۴

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی ایک باندی آئی، کہنے لگی: ام المؤمنین! میں نے بیت اللہ کا سات دفعہ طواف کیا اور رکن یمانی کو دو مرتبہ چھوا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "لا اجرك اللّٰہ لا اجرك اللّٰہ" تمہیں اس کا اجر اللہ عزوجل ہرگز نہ دے، تمہیں اس کا اجر اللہ عزوجل ہرگز نہ دے، تم مردوں کے ساتھ دھکم پیل کر رہی تھیں، تم صرف تکبیر کہہ کر گذر کیوں نہ گئیں؟(۱)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم کو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ عید کے دن حیض والی عورتوں اور پردہ میں بیٹھنے والیوں کو بھی (عیدگاہ لے جائیں)۔(۲)

اس روایت میں "ذوات الخدور" (جس کے معنی پردہ میں بیٹھنے والیاں ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے دور میں بے پردگی عام نہ تھی، عورتیں حیاء دار اور عفیف تھیں۔

حضرت ابو السائب ابو سعید خدری ؓ سے ایک نوجوان (صحابی) کے قصہ میں جس کی شادی کو کچھ دن گذرے تھے، روایت کرتے ہیں کہ: (وہ نوجوان حضور ﷺ) سے اجازت لے کر اپنے گھر گیا) تو اس کی بیوی دروازہ پر کواڑوں کے بیچ کھڑی ہوئی تھی، نوجوان نے اپنا نیزہ اس کی طرف سیدھا کیا، تاکہ اس پر حملہ کرے اور جوش غیرت سے بے تاب ہو گیا "فأهوى إليها بالرمح ليطعنها وأصابته غيرة" (۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے ایک خط دینے کو حضور ﷺ کی طرف ہاتھ بڑھایا "مدت يدها الى النبي صلى الله عليه وسلم" (۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عورتیں حضور ﷺ سے بھی گہرے درجہ کا پردہ کیا کرتی تھیں۔

---

(۱) مسند شافعی: ومن كتاب المناسك، حديث: ۵۹۵

(۲) بخاری: باب شهود الحائض العيدين، حديث: ۳۱۸

(۳) مسلم: باب قتل الحيات وغيرها، حديث: ۲۲۳۶

(۴) نسائی: الخضاب للنساء، حديث: ۵۰۸۹

امام محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اہلیہ محترمہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ سے پوچھا گیا کہ: تم اپنی دیگر بہنوں کی طرح حج اور عمرہ کیوں نہیں کرتیں تو انہوں نے کہا: میں نے حج اور عمرہ کرلیا ہے، اللہ عزوجل نے مجھے اپنے گھر میں ہی رہنے کو کہا ہے، اللہ کی قسم! میں اپنے گھر سے موت تک نہ نکلوں گی، اللہ کی قسم! وہ اپنے گھر کے دروازے سے نکلیں ہی نہیں؛ یہاں تک کہ جنازہ ہی ان کے گھر سے نکلا ”فو اللّٰہ ما خرجت من حجرتها حتى خرجت جنازتها“(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ابوالقیس کے بھائی افلح نے مجھ سے ملنے کی اجازت مانگی میں نے جواب میں کہہ دیا کہ جس وقت تک آنحضرت ﷺ کی اجازت نہ ہوگی میں تم کو اپنے آپ اجازت نہیں دے سکتی ہوں اور میں نے اس خیال سے اجازت نہیں دی کہ ان کے بھائی ابوالقیس کا تو میں نے دودھ نہیں پیا ہے البتہ ان کی بیوی کا دودھ پیا ہے اس کے بعد آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ابوالقیس کے بھائی افلح نے مجھ سے ملنے کی اجازت طلب کی تو میں نے ملنے سے انکار کردیا، یہاں تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لوں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اپنے چچا کو اجازت کیوں نہیں دی میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے مرد نے تو دودھ نہیں پلایا ہے بلکہ عورت نے پلایا ہے آپ ﷺ نے فرمایا نہیں وہ تمہارے چچا ہیں، حضرت عروہ ؓ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی بنا پر کہتی تھی کہ نسباً جو رشتہ حرام ہے رضاعاً بھی اسے حرام مانو ”ائذني له فإنه عمك تربت يمينك“ (۲)

جب بدمعاش حضرت امیر المؤمنین عثمان بن عفان ؓ کے پاس ان کے قتل کے ارادہ سے گئے تو ان کے اہلیہ نائلہ بنت الفرافصہ نے ان کو اپنے بالوں سے چھپا لینا چاہا تو

---

(۱) المحرر الوجيز : سورة الأحزاب : ٤/٤٤٣

(۲) بخاری: باب قول النبي : تربت يمينك

امیر المومنین نے فرمایا: "خذی خمارك ، فلعمری لدخولهم علی أعظم من حرمت شعرك " تم اپنی اوڑھنی کو لے لو، اللہ کی قسم ان کے میرے پاس آنا تمہارے بالوں کی حرمت وعزت سے میرے لئے کم نہیں۔ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ نبی ﷺ کی خدمت میں بیعت کرنے کیلئے حاضر ہوئیں، نبی ﷺ نے ان سے آیت بیعت کی شرائط پر بیعت لینا شروع کردی، " أن لا يشركن بالله ولا يسرقن ولا يزنين " (اس بات پر بیعت لیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی) اس پر فاطمہ نے شرم سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ دیا، نبی ﷺ کو ان کی اس حرکت پر تعجب ہوا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں اے خاتون! مطمئن رہو، واللہ ہم نے بھی نبی ﷺ سے انہی شرائط پر بیعت کی ہے، تو فاطمہ نے کہا کہ پھر صحیح ہے اور انہوں نے اس آیت کی شرائط پر بیعت کرلی۔ (۲)

اس وقت کی عورتیں اس قدر حیاء دار تھی کہ ان کے سامنے زنا کے لفظ کا تذکرہ آجائے اس کا سننا گوارہ نہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں تو وہ پردہ اور حیاء کی مجسم بنی ہوئی تھیں، "فجاء ته احداهما تمشی علی استحیاء " (۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ لڑکیاں کوئی سطحی لڑکیاں نہیں تھیں کہ جن کا باہر آنا جانا ہوتا ہو؛ بلکہ باپردہ، مجسم حیاء بن کر اپنی اوڑھنی کے سرے کو اپنے چہرے پر رکھ آئیں " قد وضعت کم درعها علی وجهها، استحیاءً ا " (۴)

---

(۱) تاریخ المدینة المنورة : ۲/ ۲۰٤، دائرة الفکر ، بیروت

(۲) مسند احمد ، مسند عائشه ، حدیث: ٥١٣٤

(۳) القصص : ٢٥

(۴) الدر المنثور : ٦/ ٤٠٥، دار الفکر ، بیروت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ایک لڑکی کو لایا گیا جس نے گھنگرو پہن رکھے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس کے گھنگھروا کو نکال کر اسے یہاں لاؤ، چونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں گھنٹی ہوتی ہے "لا تدخل الملئكة بيتا فيه جرس"(۱) یعنی عورت کیلئے اپنی زینت کا اظہار اس کی حیاء اور عفت کے خلاف اور خدا کی ناراضگی کو دعوت دینے والا عمل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر کیا گیا کہ: ایک عورت مردانہ جوتے پہنتی ہے، تو انہوں نے فرمایا: اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہے "لعن رسول الله الراجلة من النساء" (۲)

یہاں پر عورت کے مرد کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کو اس کی حیاء اور عفت کے خلاف سمجھا گیا۔

حضرت ام علقمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: میں نے عبدالرحمٰن بن ابوبکر کو ایک باریک اوڑھنی پہنے ہوئے دیکھا جس سے ان کا سینہ جھلک رہا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا: "أما تعلمين ما انزل الله في سورة النور" کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں جسے اللہ عزوجل نے سورہ نور میں نازل فرمایا ہے۔ (۳)

امام ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ: انہوں نے ایک عورت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تو انہوں نے ایک لڑکی کے بال کاندھوں پر لٹکے ہوئے دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "لو استترت هذه كان أحرى بها" اگر یہ ان بالوں کو چھپاتی تو اچھا ہوتا۔ (۴)

یعنی یہ بھی عورت کے حیاء کے خلاف ہے کہ وہ اپنی مواقع زینت کا برملا اظہار کرتی پھرے۔

---

(۱) ابوداؤد : باب ما جاء فی الجلاجل ، حدیث: ٤٢٣٣

(۲) ابوداؤد : باب لباس النساء ، حدیث : ٢٠٩٩

(۳) الطبقات الکبری لابن سعد : اروی: ٧٢/٨

(۴) مصنف ابن ابی شیبه : المرأة تصلی ولا تغطی شعرها ، حدیث: ٦٢١٤

جب ہلاکو خان بغداد میں داخل ہوا اور خلیفہ معتصم باللہ قتل ہوا تو خلیفہ تلاوت میں مصروف تھا اس کے پاس اس کی نوجوان بیٹی بھی بیٹھی ہوئی تھی، ایک تیر آیا اور بچی کو لگا، وہ بیچاری فوت ہوگئی، اس کا خون زمین پر اس انداز سے گرا کہ اس سے ایک تحریر نمودار ہوئی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت نازل فرماتے ہیں تو لوگوں کی عقل ختم ہوجاتی ہے اور بے گناہ لوگ مارے جاتے ہیں، ہلاکو خان کے پاس ملکہ کو بلایا گیا، ملکہ نے راستے میں فوج کی نگرانی میں لونڈی کے کان میں کوئی بات سنائی، ملکہ مطمئن تھی، جب اندر آئی تو ہلاکو خان سے کہا کہ: سامنے خلیفہ کی تلوار ہے، اس میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب تک اس سے خلیفہ وار نہ کرے یہ کسی کو زخم نہیں کرتی، اگر آپ کو یقین نہ ہو تو اس کا تجربہ بھی آپ کے سامنے کیے دیتی ہوں، ہلاکو خان تعجب کر رہا تھا اور اپنے شوق کا اظہار کیا، ملکہ نے اس لونڈی کو اشارہ کیا اور اس نے ایک بھرپور وار ملکہ پر کر دیا جس سے اس مقدس خاتون کے دو ٹکڑے ہوگئے اور اس طرح اپنی جان دے کر عصمت بچائی، ہلاکو خان کو اس ناکامی پر بڑا غصہ آیا لیکن اب کیا ہوسکتا تھا، جان دے دی، مگر کافر بادشاہ کا ہاتھ اپنے جسم کو نہیں لگوایا، بادشاہ اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا۔ (۱)

ہارون رشید کو اپنی بہن عباسہ اور اپنے وزیر جعفر دونوں سے محبت تھی؛ لیکن جب وہ بہن کے پاس جاتا تو وزیر کی یاد آجاتی اور جب وزیر کے پاس جاتا تو بہن کی یاد آتی؛ لیکن نکاح کے بغیر دونوں کو ایک جگہ بٹھانا گوارہ نہیں کیا۔ (۲)

امام طحاویؒ کی صاحبزادی وہ تعلیم رکھتی تھیں کہ امام ممدوح حدیث وفقہ کا املا بھی ان سے کراتے تھے، خود بولتے اور صاحبزادی قلم بند کرتی تھیں۔

بلکہ امام طحاویؒ کی وفات کا سبب ہی اس صاحبزادی کا حجاب اور انفعال ہوا ہے، صاحبزادی سے مسائل فقہیہ کا املا کرارہے تھے، اس میں بعض نسوانی مسائل کا ذکر آیا جس میں بعض مسائل

(۱-۲) تاریخ المشاہیر: ۱۱۷-۱۱۹، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

جماع ومباشرت سے متعلق تھے جن میں یہ لفظ بھی املا میں آیا ہے کہ "اذا نجامعهن یکون کذا" جب ہم عورتوں سے جماع کرتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے مثلاً غسل واجب ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، صاحبزادی نے یہ مسئلہ لکھا اور غیر اختیاری طور کچھ ہلکا سا شرم آمیز تبسم کیا، اس پر امام طحاوی کی نظر پڑ گئی، بے حد شرمندہ ہوئے اور اس انفعال اور شرمندگی سے مغلوب ہو کر وفات پا گئے، "انا للّٰہ وانا إلیه راجعون".

ایک بدو راستے سے گذر رہا تھا، اچانک اس کی بیوی کا نقاب گر گیا، لوگوں کی نگاہیں پڑ گئیں، بے جا غیرت کی وجہ سے اس کو طلاق دے دیا اور اس نے مشہور قصیدہ ہائیہ کہا جس کے چند شعر یہ ہیں:

أترك حبها من غير بعض   وذاك لكثرة الشركاء فيه
إذا وقع الذباب على طعام   رفعت يدي ونفسي تشتهي
وتجتنب الأسود ورود ماء   إذا رأت الكلاب ولغن فيه

میں نے اس کی محبت کو بغیر کسی دشمنی کے چھوڑ دی،
اس میں شریکوں کے کثرت ہو جانے کی وجہ سے۔
جب مکھی کھانے میں پڑ جاتی ہے تو میں اپنے ہاتھ کو بھوک کے باوجود اٹھا لیتا ہوں
سانپ اس پانی پر نہیں آتا ہے جس پانی پر وہ کتوں کو منہ ڈالتے ہوئے دیکھتا ہے۔

عورتوں کا موٹر سائیکل چلانا

عورتوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے پورے بدن کو اجنبی مردوں سے چھپائے، چھپانے والا کپڑا کشادہ اور موٹا ہو، بدن کی ساخت ظاہر نہ ہو اور نہ وہ کپڑا باریک ہو۔

اصل یہ ہے کہ عورت (دواب) جانوروں پر سواری کر سکتی ہے جیسا کہ اونٹ پر سواری ہوتی تھی، بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بہترین عورتیں قریش کی عورتیں ہیں، اونٹ پر سوار ہوتی ہیں۔

مسلم کی روایت میں ہے حضرت مریم بنت عمران بھی اونٹ پر نہیں بیٹھیں۔

بعض فقہاء نے سوائے جہاد اور حج کی حاجت کے گھوڑے پر عورت کو سوار ہونے سے منع فرمایا ہے اور جو عورت مردوں سے تشبہ کرے اس پر لعنت فرمائی ہے۔

الدر المختار میں ہے کہ : مسلمان عورتیں زین پر نہیں بیٹھے گی، حدیث میں اس سلسلہ میں ممانعت آئی ہے، یہ منع اس وقت ہے جب کہ دل بہلانے کیلئے ہو اگر غزوہ یا حج یا دینی ضرورت کیلئے ہو، یا دنیاوی ایسا مقصد ہو، جس کے بغیر چارہ ہی نہیں تو کوئی حرج نہیں۔

عورتوں کی سواری کی ممانعت دو وجہ سے کی گئی ہے:

۱- اس میں مردوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جس کی ممانعت احادیث میں آئی ہے۔

۲- اس میں عورتوں کا فتنے کی جگہوں کا اعلان و اظہار ہے جس کے ستر کا حکم دیا گیا ہے

”وقد أمرنا بالستر“ (۱)

ہاں البتہ اگر عورت بوڑھی یا جوان ہو؛ لیکن اپنے شوہر کے ساتھ سواری کرے کسی عذر کی وجہ سے مثلاً جہاد یا حج یا عمرہ کیلئے تو ستر اور پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے سوار ہو تو کوئی حرج نہیں ”فلا بأس إن كانت مستترة“ (۲)

حضرت عبداللہ بن بازؒ نے بھی عورت کے گاڑی چلانے کو ناجائز قرار دیا ہے، اور انہوں نے عورت کے ڈرائیونگ کے نتیجہ میں جن مفاسد کے در آنے کا اندیشہ ہے اس کا ذکر کیا ہے، مردوں کے ساتھ اختلاط ہوگا، اور اللہ عز وجل نے مومن عورتوں کو اپنے گھر میں رہنے کو فرمایا ہے، اور غیر محارم کیلئے زینت کے اظہار سے روکا ہے، اور انہوں نے عورت کی ڈرائیونگ کے عدم جواز پردہ کی مختلف آیتوں سے استدلال کیا ہے اور اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے ”ما خلا رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما“ (۳)

جب کوئی عورت مرد کے ساتھ تنہا ہوتی ہے تو ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (۴)

(۱-۲) المحيط البرهاني: ۳۸۵/۵

(۳) صحيح ابن حبان، حديث: ٦٧٢٨

(۴) مجلة البحوث الشرعية، جمادي الآخرة: ١٤١١، العدد: ٣، فتاوي المرأة: جمع وترتيب: محمد المسند، دار الوطن، الرياض، الطبعة الثانية: ١٤١٨هـ

اجازت کے احکام

☆ جب کسی کے گھر آئے تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا واجب ہے، قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے اس سلسلے کے تفصیلی احکام ذکر کیے ہیں، ارشاد باری عزوجل ہے:
اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا گھروں میں اہل خانہ کو سلام کیے اور اجازت لئے بغیر نہ داخل ہو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، امید کہ تم اس سے نصیحت حاصل کروگے، اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تب بھی، جب تک اجازت نہ مل جائے داخل نہ ہو اور اگر واپس ہوجانے کو کہا جائے تو واپس ہوجاؤ کہ یہی تمہارے لئے پاکیزہ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ...... ہاں ایسے مکان جو رہائشی نہ ہوں اور وہاں تمہارے سامان بھی رکھے ہوں تو بلا اجازت داخل ہوجانے میں بھی مضائقہ نہیں (تاہم یاد رکھو) اللہ ان باتوں سے بھی واقف ہے جن کا تم اظہار کرتے ہو اور ان باتوں سے بھی جن کو تم چھپاتے ہو۔

علامہ شامیؒ نے اجازت کا طریقہ یوں لکھا ہے کہ: اگر کسی دوسرے شخص کے گھر آئے تو تین مرتبہ یہ کہتے ہوئے اجازت لے کہ: اے گھر والو! السلام علیکم! کیا فلاں شخص داخل ہوسکتا ہے، اور ہر مرتبہ کے درمیان اتنا فاصلہ رکھے کہ کھانے والا کھانے سے، وضو کرنے والا وضو کرنے سے اور نماز پڑھنے والا چار رکعت سے فارغ ہوجائے۔

زبان سے ہی اجازت لینا ضروری نہیں، ان میں سے ایک طریقہ دروازہ پر دستک دینا بھی ہے، لیکن دستک اتنی زور سے نہ ہو کہ مخاطب گھبرا اُٹھے اور اس پر وحشت طاری ہوجائے، متوسط انداز سے دستک دی جائے، مگر یہ کہ کچھ ہنگامی حالات ہوں۔

چنانچہ دربارِ نبوی میں اجازت کے اس مذکورہ طریقہ پر عمل کو بتلاتے ہوئے صحابیٔ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "انّ أبواب النبی تقرع بالاظافیر" (۱) کہ

---

(۱) الأدب المفرد: باب قرع الباب، حدیث: ۱۰۸۰، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

آپ ﷺ کے دروازے ناخنوں سے کھٹکھٹائے جاتے تھے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: اگر کسی کے پاس اجازت کیلئے گھنٹی اور بل کے ذریعہ اطلاع کرنے کا طریقہ رائج ہو تو آنے پر اس کا بجانا واجب ہے، اجازت کیلئے شناختی کارڈ بھی بھجوایا جا سکتا ہے جس سے اجازت چاہنے والے کا پورا نام، پتہ بیٹھے ہوئے معلوم کر لیا جا سکتا ہے۔ (۱)

☆ اجازت لیتے وقت نام بھی ظاہر کرے، یہ نہ کہے کہ: کیا میں آ سکتا ہوں؟ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت چاہی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کون صاحب ہیں "من ذا"؟ انہوں نے جواب دیا " أنا " "میں"، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " أنا ، أنا " کہنے سے کیا حاصل، گویا حضور ﷺ نے اس کو ناپسند کیا (اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا)۔ (۲)

چنانچہ آپ ﷺ نے اس طرح اجازت لینے کی تعلیم ایک صحابی کو دی تھی، وہ آپ ﷺ کے پاس بغیر اجازت اور سلام کئے آ گئے تو آپ ﷺ نے ان کو لوٹ جانے کیلئے کہا اور فرمایا: یوں کہو " السلام علیکم ، أ أدخل " ؟ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ (۳)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حضور ﷺ سے اسی طرح اجازت لیتے تھے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے داخلہ کی اجازت طلب کرتے ہوئے یوں کہا: "السّلام علی رسول اللّٰہ " السلام علیکم أیدخل عمر " کیا عمر داخل ہو سکتا ہے؟ (۴)

---

(۱) مسائل آداب وملاقات: ۲۰، مکتبہ رضی دیوبند

(۲) بخاری : باب اذا قال: من ذا ؟ فقال : أنا ، حدیث: ۵۸۹۶

(۳) ابوداؤد: باب کیف الاستئذان ، حدیث: ۵۱۷۹ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۴) ابوداؤد: باب فی الرجل یفارق الرجل ، حدیث: ۵۲۰۱ ، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب فی الاستئذان وفیمن اطلع ، حدیث: ۱۲۸۱۰

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ملاقات کیلئے گئے اور اجازت حاصل کرنے کیلئے یہ جملہ فرمایا: " السلام علیکم ھذا ابو موسی، السلام علیکم ھذا الاشعری " (۱)

سلام کے بعد انہوں نے پہلے اپنا نام بتایا، پھر مزید وضاحت کیلئے اشعری جو خاندانی نسبت تھی ذکر فرمایا، اور یہ اس لئے کہ جب تک صاحبِ خانہ اجازت لینے والے کو پہچانتا نہیں ہے اجازت دینے میں اسے تردد ہوتا ہے۔

☆ اجازت لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس طرح کھڑا نہ ہو کہ اہل خانہ کی بے پردگی ہو جائے؛ بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب کسی کے دروازے پر آتے تو سامنے کھڑے ہونے کے بجائے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور فرماتے" ولکن من رکنه الایمن أو الایسر" "السلام علیکم، السلام علیکم "(۲)

☆ عورتیں بھی گھروں میں اجازت لے کر داخل ہوں، جاہل عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ عورتوں کو عورتوں سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، بغیر کسی اجازت کے گھر میں بلا روک ٹوک چلی آتی ہیں، عہدِ صحابہ میں حضراتِ صحابیات کا یہ معمول تھا کہ جب وہ کسی کے گھر جاتیں تو پہلے اجازت چاہتیں، پھر داخل ہوتیں۔

حضرت ام ایاس فرماتی ہیں کہ: ہم چار عورتیں اکثر حضرت عائشہؓ کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں جانے سے پہلے ان سے اجازت طلب کرتی تھیں، جب آپ اجازت دے دیتیں تو ہم اندر داخل ہوتیں، " کنت فی أربع نسوة نستأذن علی عائشة " (۳)

حضرت عائشہؓ کے پاس چار عورتیں گئیں اور اجازت طلب کی کہ کیا ہم آسکتی ہیں؟

---

(۱) مسلم: باب الاستئذان، حدیث: ۲۱۵۴

(۲) ابوداؤد : باب کم مرّة یسلّم الرجل فی الاستیذان، حدیث: ۵۱۸۶

(۳) درمنثور : ۱۷۳/۶، دار الفکر، بیروت

آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نہیں تم میں سے جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو تو وہ اجازت طلب کرے، ایک عورت نے پہلے سلام کیا، پھر اجازت چاہی، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دیدی، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت پڑھ کر سنائی ”فقالت : لا قلن لصاحبتن تستأذن، فقالت: السلام عليكم ندخل قالت: ادخلوا، ثم قالت“ ”لا تدخلو ا بيوتا غير بيوتكم ...... الخ “ (۱)

☆ اگر ماں اپنی بہن یا کسی محرم عورت کے یہاں جائے تو وہاں بھی اجازت لے کر جائے۔ حدیث میں حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ”يستأذن الرجل على أبيه وأمه وأخيه وأخته “(۲) آدمی کو اپنے باپ، ماں، بھائی، بہن سے اجازت لینا چاہئے۔

حضرت عطا بن یسار سے مروی ہے: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا مجھ کو اپنی ماں سے اجازت لینا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک! پھر اس نے سوال کیا کہ میں تو ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں، ارشاد فرمایا: اجازت ان سے بھی لیا کرو، اس شخص نے مزید کہا کہ: میں تو ان کا خادم ہوں، (بار بار سوال کیا تھا کہ شاید کوئی چھٹکارے کا پہلو مل جائے) ”فرددت ليرخص لي، فأبى“ آپ ﷺ نے فرمایا: اجازت لیا کرو، کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم اپنی ماں کو برہنہ دیکھو، اس نے کہا نہیں، ارشاد فرمایا: اس لئے اجازت لے کر ان کے پاس جایا کرو (کہ آدمی تنہائی میں کس حالت میں ہوتا ہے پتہ نہیں)۔ (۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اپنے ماؤوں اور بہنوں کے پاس جانے کیلئے بھی اجازت لینا ضروری ہے، ” عليكم الاذن على امّهاتكم “ (۴)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر : ٣ / ٣٤١، سورة النور، دار الفكر، بيروت

(۲) الأدب المفرد : باب الاستئذان ثلاثا، حديث: ١٠٦٤، اس کی سند ضعیف ہے۔

(۳) تفسیر ابن کثیر : ٦ / ٣٥، دار طيبة للنشر والتوزيع

(۴) تفسیر ابن کثیر : ٦ / ٣٥، دار طيبة للنشر والتوزيع

ایک مرتبہ حضرت عطاءؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، میری بہن میرے زیر پرورش ایک ہی مکان میں میرے ساتھ مقیم ہے، کیا ایسی صورت میں بھی مجھے گھر میں داخل ہونے کیلئے اجازت لینا ضروری ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں، حضرت عطاءؒ نے دوبارہ سوال کیا، مگر پھر بھی وہی جواب ملا، تیسری مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم ان کو برہنہ دیکھنا پسند کرتے ہو؟، حضرت عطاءؒ نے انکار کیا۔ (۱)

☆ جس گھر میں اپنی بیوی رہتی ہو، اس میں داخل ہونے کیلئے اگرچہ اجازت واجب نہیں، مگر مستحب اور سنت طریقہ ہے کہ وہاں پر بھی اچانک بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے، بلکہ داخل ہونے سے قبل اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکارنے سے یا کسی اور طریقہ سے پہلے باخبر کردے، پھر داخل ہو۔

حضرت عطاءؒ سے معلوم کیا گیا کہ: کیا اپنی بیوی کے پاس بغیر اجازت کے نہ جایا جائے؟ فرمایا کہ: وہاں اجازت کی ضرورت نہیں ہے "أیستأذن الرجل علی امراته ؟ قال : لا "، ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کرکے فرمایا: اس سے مراد یہی ہے کہ اجازت واجب نہیں؛ لیکن مستحب اور اولیٰ وہاں پر بھی ہے۔ (۲)

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ: میرے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب میرے پاس گھر میں آتے تھے، تو کھنکار کے آتے تھے، اور کبھی بلند آواز سے دروازے کے باہر کسی سے باتیں کرنے لگتے تھے، تاکہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہوجائے، " تنحنح وبزق ، کراهية أن يهجم منا علی أمر يكرهه " (۳)

امام احمدؒ نے اسی لئے صراحت کی ہے کہ اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت کھنکارنا یا پاؤں کی آواز پیدا کرنا مستحب ہے "استحب له أن يتنحنح " (۴)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۶/۳۵، دار طيبة للنشر والتوزيع

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۶/۳۹، دار طيبة للنشر والتوزيع

(۳) تفسیر ابن کثیر: ۶/۳۹، دار طيبة للنشر والتوزيع، علامہ ابن کثیر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۴) تفسیر ابن کثیر: ۶/۳۹، دار طيبة للنشر والتوزيع

☆ اجازت لینے کی ایک مصلحت یہ ہے کہ دوسرا آدمی جو چیز آپ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا، آپ اس سے کسی طرح باخبر نہ ہوں، اگر پہلے ہی گھر میں جھانک لیا تو یہ مصلحت اور حکمت ہی ختم ہوگئی، احادیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ایک شخص نے آپ ﷺ کے حجرۂ مبارک میں باہر سے جھانکا تو حضور ﷺ اس وقت ایک تیر ہاتھ میں لئے ہوئے تھے، آپ ﷺ اس کی طرف بڑھے کہ گویا کہ اس کے پیٹ میں بھونک دیں گے،" اما انّك لو ثبت لفقأت عينك " (۱)

اور ایک حدیث میں ہے کہ: " لا يحلّ لامراء أن ينظر الى جوف بيت حتى يستأذن ، فان فعل فقد دخل " کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ بغیر اجازت کسی کے گھر میں جھانکے، اگر اس نے ایسا کیا تو گویا وہ داخل ہی ہوگیا۔ (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ رات میں گشت فرما رہے تھے، ایک شخص کی آواز سنی کہ وہ گا رہا ہے، آپ کو شک گذرا، دیوار پر چڑھ گئے، دیکھا وہاں پر شراب بھی موجود ہے، اور عورت بھی ہے، آپ نے پکار کر کہا، اے دشمنِ خدا! کیا تو نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا، اور اللہ تیرا پردہ فاش نہیں کرے گا، اس نے جواب دیا، اے امیر المؤمنین! جلدی نہ کیجئے، اگر میں نے ایک گناہ کیا تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں:

۱۔ اللہ نے تجسس کو منع فرمایا ہے " وَلَا تَجَسَّسُوْا "

۲۔ گھر میں دروازہ سے آنے کا حکم دیا گیا ہے " وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا "

۳۔ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اجازت کے بغیر مت جاؤ، "لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ " آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں آئے ہیں، یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا اور

---

(۱) الادب المفرد: باب النظر في الدور، حديث: ۱۰۹۱

(۲) الأدب المفرد: باب النظر في الدور، حديث: ۱۰۹۳، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی، البتہ اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا " فهل عندك من خير ان عفوت عنك؟ " (۱)

کسی کے گھر میں جھانکنے والے کیلئے سخت وعید فرمائی گی ہے :

آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی تیرے گھر میں تیری اجازت کے بغیر جھانکنے لگے اور تو اس کی حرکت پر کنکر مارے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تجھ کو کوئی گناہ نہیں ہے " لو انّ امرءاً اطلع عليك بغير اذن فخذفته بحجارة ففقأت عينه ما كان عليك من جناح " (۲)

گناہ غالباً اس لئے نہیں ہوگا کہ اس نے بغیر اجازت واطلاع کے جھانکنے کی ابتداء کی، اور اس طرح گھر کی عورتوں کو دیکھنے کا ارادہ کیا تھا جو بڑے فتنہ کا سبب ہو سکتا ہے۔

☆ اگر کسی کے دروازہ پر جا کر اجازت طلب کی جائے اور اندر سے کوئی جواب نہ آئے، تو سنت طریقہ یہ ہے کہ دوبارہ اجازت طلب کرے، اگر پھر بھی آواز نہ آئے تو تیسری مرتبہ اجازت طلب کرے، اگر اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہ ملے تو واپس لوٹ جانا چاہئے، (جواب کے انتظار میں کھڑے نہیں رہنا چاہئے، تین مرتبہ کہنے سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ آواز تو سن لی ہوگی مگر یا تو وہ ایسی حالت میں ہے کہ جواب نہیں دے سکتا، مثلاً نماز پڑھ رہا ہے، یا بیت الخلاء میں ہے، یا غسل کر رہا ہے، یا سو رہا ہے یا کسی ایسے کام میں مشغول ہے کہ اس کو ملنا منظور نہیں ہے، اور نہ کوئی ایسا فرد ہے جس کے ذریعہ وہ منع کرا دے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے جب ایک شخص نے اجازت چاہی، تین بار اجازت چاہنے کے جواب نہ آیا تو وہ ایک کنارے بیٹھ گئے " فتنحيت ناحية فقعدت "(۳)

---

(۱) حياة الصحابة: ۳/ ۱٤۹، مؤسسة الرساله، بيروت

(۲) مسند الشافعي: كتاب الديات، حديث: ۳۳۷

(۳) الأدب المفرد: باب يستأذن على أخيه، حديث: ۱۰۷۷، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لئے گئے، تین مرتبہ اجازت طلب کی، جب کوئی جواب نہ آیا تو واپس لوٹ گئے۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: عبداللہ بن قیس آنا چاہتے ہیں ان کو بلالو، باہر جاکر دیکھا تو واپس ہوچکے تھے، واپس جاکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے جانے کی خبر دی، اس کے بعد جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معلوم کیا کہ آپ کیوں واپس چلے گئے تھے۔ تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: ”اذا استاذن أحدکم ثلاثاً فلم یؤذن له فلیرجع“ کہ تین مرتبہ اجازت چاہنے کے بعد اگر اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ، میں نے تین مرتبہ اجازت چاہی، جب جواب نہ آیا تو میں اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے واپس لوٹ گیا۔ (۱)

حضور اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے بھی اس حکم کو ظاہر فرمایا ہے، چنانچہ ایک بار حضور اکرم ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لے گئے اور تین دفعہ فرمایا: ”السلام علیکم أدخل“ (اندر آجاؤں) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تینوں دفعہ اس خیال سے خاموش رہے کہ اچھا ہے حضور اکرم ﷺ بار بار سلام فرمائیں تو ہم کو حضور کی دعا کی برکت زیادہ نصیب ہو، جب تیسری دفعہ کے بعد پھر آپ ﷺ نے سلام نہ کیا تو وہ گھر سے نکل کر دوڑے اور دیکھا کہ نبی کریم ﷺ واپس تشریف لئے جارہے ہیں، جاکر حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں تو مزید برکت حاصل کرنے کے لئے خاموش رہا تھا، آپ ﷺ واپس کیوں چلے گئے، فرمایا کہ: مجھ کو یہی حکم ہے کہ تین دفعہ سے زیادہ استیذان نہ کروں، غرض پھر آپ واپس تشریف لے آئے۔ (۲)

اگر کوئی آج ایسا قانون بنائے کہ اجازت لے کر آؤ اور تین دفعہ میں جواب نہ ملے تو

---

(۱) بخاری: باب من خرج من اعتکافه، حدیث: ٥٨٩١

(۲) مسند احمد: مسند أنس بن مالك، حدیث: ١٢٤٢٩

واپس ہو جاؤ تو لوگ اس کو فرعون اور مغرور سمجھیں گے؛ مگر حضور ﷺ کا اور حضرات سلف کا یہی طریقہ تھا اور تین دفعہ اجازت نہ ملے تو وہ بخوشی واپس ہو جاتے تھے بالکل گرانی نہ ہوتی تھی دیکھئے یہ صورت کیسی آسان ہے اور اس میں کس قدر مصلحتیں ہیں، مگر افسوس ہم لوگ اس کی قدر نہیں کرتے، ہماری شریعت ہر طرح سے مکمل ہے۔(۱)

اسی کو اللہ عز وجل نے یوں ارشاد فرمایا: ”فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ“ (۲) اگر تم وہاں کسی کو نہ پاؤ تو تم اس گھر میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ تم کو اجازت مل جائے، اور اگر تم سے یہ کہا جائے کہ تم لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ، یہ تمہارے لئے پاکیزگی اور طہارت کا باعث ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو جاننے والا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: مکانات کی چار قسمیں ہیں: ایک خاص اپنے رہنے کا جس میں دوسرے کے آنے کا احتمال نہیں، دوسرا جس میں کوئی اور بھی رہتا ہو گو وہ محارم ہی کیوں نہ ہو یا کسی کے آجانے کا اس میں احتمال ہو، تیسرا جس میں کسی کا بالفعل رہنا یا نہ رہنا دونوں محتمل ہو، چوتھا جس میں کسی کی خاص سکونت نہ رکھنا متیقن ہو، جیسے مدرسہ، خانقاہ، سرائے، پس قسم اول کا حکم تو یہ ہے کہ اس میں کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ علت وجوبِ استیذان جو آئندہ معلوم ہوگی وہاں منتفی ہے، پھر آگے آیت کی تفسیر کے ساتھ بقیہ صورتوں کے احکام کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

”اے ایمان والو! تم اپنے (خاص رہنے کے) گھر کے سوا دوسرے گھروں میں مت داخل ہو، جب تک کہ (ان سے) اجازت حاصل نہ کرلو اور (اجازت لینے کے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو (یعنی اول سلام کرکے ان سے پوچھو کہ ہم آویں؟ اور ویسے ہی بے اجازت لئے ہوئے مت گھس جاؤ) یہی تمہارے لیے بہتر ہے (یہ بات تم کو اس لیے بتلائی ہے) تاکہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو)۔ (یہ قسم دوم کا حکم ہے)۔

---

(۱) اسلامی تہذیب : ۴۴ (۲) النور : ۲۸

پھر اگر گھروں میں تم کو کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو (مختارِ اذن کی جانب سے) اجازت نہ دی جائے، (یہ قسمِ سوم کا حکم ہے)۔

قسمِ چہارم کا حکم بیان کرتے ہوئے اللہ عزوجل کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا نہ گناہ ہوگا جن میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو، ان میں تمہاری کچھ برات ہو۔ (۱)

جب کسی کے یہاں جائے تو ان آدابِ ملاقات کی بھی رعایت کرلیں۔ جس کی نشاندہی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمائی ہے:

۱- کسی کے پاس جانے میں اس کا خیال رکھے کہ اطلاع کرکے جائے (یعنی پہلے پروگرام معلوم کرکے اجازت کے بعد جائے)۔

۲- جہاں جانا چاہے وہاں کا قانون (اور دستور و معمول) معلوم کرلینا چاہیے۔

۳- آدمی کو چاہیے کہ جہاں جائے اس کے اوقات کی تحقیق کرلیں۔

۴- آدمی کو چاہیے کہ جب کسی کے پاس جائے اس کے حقوق کا پورا خیال رکھے۔ لوگ اپنی فرصت کا تو لحاظ کرتے ہیں؛ مگر یہ نہیں سوچتے کہ آیا یہ وقت ان کی فرصت کا ہے یا نہیں۔

۵- کوئی شخص کسی کے پاس ایسے وقت ملاقات کے لئے نہ جائے جس میں اس نے خلوت (تنہا رہنے) کا قصد کیا ہو؛ کیوں کہ اس پر گرانی ہوگی۔

۶- کسی کے پاس جاؤ تو سلام یا کلام سے یا سامنے بیٹھنے سے غرض کسی طرح اس کو اپنے آنے کی اطلاع کردو اور بغیر اطلاع کے آڑ میں یا کسی ایسی جگہ مت بیٹھو کہ اس کو تمہارے آنے کی خبر نہ ہو؛ کیوں کہ شاید وہ کوئی ایسی بات کرنا چاہے جس پر تم کو مطلع نہ کرنا چاہتا ہو تو بغیر اس کی رضامندی کے اس کے راز پر مطلع ہونا بری بات ہے؛ بلکہ اگر کسی بات کے وقت یہ احتمال ہو کہ تمہاری بے خبری کے گمان میں وہ بات ہو رہی ہے تو تم فوراً وہاں سے جدا ہو جاؤ

---

(۱) سورۃ النور مع بیان القرآن: ۲/۱۴۲، مکتبۃ الحق: ماڈرن ڈیری جوگیشوری، ممبئی

اگر تم کو سوتا سمجھ کر ایسی کوئی بات کرنے لگے تو فوراً اپنا بیدار ہونا ظاہر کر دو، البتہ اگر تمہارے یا کسی اور مسلمان کے نقصان پہنچانے کی کوئی بات ہو رہی ہو تو اس کو ہر طرح سن لینا درست ہے؛ تا کہ نقصان سے حفاظت ممکن ہو۔

۷۔ جب کسی کے پاس ملنے یا کچھ کہنے جاؤ اور اس کو کسی کام کی وجہ سے فرصت نہ ہو مثلاً قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہو یا وظیفہ پڑھ رہا ہو یا قصداً تنہائی میں بیٹھا کچھ لکھ رہا ہے یا سونے کیلئے آمادہ ہے یا قرائن (واندازہ) سے اور کوئی ایسی حالت معلوم ہو جس سے غالباً اس شخص کی طرف متوجہ ہونے سے اس کا حرج ہوگا یا اس کو گرانی و پریشانی ہوگی تو ایسے وقت میں اس سے سلام کلام نہ کرو یا تو چلے جاؤ اور اگر کوئی بہت ضروری بات ہو تو مخاطب سے پہلے پوچھ لو کہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، پھر اجازت کے بعد کہہ دو اس سے تنگی نہیں ہوتی یا فرصت کا انتظار کرو جب اس کو فارغ دیکھو بول لو۔

۸۔ اور جب کسی کے انتظار میں بیٹھنا ہو تو اس طرح مت بیٹھو کہ اس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم اس کا انتظار کر رہے ہو اس سے خواہ مخواہ اس کا دل پریشان ہو جاتا ہے اور اس کی یکسوئی میں خلل پڑتا ہے؛ بلکہ اس سے دور اور اس کی نگاہ سے پوشیدہ ہو کر بیٹھو۔ (۱)

مہمان اگر اپنا تعارف نہ کرائے تو میزبان خود دریافت کر لے:

حضرت تھانویؒ کے یہاں پہلے یہ ضابطہ تھا کہ جب کوئی نیا شخص آئے تو بغیر سوال کئے ہوئے خود بتا دے کہ میں فلاں ہوں، فلاں جگہ سے آیا ہوں اور فلاں مقصد سے آیا ہوں؛ لیکن جب حضرت والا کی نظرِ مبارک سے یہ حدیث گذری کہ " بالداخل وحشة فتلقونه بمرحبا " (۲) آنے والے کو اجنبیت کی وجہ سے ایک قسم کی حیرت زدگی یعنی بدحواسی ہوتی ہے، اس کو آؤ بھگت کے ساتھ لیا کرو، تا کہ اس کی طبیعت کھل کر مانوس ہو جائے۔

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۴۶-۴۷

(۲) الدیلمی

حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ: یہ حدیث میری نظر سے اس وقت گذری جب کہ میری عمر ۷۱ رسال کو پہنچ گئی، اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی برکت سے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ اب آنے والے سے میں خود اس کا مقام اور آنے کی غرض اور اس کا مشغلہ پوچھ لیا کرتا ہوں، اس سے ضروری حالت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ مانوس ہو جاتا ہے۔ (۱)

اور فرماتے ہیں کہ بعض جگہ آداب وتسلیمات کا رواج ہے (یا بہت سے لوگ گڈ مورننگ یا ٹاٹا وغیرہ کہتے ہیں یہ سب غیر اسلامی طریقہ اور غلط ہے)۔

☆ شریعت نے صیغۂ سلام یعنی (السلام علیکم) کے لفظ میں چھوٹے بڑے میں کچھ تفریق وتفصیل نہیں رکھی، ہاں لہجہ میں فرق ہونا چاہئے؛ کیوں کہ عظمت وادب میں داخل ہے جس کی شریعت میں تعلیم ہے، جس کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ چھوٹا بڑے کے سامنے دبی ہوئی آواز اور نیاز مندانہ لہجہ سے بولے۔

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۵۲

مجلس کے آداب

☆ مجلسیں امانت ہیں یعنی مجلس میں جو باتیں سنیں ان کا دوسری جگہ نقل کرنا امانت داری کے خلاف ہے اور گناہ ہے " اذا حدث الرجل ثم التفت فهي أمانة " (۱) آدمی جب کوئی بات کہے پھر وہاں سے ہٹ جائے تو وہ بات امانت ہوتی ہے۔

☆ مجلس کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ مجلس میں کشادگی اور توسع سے کام لیا جائے، ہر آنے والے کیلئے جگہ فراہم کی جائے، ارشادِ خداوندی ہے: " اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِيْ الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا " (۲)

☆ خود رسول اللہ ﷺ کے عمل سے یہ سبق ملتا ہے کہ کتنا بھی بڑا شخص ہو اس کے پاس کوئی مسلمان آئے تو اس کی دلجوئی کیلئے اپنی جگہ سے کھسکنا اور اس کی آمد پر استقبال کا انداز اختیار کرنا اور اس کیلئے مجلس اور جگہ فراہم کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

حضرت واثلہ بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ ان کیلئے اپنی جگہ سے کھسک گئے، انہوں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ ﷺ (اپنی جگہ تشریف رکھیں) جگہ میں کافی گنجائش ہے (مطلب یہ تھا کہ میرے لئے اپنی جگہ سے ہٹنے کی حضرت زحمت نہ فرمائیں) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلم کا یہ حق ہے کہ جب کوئی بھائی اس کو (اپنے پاس آتا دیکھے تو اس کیلئے اپنی جگہ سے کچھ ہٹے (اور اپنے قریب بٹھائے) " انّ للمسلم لحقًّا اذ راٰه أخوه أن يتزحزح له " (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب في نقل الحديث، حديث: ٤٨٦٨

(۲) المجادلة: ١١/٥٤٣

(۳) شعب الایمان: فصل في قيام المرء لصاحبه على وجه الاكرام والبر، حديث: ٨٩٣

☆ مجلس میں آنے والا کوئی عمل ایسا نہ کرے جس سے کبر و تعلّی اور بڑائی کا اظہار ہوتا ہو یا اس سے دوسروں کی بے عزتی اور حقارت معلوم ہوتی ہو۔

اسی لئے آپ ﷺ نے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھنے کو منع فرمایا ہے "لا یقیم احدکم أخاه من مجلسه ثمّ یجلس فیه" (۱)

بخاری کی روایت میں ہے "ولکن تفسّحوا وتوسّعوا" (۲) بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ (آنے والوں کیلئے) از خود کشادگی اور گنجائش پیدا کریں اور ان کو جگہ دیں (مطلب یہ ہے کہ یہ تو منع ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھ جائے؛ لیکن اگر خود بیٹھنے والا ایثار کر کے کسی کو اپنی جگہ خالی کر دے تو اسے اپنی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔

☆ یا دو اشخاص محوِ گفتگو ہوں تو ان کے درمیان آ کر خلل انداز نہ ہو، اس عمل کو حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے "لا یحلّ لرجلٍ أن یفرّق بین اثنین الّا باذنهما" دو اشخاص بیٹھے ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر ان میں گھس نہ جائے۔ (۳)

☆ جب مجلس میں تین آدمی ہوں تو ایک کو چھوڑ کر آہستہ سے دو آپس میں باتیں نہ کریں؛ کیوں کہ اس سے تیسرے کو رنج ہوگا "اذا کانوا ثلاثة فلا یتناجی اثنان دون الثالث" اگر تین شخص ہوں تو بغیر تیسرے کو شامل کئے آپس میں سرگوشی نہ کریں۔ (۴)

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: "لا تجلس بین اثنین الّا باذنهما" (۵)

☆ دو اشخاص کے درمیان بغیر اجازت نہ بیٹھے :

---

(۱) ترمذی: باب کراهیة أن یقام الرجل من مجلسه ثمّ یجلس فیه، حدیث: ٢٧٤٩، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب اذا قیل لکم تفسحوا: حدیث: ٥٩١٥

(۳) ترمذی: باب ماجاء فی کراهیة الجلوس، حدیث: ٢٧٥٢، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۴) بخاری: باب لا یتناجی اثنان دون الثالث، حدیث: ٦٢٨٨

(۵) ابوداؤد: باب فی الرجل یجلس بین اثنین، حدیث: ٤٨٤٤

ایسے ہی اگر کئی اشخاص حلقہ بنا کر بیٹھے ہوں تو کسی کا درمیانی حلقہ میں آ کر بیٹھنا یہ بھی درست نہیں، حضور ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے "ملعون علی لسان محمد من قعد وسط الحلقة " (۱)

اس روایت کا ایک مطلب یہ ہے کہ ایک مجلس ہو، اس میں کوئی شخص لوگوں کی پیٹھ پھلاند کر جا بیٹھے، یا لوگ گول دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوں اور یہ ان کے بیچ حلقہ میں بیٹھ جائے۔

☆ اس کے ساتھ حضور ﷺ نے یہ ادب بھی سکھایا ہے کہ مجلس میں جہاں جگہ میسر آئے وہ وہیں بیٹھ جائے، پھلانگے نہیں۔

چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اپنا یہ معمول بتاتے ہیں، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ہم لوگوں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کا) یہ طریقہ اور دستور تھا کہ جب ہم میں سے کوئی حضور ﷺ کی مجلس میں آتا تو (حاضرین مجلس کے درمیان سے گذر کر آگے جانے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ) کنارے ہی بیٹھ جایا کرتا تھا، ہاں البتہ صاحبِ مجلس کو یہ حق ہے کسی شخص کو کسی خصوصیت اور مصلحت سے آگے بلالے " كنا اذا أتينا رسول الله جلسنا حيث ننتهي "(۲)

☆ اور آپ نے مجلس کا ایک ادب یہ بھی بتلایا کہ مجلس میں اگر کوئی بیٹھے اور اٹھ کر چلا جائے، پھر دوبارہ آئے تو اس جگہ کا وہی زیادہ حق دار ہوگا "من قام من مجلسه ثمّ رجع اليه فهو احقّ به " (۳)

☆ جب مجلس میں پہنچے تب بھی سلام کرے اور مجلس سے جانے لگے تب بھی سلام کرے حضور ﷺ نے فرمایا: پہلا سلام بعد کے سلام سے اعلیٰ اور بالا نہیں ہے " فليستِ الأولى بأحق من الأخرة " (۴)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی كراهية القعود وسط الحلقة، حدیث: ۲۷۵۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) السنن الکبری للبیھقی: باب یجلس حیث ینتھی به المجلس، حدیث: ۵۸۰۹

(۳) مسلم باب اذا قام من مجلسه، حدیث: ۲۱۷۹

(۴) ترمذی: باب التسليم عند القيام، حدیث: ۲۷۰۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

☆ مجلس میں جو دوسرے کی خصوصی نشست گاہ یا گاؤ تکیہ یا کرسی وغیرہ ہے اس پر خود نہ بیٹھے، یہ میہمان کی تعظیم اور تکریم کے خلاف ہے۔

☆ بیٹھنے کا انداز اور طریقہ بھی ایسا نہ ہو کہ اس سے کبر اور تعلّی اور اپنی بڑائی کا اظہار ہوتا ہو، نہایت متواضع ہو کر بیٹھے۔

حضرتِ قیلہ سے مروی ہے کہ: میں نے حضور ﷺ کو ایک بار تواضع کی ایسی کیفیت پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ میں بے چین ہوگئی اور گھبرا گئی "ارعدت من الفرق" (۱)

اس لئے حضور ﷺ کا مختلف ہیئتوں میں بیٹھنے کا ذکر احادیث میں ملتا ہے، کبھی تو آپ ﷺ اُکڑوں یعنی سرین کے بل پنڈلیاں اٹھا کر بیٹھتے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "رأیت رسول اللّٰہ بفناء الکعبۃ محتبیًا بیدیہ" (۲)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو صحن کعبہ میں گوٹ مار کر بیٹھتے ہوئے دیکھا ہے، کبھی آپ ﷺ تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھتے، چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ: رأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم متکئًا علی وسادۃٍ" میں نے حضور ﷺ کو تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا ہے۔ (۳)

فجر کے بعد طلوع آفتاب تک چوزانو بیٹھنے کا بھی آپ ﷺ کا معمول تھا "اذا صلی الفجر تربّع فی مجلسہ حتی تطلع الشمس حسنًا" (۴)

☆ ایسی بیٹھک نہ بیٹھے جو متکبرانہ ہو جس سے بڑے پن اور تعلّی کا اظہار ہوتا ہو، حضور ﷺ کا گذر ایک شخص کے پاس سے ہوا، انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے لگا رکھا تھا اور دائیں ہاتھ پر ٹیک لگا رکھا تھا، حضور ﷺ نے ان پر غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

---

(۱) ابوداؤد: باب فی جلوس الرجل، حدیث: ٤٨٤٧، علامہ حجر نے فرمایا: اس کی سند میں کوئی حرج نہیں: فتح الباری: باب الاحتباء بالید: ١١/٦٥

(۲) بخاری: باب الاحتباء بالید، حدیث: ٥٩١٧

(۳) ترمذی: باب ماجاء فی الاتکاء، حدیث: ٢٧٧٠، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۴) ابوداؤد: باب فی الرجل یجلس متربعًا، حدیث: ٤٨٥٠، امام نوویؒ نے ریاض الصالحین: ۱/۲۷۳ میں فرمایا ہے کہ: اس کو ابوداؤد وغیرہ نے صحیح اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

یہ ان لوگوں کی بیٹھک ہے جو عند اللہ مغضوب ہیں " قعدة المغضوب عليهم " (۱)

☆ کوئی بھی مجلس ذکر اللہ اور اللہ کی یاد سے خالی نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ ایسی مجلس روزِ قیامت صاحبِ مجلس کیلئے ندامت اور حسرت کی باعث ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ نے اس مجلس کے بارے میں فرمایا کہ: جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا وہ اہل مجلس گویا کہ مردار گدھے کے پاس سے اٹھے ہیں اور ان کو اپنی اس مجلس پر حسرت اور ندامت ہوگی " قاموا عن مثل جيفة وكان لهم حسرة " (۲)

☆ جب مجلس سے اٹھے تو یہ دعا پڑھے یہ مجلس میں ہونے والی لغزشوں کیلئے کفارہ ہو جائے حضور ﷺ کا مجلس کے اختتام پر اس دعا کے پڑھنے کا معمول تھا " سُبْحٰنَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ " (۳)

ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا: آپ یہ ایسی چیز پڑھ رہے ہیں جو پہلے نہیں پڑھتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ مجلس میں ہونے والی لغزشوں کیلئے کفارہ ہو جاتی ہے، " كفارة لما يكون في المجلس " (۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب في الجلسة المكروهة، حديث: ٤٨٦٨، علامہ نووی نے ریاض الصالحین: ۱/۴۷۴ میں اس کو سند کو صحیح کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب كراهية أن يقوم الرجل من مجلسه ولا يذكر الله، حديث: ٤٨٥٥، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے: الترغيب: كتاب الذكر والدعاء، حديث: ٢٣٣٢

(۳) ترمذی: باب ما يقول إذا قام من المجلس، حديث: ٣٤٣٣، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

(۴) ابوداؤد، كفارة المجلس، حديث: ٤٨٥٩، علامہ نووی نے ریاض الصالحین: ۱/۴۷۶ میں امام نووی نے کہا ہے کہ: اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔

گفتگو کے آداب

☆ سچ بولنے کا التزام کیا جائے، جھوٹ سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے، خواہ سچ بولنے میں اور جھوٹ سے پرہیز کئے جانے میں کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

حضور اکرم ﷺ نے سچائی کا انجام جنت اور جھوٹ کا انجام دوزخ قرار دیا ہے " انّ الصدق يهدى الى البرّ، وانّ البرّ يهدى الى الجنّة وانّ الرجل ليصدق حتى يكتب عند الله صدّيقًا، وانّ الكذب يهدى الى الفجور، وانّ الفجور يهدى الى النّار وانّ الرجل ليكذب حتّى يكتب عند الله كذّابًا " (۱)

بلاشبہ سچ بولنا نیکی کے راستہ پر ڈالتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے، آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے یہاں صدیق (بہت سچا) لکھ دیا جاتا ہے، اور بلاشبہ جھوٹ برائی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔

☆ ضرورت کے وقت گفتگو کی جائے، بے ضرورت بولنا اور ہر دم بولنا وقار اور سنجیدگی کے خلاف ہے، انسان جو بول بھی بولتا ہے وہ خدا کے یہاں لکھ لیا جاتا ہے، " مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ " (کوئی بات اس کی زبان پر آتی ہے ایک نگران فرشتہ اس کو محفوظ کرنے کیلئے) مستعد رہتا ہے اور فرمایا: انسان کوئی بات کہہ دیتا ہے اور اس کے کہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اس کی وجہ سے جہنم میں ستر سال کی مسافت کے برابر (نیچے) گر جاتا ہے " لا يرى بها بأس يهوى بها سبعين خريفًا في النار " (۲)

---

(۱) مسلم : باب قبح الكذب ، حديث : ٦٦٣٧

(۲) ترمذی: باب فيمن تكلم بكلمة يضحك بها، حدیث: ۲۳۱۴، امام ترمذی نے فرمایا: یہ حسن، غریب ہے۔

چونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: آدمی کے اسلام کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ وہ فضول کاموں اور باتوں کو چھوڑ دے ”من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه “ (۱)

اور حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ خیر کی بات کہے یا خاموش رہے ” فلیقل خیرًا أو لیصمت “ (۲)

اس لئے برا کہنے، چغلی، غیبت، جھوٹ، وعدہ خلافی، طنز، جھوٹی قسم، نقل اتارنے یا کسی کا ٹھٹھا اور مذاق اڑانے سے پرہیز کیا جائے۔

☆ نرمی کے ساتھ گفتگو کی جائے، مسکراتے ہوئے، میٹھے لب و لہجے میں، آواز بھی دھیمی اور درمیانی ہو کہ سامنے والا سن بھی سکے، نہایت درشت اور پھوہڑ آواز نہ ہو“

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس دعوتِ ایمان دینے کیلئے بھیجا گیا تو خاص طور پر نرم گوئی کی ہدایت دی گئی ” وَ قُوْلَا لَـهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا “(۳)

اور فرمایا: ” اِنَّ اَنْـکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ “ سب سے زیادہ کریہہ اور ناگوار آواز گدھے کی آواز ہے۔ (۴)

☆ ہمیشہ عدل و انصاف پر مبنی بات کی جائے، دوست یا کسی رشتہ دار کی رورعایت میں انصاف کا دامن ہرگز چھوٹنے نہ پائے: ”وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی “ (۵) اور جب زبان سے کچھ کہو تو انصاف کی بات کہو چاہے وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو۔

---

(۱) ترمذی: باب حدیث من حسن اسلام المرء، حدیث: ٦٤٧٥، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۲) بخاری: حفظ اللسان، حدیث: ٦٤٧٥

(۳) طه: ٢

(۴) لقمٰن: ١٩

(۵) المائدة: ١٠٦

☆ سب سے پہلے آدمی یہ ملحوظ رکھے کہ اس کے یہ بول محفوظ اور ریکارڈ کیے جا رہے ہیں اور اللہ عزوجل کے یہاں ان کے تعلق سے پوچھ گچھ ہوگی "كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَكَبِيْرٍ مُسْتَطَرٌ " (۱)

اور نبی کریم ﷺ کے تعلق سے ارشاد ہے کہ " كان عليه السلام يحدّث حديثًا لو عدّه العادّ لأحصاه " جب نبی کریم ﷺ بات کرتے تھے تو اگر کوئی آپ ﷺ کی بات کو شمار کرنا چاہتا تو شمار کر لیتا۔

اور اللہ عزوجل نے بھی صرف بھلائی اور خیر کی بات کرنے کو کہا ہے: "لَا خَيْرَ فِي كَثِيْرٍ مِنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوْفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ " (۲)

☆ بات اور گفتگو میں موقع محل کی بھی رعایت ضروری ہے، کیونکہ عربی کا مقولہ ہے " لِكُلِّ مَقَامٍ مَقَالٌ " ہر مقام کے مناسبِ حال گفتگو ہوتی ہے، مثلاً کسی شادی یا کسی خوشی کے موقع سے کسی کی موت وغیرہ کا ذکر نہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مذی کا خروج بکثرت ہوتا تھا، انہوں نے چونکہ حضور ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ ان کے نکاح میں تھیں، اس لئے براہِ راست حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر اس سلسلے میں دریافت کرنے حیاء مانع ہوئی، چنانچہ انہوں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کروایا " كنت رجلا كثير المذّاء " (۳)

☆ پھر لوگوں کے فہم اور سمجھ کے معیار کے مطابق گفتگو کرے، ورنہ لوگوں کو بڑی اونچی بات سمجھ میں نہ آئے گی، تو وہ اس کا دوسرا مطلب مراد لیں گے اور بگاڑ اور شر پیدا ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "حدّثوا النّاس بما يعرفون، أتحبّون أن

---

(۱) القمر: ۵۳

(۲) النساء: ۱۱٤

(۳) مسلم: باب المذی، حدیث: ۷۲۱

يُكذّب الله ورسوله" لوگوں سے ان کی فہم اور سمجھ کے مطابق گفتگو کرو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلا دیں۔ (۱)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی یہ بھی ہے کہ: " امرنا معاشر الأنبياء أن نحدث الناس على قدر عقولهم " اے انبیاء کی جماعت ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں اور فہموں کے مطابق بات کریں۔ (۲)

☆ گفتگو میں کسی کی چاپلوسی، خوشامد اور اس کی بے جا تعریف کا پہلو نہ ہو:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص تعریف کرے تو اس کے چہرے پر خاک پھینک دو " اذا رأيتم المداحين فاحثوا في وجوههم التراب " (۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص نے دوسرے آدمی کی تعریف کی (اور جس کی تعریف کی جارہی تھی وہ بھی وہاں موجود تھا) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "افسوس ہے تم پر، تم نے اپنے بھائی کی گردن توڑ دی "ويلك قطعت عنق أخيك " آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی (پھر فرمایا کہ) اگر تم میں سے کوئی شخص کسی کی تعریف کرنا ہی ضروری سمجھے اور یقین بھی ہو کہ وہ اچھا آدمی ہے، پھر بھی یوں کہے: فلاں آدمی کو میں اچھا سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہی اس کا حساب لینے والے ہیں، میں تو اللہ کے سامنے کسی کی تعریف یقین کے ساتھ نہیں کرسکتا۔ (۴)

حضرت مقداد ابن الاسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی تو انہوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مٹی زمین سے اٹھا کر اس شخص کے منہ پر پھینکا۔

---

(۱) بخاری : باب من خص بالعلم قوما دون قوم ، حدیث: ۱۲۷

(۲) کنزالعمال: حدیث: ۲۹۲۸۲

(۳) مسلم : باب النهي عن المدح، حديث: ۳۰۰۲

(۴) بخاری : باب ما جاء في قول الرجل ويلك، حديث : ۶۱۶۲

کسی کی تعریف کرنا یہ اس کے حق میں شہادت اور گواہی ہے جو بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور اس سے اس کا بھی خطرہ ہے وہ آدمی اعجاب اور خود پسندی میں مبتلا ہو جائے، اس لئے حضور ﷺ نے تعریف کرنے میں احتیاط کرنے کہا ہے۔

اگر اچھی نیت اور کسی دینی مصلحت سے کسی بندہ کی سچی تعریف اس کے سامنے یا اس کے پیچھے کی جائے اور اس کا خطرہ نہ ہو کہ وہ اعجاب نفس اور اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیگا تو ایسی تعریف کی ممانعت نہیں؛ بلکہ انشاء اللہ اچھی نیت کے مطابق وہ اس پر اجر وثواب کا مستحق ہوگا، خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کی ہے، وہ اسی کے قبیل سے ہے۔

☆ ہمیشہ مختصر اور مطلب کی بات کی جائے، گفتگو کو طول نہ دیا جائے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک دن جبکہ ایک شخص نے ان کی موجودگی میں کھڑے ہوکر (وعظ وتقریر کے طور پر) بات کی اور بہت لمبی بات کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ شخص بات مختصر کرتا تو اس کیلئے زیادہ بہتر ہوتا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں یہ مناسب سمجھتا ہوں، یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے کہ بات میں اختصار سے کام لوں؛ کیونکہ بات میں اختصار ہی بہتر ہوتا ہے "امرتُ ان اتجوّز فی القول فانّ الجواز هو خیر" (۱)

☆ گفتگو میں تکلف اور چبا چبا کر باتیں کرنا بھی ناپسندیدہ عمل ہے :

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء في المتشدق، حديث: ۵۰۰۸، امام سیوطی جامع صغیر میں اس روایت پر حسن کا نشان لگایا ہے، مناوی کہتے ہیں: یہ حسن نہیں ہے، اس میں سلیمان بن عبدالحمید البهرانی ہیں، کاشف میں کہا ہے کہ: یہ ضعیف ہیں، اور اس پر دوسرے اعتراضات کئے ہیں: فیض القدير: حرف اللام: ۲۷۷/۵ المكتبة التجارية الكبرى، مصر

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل ایسے بلیغ شخص کو مبغوض رکھتا ہے جو گائے چبانے کی طرح چباچبا کر بات کرتا ہے " الذی یتخلّل تخلّل الباقرة بلسانها " (۱)

جو شخص لوگوں کے دلوں کو لبھانے کیلئے کلام کو بنائے تو اللہ عزوجل اس کی کسی بھی چیز کو روزِ قیامت قبول نہ فرمائیں گے " لم یقبل منه صرفًا ولا عدلًا " (۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے کسی قاضی کو جب معزول کیا گیا تو اس نے کہا: مجھے کیوں معزول کیا گیا؟ تو آپؒ نے فرمایا: مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارا کلام اور تمہاری گفتگو تمہارے فریقین جو مقدمہ لے کر تمہارے یہاں آتے ہیں ان کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے " انّ کلامك مع الخصمين أكثر من كلام الخصمين عليك" (۳)

☆ گفتگو شستہ، سلیس، مہذب اور ٹھہراؤ لئے ہوئے ہو کہ ہر شخص بات کو اچھی طرح سمجھ جائے، اور گفتگو میں تسلسل بھی قائم رہے، ضرورت کے موقع پر بات کو دوہرا کر کہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ کی گفتگو صاف اور واضح ہوتی، اس میں ٹھہراؤ ہوتا، بیٹھنے والا اس کو محفوظ کرلیتا "یحفظه من جلس الیه " (۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ: حضور ﷺ ایسا کلام فرماتے جس میں ٹھہراؤ ہوتا جس کو سننے والا سمجھ پاتا "یفهمه کلّ من سمعه " (۵)

---

(۱) ترمذی: باب ماجاء في المشدق، حدیث: ۵۰۰۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء في المتشدق في الكلام، حديث: ٥٠٠٦، منذری کہتے ہیں کہ: اس میں انقطاع کا شبہ ہے، کیونکہ ضحاک بن شرحبیل ان کا تذکرہ بخاری اور ابی حاتم نے کیا ہے اور صحابی سے ان کی کوئی روایت نہیں ذکر کی ہے۔

(۳) الاداب الشرعية : فی حفظ اللسان : ۱/ ۳۷

(۴) ترمذی: باب فی کلام النبی، حدیث: ٣٦٣٩، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ حدیث حسن ہے۔

(۵) ابوداؤد: باب في الهدى في الكلام، حديث : ٤٨٣٩

بسا اوقات ایک بات کا تین بار تکلم فرماتے "وکان کثیرًا ما یعید الکلام لتعقل عنه " (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضور ﷺ جب بات کرتے تو اتنا ٹھہر ٹھہر کر کہ اگر شمار کرنے والا ان کلمات کو شمار کرنا چاہتا تو شمار کرسکتا " لو عدّه العاد لأحصاه " (۲)

آپ ﷺ مختصر و مفید گفتگو فرماتے، اگر کلمات زیادہ ہوتے تو وہ فضولیات پر مشتمل نہ ہوتے اور نہ ہی اس میں کچھ کمی کوتاہی رہ جاتی ۔ اسی طرح آپ ﷺ ایسی گفتگو فرماتے جس میں ثوابِ آخرت کی امید ہوتی لایعنی سے پرہیز فرماتے۔

☆ تین مواقع سے جھوٹ بولنے کی اجازت ہے :

حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ: ہر جھوٹ ابن آدم کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے سوائے تین مواقع کے، ایک تو آدمی اپنی بیوی کو راضی کرنے کیلئے جھوٹ بولے، یا کوئی جنگی چالاکی کیلئے جھوٹ بولے، یا کوئی آدمی دو اشخاص کے درمیان صلح کرنے کیلئے جھوٹ بولے "أو رجل كذب بين امرأين مسلمين ليصلح بينهما " (۳)

---

(۱) ترمذی: باب فی کلام النبی، حدیث: ۳۶٤۰، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب صفة النبی صلی اللہ علیه وسلم، حدیث: ۳۳۷٤

(۳) مجمع الزوائد : باب فی سرایاه، حدیث: ۱۰۳۵۵، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے راویت کیا ہے اور اس میں شہر بن حوشب ہیں اور ان کی توثیق کی گئی ہے اور ان میں کچھ ضعف ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

سلام: آداب واحکام

تمام دنیا کے متمدن قوموں اور گروہوں میں ملاقات کے وقت پیار ومحبت یا جذبۂ اکرام وخیر اندیشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس ومسرور کرنے کیلئے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے، اور آج بھی ہے، ہمارے ملک ہندوستان میں ہمارے برادرانِ وطن ہندو لوگ ملاقات کے وقت ''نمستے'' کہتے ہیں، یورپ کے لوگ صبح کے وقت ''گڈ مارنینگ'' (اچھی صبح) اور شام کی ملاقات کے ''گڈ ایوینگ'' (اچھی شام) اور رات کی ملاقات کے میں ''گڈ نائیٹ'' (اچھی رات) وغیرہ کہنے کا رواج ہے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت عربوں میں بھی اس طرح کے کلمات ملاقات کے وقت کہنے کا رواج تھا۔

☆ اسلام نے مخاطب کو مانوس اور قریب کرنے کیلئے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کے الفاظ سکھائے ہیں۔

حضرت عمران بن حصین ؓ کا یہ بیان ہے کہ: ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت میں آپس میں '' انعم اللّٰہ بك عینًا '' (خدا تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب کرے) اور '' أَنْعِمْ صَبَاحًا '' (تمہاری صبح خوش گوار ہو) کہا کرتے تھے، جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئے تو ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی یعنی ہمیں اس کے بجائے ''السلام علیکم'' کی تعلیم دی گئی۔ (۱)

آج بھی کوئی غور کرے تو واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کلمۂ محبت وتعلق اور اکرام وخیر اندیشی کیلئے سوچا نہیں جا سکتا...... ذرا اس کی معنوی خصوصیات پر غور کیجئے، یہ بہترین اور

---

(۱) سنن ابی داؤد: باب فی الرجل أنعم اللّٰہ بك عینا، حدیث: ۵۲۲۷، علامہ حجر نے کہا ہے کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں؛ لیکن یہ روایت منقطع ہے: فتح الباری: باب بدء السلام: ٤/١١

نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ: اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے، یہ اپنے چھوٹوں کے شفقت اور رحمت اور پیار و محبت کا بھی کلمہ ہے اور بڑوں کیلئے اس میں اکرام و تعظیم بھی ہے، اور پھر لفظ ''السلام'' اسماءِ الٰہیہ میں سے ہے، قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ اکرام اور بشارت کے استعمال فرمایا گیا ہے اور اس میں عنایت اور پیار و محبت کا رس بھرا ہوا ہے۔

اس لئے ملاقات کے وقت ''السلام علیکم'' سے بہتر کوئی کلمہ نہیں، یہ اسلام کا شعار ہے اس لئے آپ نے بڑی تاکید فرمائی ہے، اور بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں:

ابن عربی نے احکام القران میں ابن عیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: " أتدری ما السلام؟ یقول أنت آمن منّی " یعنی تم جانتے ہو کہ سلام کیا چیز ہے؟ سلام کرنے والا یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے مامون ہو۔

بہر حال اسلامی سلام ایک عالمگیر جامعیت کا حامل ہے:

۱۔ اس میں اللہ کا ذکر بھی ہے۔

۲۔ تذکیر بھی۔

۳۔ اپنے مسلمان بھائی سے اظہارِ تعلق و محبت بھی۔

۴۔ اس کیلئے بہترین دعاء بھی۔

۵۔ اور اسے یہ معاہدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

☆ سلام یہ اللہ عزوجل کا عطیہ ہے، اس لئے اللہ کے اس عطیہ کو قبول کرتے ہوئے اس کو خوب رواج دیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اپنی صورت میں فرمائی، آپ علیہ السلام ساٹھ ہاتھ لامبے تھے، اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد فرمایا کہ: فرشتوں کی فلاں بیٹھی ہوئی

جماعت کے پاس جایئے اور انہیں سلام کیجئے، اور ان کا جواب غور سے سنئے، کیوں کہ وہی جواب آپ علیہ السلام کیلئے اور آپ علیہ السلام کی اولاد کیلئے ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام جب ان فرشتوں کے پاس پہنچے تو فرمایا: "السلام علیکم" اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا: "السلام علیك ورحمة الله" (۱)

☆ افضل طریقہ یہ ہے کہ ملاقات کے وقت پورا سلام کیا جائے، یعنی "السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته" صرف "السّلام علیکم" کہہ دیا تب بھی سلام ہوجائے گا، لیکن تین جملے بولنے میں زیادہ اجر وثواب ہے۔

حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: "السّلام علیکم" آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس (یعنی اس بندے کیلئے اس سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے کہا: "السّلام علیکم ورحمة الله" آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیس (یعنی اس کیلئے بیس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک تیسرا شخص آیا، اس نے کہا: "السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته" آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا، اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیس (یعنی اس کیلئے تیس نیکیاں لکھی گئیں) "فقال النبی صلی الله علیه وسلم ثلاثون" (۲)

☆ ہر مسلمان کو سلام کیجئے، چاہے اس سے پہلے تعارف اور تعلقات ہوں یا نہ ہوں۔

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: اسلام کا بہترین عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: غریبوں کو کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا، چاہے تمہاری اس سے پہچان ہو یا نہ ہو؟ "وتقرأ السلام علی من عرفت وعلی من لم تعرف" (۳)

---

(۱) بخاری: باب بدء السلام: حدیث: ۵۷۵۹

(۲) ترمذی: باب تبلیغ الاسلام، حدیث: ۲۶۸۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) بخاری: باب السلام للمعرفة وغیر المعرفة، حدیث: ۶۲۳۶

☆ سلام کے جواب کا اہتمام کریں، یہ نہایت بابرکت اور اجر وثواب والی چیز ہے۔

امام مالکؒ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے طفیل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ”میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ہمیں ساتھ لے کر بازار جاتے اور جس دوکاندار اور جس گاہک اور فروخت کرنے والے کے پاس اور جس کسی مسکین اور غریب کے پاس سے گذرتے تو بس سلام کرتے (اور کچھ خرید وفروخت کے بغیر واپس آجاتے) ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو معمول کے مطابق مجھے ساتھ لے کر بازار جانے لگے، میں نے عرض کیا کہ: آپ بازار جا کر کیا کریں گے؟ نہ تو آپ کسی دکان پر کھڑے ہوتے ہیں، نہ کسی چیز کا سودا کرتے ہیں، نہ بھاؤ تاؤ ہی کی بات کرتے ہیں؟ اور بازار کی مجلسوں میں بھی نہیں بیٹھتے (پھر بازار کس لئے جائیں) یہیں بیٹھے، باتیں ہوں اور ہم استفادہ کریں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہم تو صرف اس غرض اور اس نیت سے بازار جاتے ہیں کہ جو سامنے آجائے اس کو سلام کریں (اور ہر سلام پر کم از کم دس نیکیاں کما کر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بندگانِ خدا کے جوابی سلاموں کی برکت حاصل کریں)۔

اور ایک روایت میں ہے ”سلِّمْ علی من لقیت من أمتي، تکثر حسناتك“ (۱) میری امت کے جس فرد سے ملاقات ہوا سے سلام کیا کرو، اس سے تمہاری نیکی میں اضافہ ہوگا۔

☆ سلام میں سامنے والے سے پہل کر کے اجرِ آخرت کے بڑے حصہ کے حقدار بنیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ: جو سلام میں پہل کرتا ہے تو وہ کبر سے بری ہے، تکبر اس کے پاس بالکل نہیں ہوتا، امام بیہقی نقل کرتے ہیں کہ ”البادی بالسلام بریٔ من الکبر“ سلام میں پہل کرنے والا کبر سے بری ہے۔ (۲)

---

(۱) المعجم الأوسط، حدیث: ۲۹۱۵

(۲) شعب الایمان: الحادی والستون من شعب الایمان، حدیث: ۸۷۸۶، علامہ مناوی نے اس حدیث کے تعلق سے کہا ہے کہ: اس کے ایک راوی ابو الاحوص ہیں جن کے بارے میں ابن معین نے کہا ہے کہ: یہ کچھ بھی نہیں ہیں، اور علامہ ذہبی نے ان کو ضعفاء میں شمار کیا ہے: فیض القدیر: ۲۱۵/۳، المکتبة التجاریة الکبری، مصر

حضرت عبداللہ بن مطرف شخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”روئے زمین پر کوئی بھی سلام میں پہل کرتا ہے تو یہ اس کیلئے قیامت تک کیلئے صدقہ ہے ”ما علی وجه الأرض رجل يبدأ اخر بالسلام الاّ كان ذلك صدقة عليه يوم القيامة “ (روئے زمین پر کوئی بھی سلام میں پہل کرتا ہے تو یہ اس کیلئے روزِ قیامت کے دن صدقہ ہوگا۔ (۱)

اور حضرت زید بن وہب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: جو آدمی کسی جماعت کے پاس سے گذرے اور ان کو سلام کرے اور وہ حضرات اس کے سلام کا جواب دیں ” كان له فضل درجة عليهم لأنّه أذكرهم بالسلام “ (۲) تو اس کو ان لوگوں کو سلام یاد دلانے کی وجہ سے ایک درجہ کی فضیلت حاصل ہوگی۔

☆ سلام کو رواج دینے اور کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کرنے سے محبت اور مودت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تم ایمان کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوسکو گے، اور کامل ایمان سے سرفرازی اس وقت تک نہ ہوسکے گی جب تک کہ تمہارے تعلقات محبت کے دائرے میں نہ آجائیں، پھر فرمایا: ” أولا أدلّكم على شيء اذا فعلتموه تحاببتم افشوا السلام بينكم “ (۳)

کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں کہ اگر تم اسے کرنے لگو گے تو تم میں محبت پیدا ہوجائے گی؟ (پھر فرمایا:) آپس میں سلام کو عام کرو۔

اگر کسی معاشرہ میں سلام کا چلن ہونے لگتا ہے تو لوگوں کے اخلاق عمدہ ہونے لگتے ہیں، تواضع کی صفت ان میں پیدا ہوتی ہے، اور ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے برے جذبات پر روک لگتی ہے اور محبت اور الفت عام ہوتی ہے، اس طرح معاشرہ صرف اس ایک سنتِ نبوی کے عام کرنے پر بہت ساری بیماریوں سے محفوظ ہوکر ایک دوسرے سے مربوط اور متعلق ہوجاتا ہے۔ (۴)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة: فی الذی یبدأ بالسلام، حدیث: ۲۵۷۵۵

(۲) مصنف ابن ابی شیبة : فی الذی یبدأ بالسلام، حدیث : ۲۵۷۵٦

(۳) مسلم: باب أنّ لا یدخل الجنّة الا المومنون، حدیث: ٥٤

(۴) فتح الباری : ۱۱/ ۱۱۳

☆ سلام کی ابتداء کرنا بڑا اجر وثواب کا باعث ہے، اور سنت ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے ”وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا“ (۱)

فرمایا کہ: (جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس کے سلام کا بڑھ کر جواب دو یا کم از کم ویسا جواب دو جیسا کہ اس نے سلام کیا) مثلاً کسی نے ”السلام علیکم“ کہا تو تم اس کے جواب میں ”وعلیکم السلام ورحمة الله وبركاته“ کہو؛ تا کہ جواب سلام سے بڑھ کر ہو جائے، ورنہ کم از کم ”وعلیکم السلام“ ہی کہہ دو؛ تا کہ جواب برابر ہو جائے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ”السلام تطوع والردّ فريضة “یعنی ابتداءِ سلام کرنے میں تو اختیار ہے اور سلام کا جواب دینا فرض ہے۔ (۲)

☆ چھوٹے بچوں کو بھی سلام کریں، یہ بچوں کو سلام سکھلانے کا بہترین طریقہ ہے اور نبی کریم ﷺ کی سنت بھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس سے گذرے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا: نبی کریم ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے ”فسلم عليهم، وقال: كان النبی ﷺ يفعله“ (۳)

☆ ہمیشہ زبان سے السلام علیکم کہہ کر سلام کریں، اگر کبھی زبان سے السلام علیکم کہنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرنے کی ضرورت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت اسماء بنت یزیدؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ مسجد کے پاس سے گذرے، وہاں کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا ”فألوى يده بالتسليم“ (۴)

---

(۱) النساء: ۸٦

(۲) الدر المنثور: ۲/۶۰۷، دار الفكر، بيروت

(۳) بخاری: باب التسليم على الصبيان، حديث: ۱٦۲٤۷

(۴) ترمذی: باب ما جاء فی التسلم على النساء، حديث: ۲٦۹۷

☆ اگر اپنے کسی بزرگ، دوست یا عزیز کو کسی دوسرے کے ذریعہ سلام کہلوانے کا موقع ہو یا کسی کے خط لکھوانے کا موقع ہو تو اس موقع سے سلام کہلوایئے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: عائشہ! جبرئیل علیہ السلام تم کو سلام کہہ رہے ہیں، میں نے کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (۱)

☆ اگر کسی سے ملاقات اور سلام کے بعد دو چار سکنڈ کیلئے بھی ایک دوسرے سے علاحدہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر ملیں تو دوبارہ سلام کیا جائے، اور دوسرا اس کا جواب دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو چاہئے کہ اس کو سلام کرے، اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا کوئی پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے (اور تھوڑی دیر کیلئے ایک دوسرے سے غائب ہو جائیں) اور اس کے بعد دوبارہ سامنا ہو تو پھر سلام کرے "فان حالت بینھما شجرۃ أو جدار أو حجر ثُمّ فلیسلّم علیه" (۲)

☆ اپنے گھر یا کسی مجلس میں آؤ اور پھر وہاں سے جانے لگو تو سلام کرو:

حضرت قتادہ (تابعی) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو اور پھر جب گھر سے نکلو تو وداعی سلام کرو" اذا دخلتم بیتًا فسلمّوا علی أھله واذا خرجتم فأدعوا أھله بسلام " (۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو چاہئے کہ (اوّلاً) اہل مجلس کو سلام کرے، پھر بیٹھنا مناسب سمجھے تو

---

(۱) بخاری: کتاب الاستیذان، باب التسلیم علی النساء والنساء علی الرجال، حدیث: ٦٢٤٩

(۲) ابوداؤد باب فی الرجل یفارق ثمّ یلقاہ أیسلم علیه ؟ ، حدیث: ۵۲۰۰ ، علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن ہے :فیض القدیر : حرف الھمزۃ : ۴۳۶/۱

(۳) شعب الایمان: فصل فی سلام من خرج من بیته، حدیث: ۸۸۴۵ علامہ مناوی نے کہا ہے کہ: یہ روایت مرسل اور جید الاسناد ہے: فیض القدیر: حرف الھمزۃ : ۳۴۱/۱

بیٹھ جائے، پھر جانے لگے تو پھر سلام کرے اور پہلا سلام بعد والے سلام سے (اعلیٰ اور بالا نہیں ہے) "ثمّ اذا قام فلیُسلّم فلیست الأولیٰ بأحقّ من الآخرة" (۱) یعنی بعد والے رخصتی کے سلام کا بھی وہی درجہ ہے جو پہلے کا ہے، اس سے کچھ کم نہیں۔

☆ چھوٹا بڑے کو، راستہ سے گذرنے والا بیٹھنے والے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو سلام کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے اور راستہ سے گذرنے اور چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کریں "یسلّم الصغیر علی الکبیر والمارّ علی القاعد، والقلیلُ علی الکثیر" (۲)

☆ مجلس میں ایک کا سلام کرنا اور ایک کا جواب دینا کافی ہے :

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرکے بیان فرمایا کہ: گذرنے والی جماعت میں سے اگر کوئی ایک سلام کرے تو پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک جواب دے تو سب کی طرف سے کافی ہے "یُجزیٔ عن الجماعة اذا مرّوا أن یُسلّم أحدھم ویجزیٔ عن الجلوس أن یردّ أحدھم" (۳)

☆ اگر کوئی کسی شرعی عمل میں مصروف ہو مثلاً کوئی دین کی بات کر رہا ہو اور دوسرے سن رہے ہوں، یا تلاوتِ قرآن یا اذکار میں مصروف ہو یا ایسی حالت میں ہو جس میں اس شخص کو اذیت اور تکلیف ہو سکتی ہو مثلاً وہ سو رہا ہو یا کھا رہا ہو تو سلام کرنا جائز نہیں۔

---

(۱) ترمذی: التسلیم عند القیام، حدیث: ٢٧٠٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب تسلیم القلیل علی الکثیر، حدیث: ٥٨٧٧

(۳) ابوداؤد: باب ما جاء فی رد الواحد عن الجماعة، حدیث: ٥٢١٠، علامہ حجر فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد، بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے اور اس کا ایک شاھد حسن ابن علی کی روایت طبرانی کے یہاں ہے اور اس کی سند میں کلام ہے اور ایک موطا میں زید بن اسلم کی مرسل روایت ہے: فتح الباری: باب بدء السلام: ٧/١١

حضرت مقداد ابن الاسود ؓ ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ اصحابِ صفہ کے پاس تشریف لاتے تو آپ ﷺ اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ جاگتے اور جاگنے والے سن لیتے، "فیُسلّم تسلیمًا لا یُوقظ النّائم ویُسمع الیقظان " (۱)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ: اسی طرح مکروہ ہے سلام کرنا اس کو جو سلام کے جواب دینے سے عاجز ہو جیسے کھانے والا یا شرعاً عاجز ہو جیسے نماز پڑھنے والا، تلاوتِ قرآن کرنے والا، اور اگر وہ سلام کرے تو جواب کا مستحق نہیں ہوگا۔

☆ وضو کرنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے:

حضرت مہاجر بن قنفذ ؓ نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو وضو کی حالت میں سلام کیا تو آپ ﷺ نے وضو سے فارغ ہونے تک اس کا جواب نہیں دیا" فلم یردّ علیه حتی فرغ من وضوئه " پھر جواب دیا اور فرمایا: "انّه لم یمنعنی أن أردّ علیك الا انّی کرهت أن أذکر الله عزوجل الا علی طهارة " (۲)

☆ ایسے ہی قضاءِ حاجت کرنے والے کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے:

چونکہ حضور ﷺ نے اس شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا جس نے آپ ﷺ کو پیشاب کرنے کی حالت میں سلام کیا تھا" لم یردّ علی الذی سلّم علیه وهو یبول "(۳)

☆ اسی طرح عورت کو بھی سلام نہ کیا جائے، الا یہ کہ وہ بوڑھی ہو:

ابن الجوزی نے "الحلیۃ" میں زبیدی سے نقل کیا ہے اور عطاء خراسانی نے یہ حدیث مرفوعاً نقل کی ہے کہ " لیس للنساء سلام، ولا علیهنّ سلام " (۴)

---

(۱) مسلم: باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ، حدیث: ۲۰۵۵

(۲) مسند احمد: حدیث المهاجر بن قنفذ، حدیث: ۲۰۷۸۰، امام نووی خلاصة الأحکام: باب المواضع التی نهی عن قضاء الحاجة، حدیث: ۳۵۶، میں فرماتے ہیں کہ: یہ روایت صحیح ہے اس کو ابوداؤد، نسائی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب أیرد السلام وهو یبول، حدیث: ۱۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۴) الاداب الشرعیة: فصل فی السلام: ۳۵۲/۱، مؤسسة الرسالة، بیروت

☆ ایسا شخص جو علانیہ فسق وفجور میں مبتلا ہو، اس کی حوصلہ شکنی اور اصلاح کی غرض سے اس کو سلام نہیں کرنا چاہیئے، ہاں البتہ خیال رہے کہ کسی فاسق وفاجر کو سلام نہ کرنے کی وجہ سے تعلقات میں مزید تلخی ہو سکتی ہو تو سلسلہ سلام اس کی ایذاء رسانی سے بچنے کیلئے رکھنا چاہیئے۔

☆ فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں، اگر کسی غیر مسلم سے ملاقات اور اسے سلام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو سلام کے لئے وہ لفظ استعمال کرے جو لفظ وہ لوگ خود استعمال کرتے ہیں، لیکن اگر غیر مسلم کسی مسلمان سے ملاقات کے وقت ''السلام علیکم'' کہے تو اس کے جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہے اور پورا جواب نہ دے اور جواب دیتے وقت یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو ہدایت اور مسلمان بننے کی توفیق ملے۔ (۱)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ہرقل کے نام جو مکتوب بھیجا تھا اس میں سلام کے یہ الفاظ تھے ''سلام علی من اتبع الهدی'' (۲) سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فقہ وفتاوی کی روشنی میں چند ایک سلام سے متعلق اور آداب اور کوتاہیوں کا تذکرہ کیا ہے۔

☆ بجائے سلام کے آداب یا سلام مسنون لکھنا، فرمایا بجائے سلام کے آداب کہنا یا لکھنا بدعت ہے؛ کیوں کہ یہ تغیر مشروع ہے (یعنی شریعت کو بدلنا ہے) البتہ بعد سلام اس قسم کے ادب کے کلمات لکھنے کا مضائقہ نہیں۔

اگر خط میں کوئی یہ لکھے کہ ''بعد سلام مسنون عرض ہے'' تو چونکہ شریعت میں یہ صیغہ سلام کا نہیں؛ بلکہ السلام علیکم ہے، اس لئے صیغہ سے سلام کا جواب دینا واجب نہ ہوگا، سلام کا جواب جب ہی واجب ہوگا جب اصل صیغہ سے سلام ہو جو حضور اکرم ﷺ سے منقول ہے۔

خطوط میں جو سلام لکھا ہوتا ہے اس کا جواب دینا واجب ہے، خواہ خط میں لکھے یا زبانی جواب دے، بعض بچوں کی طرف سے خطوں میں جو سلام لکھا ہوا آتا ہے تو عام طور پر

---

(۱) در مختار: کتاب الحظر والاباحة: ۵۹۱/۹، مکتبہ زکریا دیوبند

(۲) بخاری: کتاب بدء الوحی، حدیث:۷

عادت یہ ہے کہ اس سلام کے جواب میں صرف دعاء لکھ دیتے ہیں؛ مگر میرے نزدیک اس سے جواب ادا نہیں ہوتا؛ اس لئے سلام اور دعاء دونوں لکھتا ہوں۔

☆ اور فرماتے ہیں کہ: سلام کے وقت جو اکثر لوگوں کی عادت ہاتھ اٹھانے کی ہے اس کا ترک کرنا میرے نزدیک ضروری ہے؛ کیوں کہ سلام کے ادا ہونے میں تو ہاتھ اٹھانے کو کوئی دخل نہیں، بس ہاتھ اٹھانا محض تعظیم کیلئے ہے اور غالبا اس کی اصل یہ ہے کہ بعض سلاطین نے اپنے سلام کیلئے سجدہ تجویز کیا تھا، چند روز تک وہ سجدہ اپنی اصلی ہیئت پر رہا، پھر چونکہ ہر وقت زمین پر جھکنے میں ایک گونہ تکلف تھا، اس لئے کف دست (یعنی ہاتھ کی ہتھیلی) کو زمین کے قائم مقام کر کے اس پر پیشانی رکھنا اور کچھ جھکنا شروع کر دیا، چنانچہ یہ رسم آج تک اسی ہیئت سے باقی ہے جو ناپسندیدہ ہے۔

البتہ اگر مخاطب دور ہو کہ وہاں تک سلام کی آواز پہنچنا مشکوک ہو تو اعلام (اطلاع) کیلئے ہاتھ سے اشارہ کر دینا جائز ہے؛ لیکن پیشانی ہاتھ پر لگانے کی کوئی وجہ نہیں۔ (۱)

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۵۹

مصافحہ کے آداب

☆ ملاقات کے وقت محبت مسرت اور جذبۂ اکرام واحترام کے اظہار کا ذریعہ سلام کے علاوہ اس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے، اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من تمام التحيّة الأخذ باليد“ (۱) سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔

☆ مصافحہ نہایت اجر وثواب کا باعث اور اس کی برکتیں بے انتہا ہیں:

حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اذا التقى المسلمان فتصافحا وحمدا الله واستغفراه غُفر لهما“ (۲)

جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو، اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو جائے گی۔

حضرت عطا خراسانی تابعیؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم باہم مصافحہ کیا کرو، اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی ”تصافحوا يذهب الغلّ“ (۳)

---

(۱) ترمذی: المصافحة، حدیث: ۲۷۳۰، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے، علامہ حجر نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے: فتح الباری: ۵۶/۱۱

(۲) ابوداؤد: باب فی المصافحة، حدیث: ۵۲۱۱، منذری کہتے ہیں کہ: حافظ نے کہا ہے کہ: اس روایت میں ابوبلج ہے جن کو یحییٰ بن ابی الاسود کہتے ہیں، ان کے سلسلے میں کلام آئے گا، اور اگر یہ نام الاجلح ہے تو ان کا نام یحیی بن عبد اللہ ابوحجیۃ الکندی ہے اور اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے: الترغيب والترهيب: كتاب الأدب وغيره، حدیث: ۴۱۱۱

(۳) موطا مالك: باب ما جاء في المهاجرة، حدیث: ۳۳۶۸، علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ: یہ حدیث جید ہے: المقاصد الحسنة: ۲۷۱/۱، دار الكتاب العربی

☆ خود رسول اکرم ﷺ کا معمول مصافحہ کا تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میری جب بھی آپ ﷺ سے ملاقات ہوتی، آپ ﷺ نے ضرور ہی مصافحہ فرمایا "ما لقیته قط الا صافحنی" (۱)

اسی لئے مصافحہ کے مسنون اور مستحب ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے، امام نوویؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (۲)

☆ البتہ غیر محرم عورت سے مصافحہ درست نہیں۔

حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں کچھ مسلمان خواتین کے ساتھ نبی علیہ السلام کی خدمت میں بیعت کیلئے حاضر ہوئی اور ہم سب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ ﷺ کے پاس ان شرائط پر بیعت کرنے کیلئے آئے ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، بدکاری نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کوئی بہتان اپنے ہاتھوں، پیروں کے درمیان نہیں گھڑیں گی، اور کسی نیکی کے کام میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی، نبی علیہ السلام نے ہمیں لقمہ دیا کہ اور حسب استطاعت اور بقدر طاقت ایسا ہی کریں گی، میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہم پر ہم سے زیادہ رحم والے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں بیعت کر لیجئے، نبی علیہ السلام نے فرمایا (جا میں نے تم سب کو بیعت کر لیا) میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، "إنی لا أصافح النساء" سو عورتوں سے بھی میری وہی بات ہے جو ایک عورت سے ہے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے ہم میں سے کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا۔ (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب فی المعانقة، حدیث: ٥٢١٤، علامہ حجر فرماتے ہیں کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے اس مبہم آدمی کے: فتح الباری: باب المعانقة: ٥٩/١١

(۲) فتح الباری: ٥٧/١١

(۳) مسند احمد: ٦٨٨٠

البتہ بوڑھی عورتیں جن میں شہوت نہ ہو ان سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ آپ ﷺ کا بوڑھی عورتوں سے بیعت میں مصافحہ کرنا منقول ہے۔ (۱)

☆ کافر سے مصافحہ کرنا ناپسندیدہ ہے: حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ وہ مسلمان کے یہودی اور نصرانی سے مصافحہ کو ناپسند کرتے تھے "أنه كان يكره أن يصافح المسلم اليهودي والنصراني" (۲)

☆ مصافحہ دو ہاتھ سے کرنا مسنون ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "علمني رسول الله التشتهد وكفي بين كفيه" رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس حال میں تشہد سکھایا کہ میری ہتھیلی آپ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔ یہ مصافحہ تشہد سکھلانے کیلئے نہیں کیا گیا بلکہ مصافحہ ہی کے وقت تشہد کی تعلیم دی گئی۔ (۳)

امام بخاریؒ نے (باب المصافحہ) کے تحت آنے والی چار حدیثوں میں اسے سب سے پہلے نقل کیا اور اس کے بعد ایک دوسرا عنوان ہے "باب الاخذ باليدين" (دونوں ہاتھ تھامنا) اس کے ذیل میں جلیل القدر محدث اور فقیہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور حضرت حماد بن زیدؒ کا عمل نقل کیا ہے "صافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه" حماد بن زید نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان تابعینؒ یا تبع تابعینؒ کے عہد میں دو ہاتھ سے مصافحہ کا معمول تھا، اور ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ طریقہ صحابہ یا تابعین سے سیکھا ہوگا۔

---

(۱) أحكام القبل والمصافحة والقيام: ۲۳

(۲) مصنف ابن ابی شیبه: باب في مصافحة غير المسلم من النصاري والمجوس، حديث: ۲۵۷۲۶، اس کی سند صحیح ہے، اس طرح کی دیگر روایتیں جو کراہت پر دلالت کرتی ہیں حضرت عطاءؒ وغیرہ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہیں۔

(۳) بخاری: باب الأخذ باليدين، حديث: ۵۹۱۰

اس عمل کے بعد امام بخاریؒ نے دوبارہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان فرمایا ہے اور اس کے علاوہ اس عنوان کے ذیل میں کوئی دوسری حدیث نقل نہیں کی ہے، ان کے اس طرز بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں اس روایت سے نفس مصافحہ کا ثبوت ہوتا ہے، اور مصافحہ کی کیفیت اور طریقہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کیا جائیگا۔

امام بخاریؒ نے ''الادب المفرد'' میں عبدالرحمٰن بن رزیم سے نقل کیا ہے کہ ہم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دی، ان کو سلام کیا، انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ نکالے اور فرمایا کہ: میں نے ان دونوں ہاتھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے ''بایعت بهاتين نبي الله صلى الله عليه وسلم '' (۱)

بعض روایات میں مصافحہ کی کیفیت کو بتاتے ہوئے ہاتھ کو جمع کے صیغہ سے تعبیر فرمایا ہے جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''لا يفرق بين أيديهما حتى يغفر لهما '' کہ مصافحہ کرنے والے اپنے ہاتھوں کو الگ نہیں کرتے کہ ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی اسی طرح کے الفاظ منقول ہیں، یہ تعبیر بھی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کو ظاہر کرتی ہے؛ کیوں کہ دونوں طرف سے دونوں ہاتھ مل کر ہی جمع بن سکتے ہیں، جو عربی کے عین مطابق، تین یا اس سے زیادہ کو شامل ہوتا ہے، اگر ایک ہی ہاتھ ہو تو حدیث میں اس کیلئے ''یدین'' یعنی عربی قاعدہ کے مطابق ''تثنیہ'' کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ما من مسلمين التقيا أخذ أحدهما بيد صاحبه الا كان حقا على الله عزوجل ان يحضر دعائما ولا يفرق بين ايديهما حتى يغفر لهما '' (۲)

جب دو مسلمان باہم ملتے ہیں اور ان میں سے ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ تھام لیتا ہے تو

---

(۱) فتح الباري: باب الأخذ باليد : ۱۱: ۵۸

(۲) ترمذی: باب المصافحة ، حدیث: ۲۷۲۷ ، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرنے کی ذمہ داری لے لیتے ہیں، اور ہاتھوں کے الگ ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

البتہ جن روایتوں میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی بات آئی ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ : اذا صافحه لم ينزع يده من يده حتى يكون هو الذى ينزعها " (۱)

اور جب کسی سے مصافحہ کرتے تو اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہ کھینچتے یہاں تک کہ دوسرا شخص اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا۔

اس قسم کی روایات میں جو "يد" کا لفظ آیا ہے جو ایک ہاتھ پر دلالت کرتا ہے، لیکن اس قسم کی روایتیں ایک ہاتھ سے مصافحہ کیلئے صریح اور واضح نہیں ہیں، کیونکہ "يد" واحد بول کر بھی دونوں ہاتھ مراد لئے جاسکتے ہیں، اس لئے کہ ہر زبان میں کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں ان میں واحد اور جمع دونوں کی گنجائش ہوتی ہے، موقع اور محل کے اعتبار سے ایک معنی مراد لیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ: اس کی آنکھ بڑی ہے، اور اس سے اس کی دونوں آنکھیں مراد ہوتی ہیں اور ایسے ہی مشہور حدیث کے الفاظ ہیں جس میں "يد" واحد بول کر دونوں ہاتھ مراد لئے گئے ہیں، "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده " (۲) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

اس حدیث میں "يد" واحد استعمال ہوا ہے، لیکن مراد صرف ایک ہاتھ نہیں، بلکہ پوری جنس "يد" یعنی دونوں ہاتھ مراد ہیں، اور ایک روایت میں "يد" واحد استعمال ہوا ہے لیکن مراد دونوں ہاتھ ہیں، "اذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمسن يده فى الاناء حتى يغسلها ثلاثا فانه لا يدرى أين باتت يده " جب تم میں سے کوئی

---

(۱) ابن ماجة : باب اكرام الرجل جليسه ،حديث: ۳۷۱٦، کنز العمال میں اس روایت کو حسن کہا گیا ہے۔

(۲) بخاری: باب المسلم من سلم ،حديث: ۱۰

سو کر اٹھے تو ہاتھ کو تین مرتبہ دھلنے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گذاری ہے۔ (۱)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے بھی ثابت ہے اور دونوں ہاتھوں سے بھی؛ لیکن چوں کہ آج کل غیر مسلم اقوام کا طریقہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ہے نیز ایک ہاتھ سے مصافحہ والی روایتیں مبہم ہیں اور دو ہاتھ سے مصافحہ والی روایتیں مصافحہ کی کیفیت بیان کرنے کیلئے آئی ہیں اور زیادہ واضح ہیں؛ اس لئے دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنا افضل ہے اور ایک ہاتھ سے جائز ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: "والحق فيه أن مصافحته صلى الله عليه وسلم ثابتة باليد واليدين إلا أن المصافحة بيد واحدة لما كانت شعار أهل الأفرنج وجب تركه لذالك" (۲)

اس بارے میں حق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک ہاتھ سے بھی مصافحہ کرنا ثابت ہے اور دو ہاتھ سے بھی، مگر ایک ہاتھ سے مصافحہ چوں کہ انگریزوں کا شعار ہے، اس لئے اس سے اجتناب واجب ہے۔

اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: " فبيد واحدة تجزي وباليدين أكمل" (۳) ایک ہاتھ سے بھی مصافحہ کرنا کافی ہے اور دو ہاتھوں سے زیادہ اکمل طریقہ ہے، اس لئے اس مسئلہ میں زیادہ شدت اختیار نہ کرنا چاہئے، البتہ نمازوں کے بعد مصافحہ کا اہتمام کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ عمل ہے۔ (۴)

---

(۱) المعجم الاوسط: من اسمه عمرو، حديث: ۳۶۹۴، طبرانی کہتے ہیں کہ: اس روایت کو ابی الاشھب سے سوائے علی بن عاصم کے کسی نے ذکر نہیں کیا ہے۔

(۲) العرف الشذي على الترمذي: ۱۰۱/۲

(۳) أوجز المسالك: ۱۹۳/۶

(۴) أحكام القبل والمصافحة والقيام: ۲۳

☆ مصافحہ کے بعد جو ہاتھ چومنے کی رسم ہے اس کو موقوف کر دینا چاہئے ؛ کیوں کہ اصل سنت تو مصافحہ ہے، ہاتھ چومنا گو جائز سہی لیکن سنت تو نہیں، ہاں اس کی بنیاد شوق ہے، اس لئے اگر شوق ہے تو مضائقہ نہیں ؛ لیکن یہ وجدانی بات ہے کہ کسی وقت شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی وقت نہیں ہوتا، جب نہ ہوا تو اس وقت (بھی ہاتھ چومنا) تصنع ہے اور تصنع (بناوٹ وتکلف) اکابرِ طریقت کے نزدیک برا ہے۔

ایک صاحب نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے پاؤں پکڑنا چاہے تو حضرت نے مزاحًا فرمایا کہ پاؤں پکڑنے کی رسم پہلوانوں کی ہے کہ وہاں پاؤں پکڑ کر دوسرے کو گراتے ہیں، اس لئے "من تشبه بقوم فهو منهم" میں داخل ہونے کی وجہ سے (یہ طریقہ) قابل ترک ہے (نیز یہ تو ہندوؤں کا طریقہ ہے ؛ اس لئے بھی قابل ترک ہے۔

اس کے ممنوع ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی کے سامنے اس کی تعریف مت کرو، ایک شخص نے دوسرے کی مدح کی تھی آپ ﷺ نے فرمایا: "ويلك قطعت عنق أخيك" ارے بھلے مانس تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔ (۱)

☆ کن مواقع پر سلام نہیں کرنا چاہئے؟

اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس موقع پر سلام کرنے سے قلب مشوش ہو جائے (یعنی دل پریشان ہو جائے) اس موقع پر سلام نہ کرو اور اگر کسی ایسے موقع پر سلام کیا تو اس کا جواب دینا واجب نہیں۔

فقہاء نے بعض مواقع میں سلام کو مکروہ لکھا ہے (ان میں چند مواقع یہ ہیں)

۱- معصیت میں (یعنی جو شخص کسی معصیت میں مبتلا ہو) جیسے شطرنج کے کھیل وغیرہ۔
۲- نجاست میں جیسے بول وبراز میں (یعنی پیشاب پاخانہ کے وقت)۔
۳- حاجات میں جیسے کھانا کھانے یا پانی پینے میں۔
۴- طاعات جیسے نماز، تلاوت قرآن شریف وغیرہ کی مشغولی میں۔

---

(۱) اسلامی تہذیب: ۶۸

حضرت یافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جو شخص مشغول مع اللہ کو (جو طاعت وعبادات میں مشغول ہونے والے شخص کو) اپنی طرف مشغول کرے (شدید ضرورت اور مجبوری کے بغیر تو اس پر فورا وبال پڑتا ہے؛ اس لئے جب کوئی ذکر وغیرہ میں مشغول ہو تو اس وقت سلام نہ کیا جائے۔ (۱)

---

(۱) اسلامی تہذیب : ٦٦

معانقہ کے احکام

☆ محبت وتعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور گلے لگانا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع بھیجی، میں گھر پر موجود نہیں تھا، آیا تو خبر ہوئی، اور حاضر خدمت ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چار پائی پر تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چمٹالیا " فالتزمنی " (۱)

امام شعبیؒ تابعی سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا (جب وہ حبشہ سے واپس آئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے (یعنی معانقہ فرمایا) اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں (ان کی پیشانی کو) بوسہ دیا " فالتزمه وقبّل ما بين عينيه " (۲)

فتح خیبر کے موقع سے جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مارے خوشی کے بے تابانہ اٹھے اور ان کو گلے لگایا اور چوما، "فقام اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم

---

(۱) ابوداؤد: باب في المعانقة، حديث: ۵۲۱٤، علامہ حجر فرماتے ہیں کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے اس مبہم آدمی کے: فتح الباری: باب المعانقة: ۵۹/۱۱

(۲) ابوداؤد: باب فی قبلة ما بين العينين، حديث: ۵۲۲۰، ابن الملقن فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس روایت کے مرسل ہونے کے ساتھ اس میں اجلح الکندی ہیں یہ صدوق شیعہ ہیں اور ان کی کبھی توثیق بھی کی گئی ہے، اور ابونعیم نے اس کو بغیر اجلح کے متصلاً ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: عن عامر الشعبي، عن عبد الله بن جعفر عن أبيه جعفر قال: لما قدمت المدينة من عند النجاشي تلقاني رسول الله فاعتنقني ثم قال: ما أدر أنا بفتح خيبر أفرح أم بقدوم جعفر " پھر اس کے بعد اسی واقعہ اور اسی کے معنی کے مثل چار روایتیں اور ذکر کی ہیں اور ہر ایک کی سند پر بحث کی ہے، دیکھئے: البدر المنير: الحديث الثاني بعد العشرين: ۵۲/۹، دار الهجرة للنشر والتوزيع، الرياض

عريانا يجرّ ثوبه، والله ما رأيته عريانا قبله ولا بعده فاعتنقه وقبّله“(۱)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک قابل لحاظ مدت کے بعد ملاقات ہو تو اظہارِ محبت کیلئے معانقہ بھی کیا جاسکتا ہے، معانقہ محض گلے لگانے کا نام ہے، ہمارے یہاں تین بار جو معانقہ کا رواج ہے وہ صحیح نہیں۔

تقبیل اور بوسہ لینا

☆ بعض اوقات ملاقات کے وقت پاکیزہ جذبات کے اظہار کیلئے جوشِ محبت میں بوسہ لیتا ہے، اس طرح کا عمل بعض اوقات حضور ﷺ سے بھی ثابت ہے، فقہاء کرام نے احادیث اور شریعت کے اصول کو پیشِ نظر رکھ کر اس سلسلے میں یہ احکام مقرر کئے ہیں، بڑوں کے بوسہ کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ غیر محرم مرد و عورت کیلئے تو ایک دوسرے کا بوسہ لینا جائز ہے ہی نہیں، ایک مرد کا دوسرے مرد کا بوسہ لینا یا ایک عورت کا دوسری عورت کا بوسہ لینا عام حالات میں تو درست نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ: ایک دوست اپنے دوست یا بھائی سے ملاقات کرے تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس سے لپٹ جائیں اور اُسے گلے لگائیں اور اس کو چومیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر پوچھا گیا: کیا اس سے چمٹے اور بوسہ لے، تو آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا، پھر ہاتھ پکڑنے اور مصافحہ کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی ”قال لا قال أفيلتزمه ويقبله ؟ قال لا قال أفيأخذ بيده ويصافحه؟ قال نعم“ (۲)

البتہ جہاں شہوت کا اندیشہ نہ ہو وہاں گنجائش ہے، ایک دفعہ باہر سے حضرت زید بن حارثہ ؓ کی مدینہ منورہ واپسی پر فرطِ مسرت میں آپ ﷺ نے ان سے معانقہ کیا اور بوسہ دیا ” فاعتنقه وقبله “ (۳)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في المعانقة والقُبلة، حديث: ۲۷۳۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب المعانقة والقبلة، حديث: ۲۷۲۸، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۳) ترمذی: باب المعانقة والقبلة، حديث: ۲۷۳۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

اسی طرح وفدِ عبدالقیس آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہوا تو شرکاءِ وفد نے آپ ﷺ کے دستِ مبارک کا بوسہ لیا" فتقبل يد النبی صلی الله عليه وسلم ورجله" (۱)

☆ علامہ حصکفیؒ درمختار میں فرماتے ہیں کہ: "ولا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع علی سبيل التبرك، وأنّه لا بأس بتقبيل يد الحاكم والمتدين وتقبيل رأسه أی العالم أجود، ولا رخصة فی تقبيل اليد لغيرهما وفی المحيط: ان لتعظيم اسلامه واكرامه جاز، وانّ لنيل الدنيا كره"

عالم اور متقی شخص کے ہاتھ کو بطورِ تبرک کے چومنے میں کوئی حرج نہیں، اور اسی طرح دیندار اور عادل حاکم کے ہاتھ کو بوسہ لینے میں بھی کوئی حرج نہیں، اور عالم کے سر کا بوسہ لینا بہتر ہے، اور ان دونوں کے علاوہ کے ہاتھ کو چومنے کی اجازت نہیں یعنی غیر عالم اور غیر عادل کے ہاتھ اور محیط میں ہے کہ یہ اسلام کی تعظیم واکرام میں تو جائز ہے اور دنیا کے حصول کیلئے ناجائز ہے۔ (۲)

اس تعظیمی بوسہ کی مشروعیت پر یہ آثار دلالت کرتے ہیں کہ ابوحیان النصر کہتے ہیں کہ مجھ سے واثلہ بن الاسقع ؓ نے کہا: مجھے یزید بن اسود کا پتہ دے، مجھے ان کے بیمار ہونے کے بعد سے ان کا کچھ پتہ نہیں چلا، جب یہ ان کے پاس گئے تو یزید بن اسود کو واثلہ ؓ کی آمد کی اطلاع دی گئی، راوی کہتے ہیں کہ: یزید واثلہ رضی اللہ کا ہاتھ تلاش کرنے لگے، اور اس کو الٹ پلٹ کرنے لگے، کبھی اس کو اپنے سینے سے لگانے لگے، کبھی چہرے پر رکھنے لگے اور کبھی منہ پر، ان کی چاہت یہ تھی ان کا ہاتھ وہاں پڑے جہاں واثلہ ؓ کے ہاتھ حضور اکرم ﷺ کا ہاتھ پڑا ہو "وإنما أراد أن يضع يده موضع يد واثلة من رسول الله ﷺ" (۳)

---

(۱) ابوداؤد: باب قبلة الرجل، حدیث: ۵۲۲۵، علامہ حجر نے اس روایت کو جید کہا ہے: فتح الباری باب الأخذ باليد: ۱۱/ ۵۷

(۲) درمختار مع الشامی: ۹/ ۵۵۰

(۳) أحكام القبل والمصافحة والقيام: ۲۳، یہ خبر صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ابو العالیہ ؒ کو سیب دیا تو اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر چھونے لگے اس کا بوسہ لینے لگے، اور اس کو چہرے سے لگانے لگے اور فرمانے لگے: " تفاحة مست كفا مس كف النبي صلى الله عليه وسلم " یہ وہ سیب ہے جس نے اس ہاتھ کو مس کیا ہے جو نبی کریم ﷺ کا ہاتھ ہے۔ (۱)

اس طرح کے تعظیمی وتکریمی بوسہ کے سلسلے میں کئی تابعین کے آثار مذکورہ کتاب میں درج ہیں۔

☆ میت کا احتراماً بوسہ لیا جا سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے اور سیدھے نبی ﷺ کی طرف بڑھے، نبی ﷺ کا چہرہ مبارک ایک یمنی دھاری دار چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا، انہوں نے نبی ﷺ کے چہرے سے چادر ہٹائی اور جھک کر بوسہ دیا اور رونے لگے، " ثم أكب عليه، فقبله وبكى " پھر فرمایا آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ آپ ﷺ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کرے گا اور جو موت آپ ﷺ کے لئے لکھی گئی تھی، وہ آپ ﷺ کو آ گئی۔ (۲)

☆ آدمی کا اپنی بچی کے رخسار پر بوسہ لینا بھی درست ہے۔

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے ان کا بوسہ لیتے اور اپنی جگہ پر بیٹھاتے " قام إليها فقبلها " اسی طرح جب حضور ﷺ بھی ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ بھی اپنی جگہ کھڑی ہو جاتی آپ ﷺ کا بوسہ لیتیں اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔ (۳)

البتہ کسی عالم یا زاہد سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اپنے پیروں کو بوسہ لینے دے اور وہ اپنے پیروں کا بوسہ لینے کی اجازت دے تو یہ نا جائز ہے " طلب من عالم أو زاهد أن يدفع اليه

---

(۱) أحكام القبل والمصافحة والقيام: ۲۳

(۲) مسند احمد، حدیث: ٤٨٣٢

(۳) ترمذی: باب فضل عائشہؓ، حدیث: ٣٨٧٢

قدمه ويمكنه من قدمه ليقبله أجابه وقيل لا يرخص فيه“ (۱)

ایسے ہی بعض لوگ جو علماء اور عظماء کے سامنے زمین کا بوسہ لیتے ہیں یہ سب حرام ہے ”وكذا ما يفعلون من تقبيل الأرض بين يدى العلماء والعظماء فحرام، والفاعل والراضى به آثمان ، لأنّه يشبه عبادة الأصنام“ (۲)

کسی کیلئے احتراماً اور تعظیماً کھڑے ہونا

☆ شخصیات کے احترام میں بہت مبالغہ اسلام میں پسند نہیں، اسی بناء پر آپ ﷺ نے تعظیماً کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرمایا۔

ایک بار آپ ﷺ تشریف لائے اور صحابہ ؓ کھڑے ہوگئے تو فرمایا کہ: یہ عجمیوں کا طریقہ ہے، اس طرح کھڑے نہ ہوا کرو ” لا تقوموا كما تقوم الأعاجم ، يعظّم بعضها بعضا “ (۳)

لیکن اس کو ایک مستقل رسم اور رواج بنائے بغیر کبھی جوشِ محبت میں کھڑا ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب تشریف لاتیں تو آپ ﷺ ان کیلئے کھڑے ہوتے ، یہی عمل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ کے ساتھ تھا ”من فاطمة كرم الله وجهها كانت اذا دخلت عليه قام اليها فأخذ بيدها وقبلها وأجلسها فى مجلسه وكان اذا دخل عليها قامت اليه فأخذت بيده فقبلته وأجلسته فى مجلسها “ (۴)

---

(۱) درمختار مع الشامی : ۹/ ۵۵۰

(۲) درمختار مع الشامی : ۹/ ۵۵۰

(۳) ابوداؤد: باب فی قیام الرجل للرجل، حدیث: ۵۲۳۰ منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے: الترغیب کتاب الأدب وغیرہ، حدیث: ۴۱۰۹

(۴) ابوداؤد: باب فی القیام، حدیث: ۵۲۱۷، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن غریب ہے: ترمذی: باب فضل فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم ، حدیث: ۳۸۷۲

غزوۂ بنو قریظہ کے موقع سے حضرت سعد ؓ بحیثیت حکم تشریف لائے تو خود آپ ﷺ نے صحابہ ؓ سے کھڑے ہونے کو کہا: ” قوموا الٰی سیّد کم “ (۱)

لیکن کسی کے اندر اس خواہش کا پیدا ہو جانا کہ لوگ اس کیلئے کھڑے ہوں اور لوگ کھڑے نہ ہوں تو وہ اس کا برا مانے تو یہ سخت مذموم اور ناپسندیدہ عمل ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: کہ ایسا شخص جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنا رہا ہے ”من سرّه أن یتمثّل له الرجال قیاما فلیتبوّأ مقعده من النار“ (۲)

ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ ”جائز للرجل أن یکرم القاصد الیه اذا کان کریم قوم أو عالمهم أو من یستحق البر منهم بالقیام الیه، وغیر جائز للرئیس وغیره“ اگر کوئی قوم کا شریف آدمی یا کوئی عالم یا جو کوئی جو اِن کی جانب سے حسن سلوک کا مستحق ہے تو اس کے آنے پر کھڑا ہونا جائز ہے، کسی مالدار و رئیس کیلئے کھڑا ہونا جائز نہیں۔ (۳)

امام بیہقیؒ نے باب قائم کیا ہے ”باب القیام لأهل العلم علی وجه الاکرام“ پھر حضرت طلحہ ؓ کا حضرت کعب ؓ کیلئے کھڑے ہونے اور حضور ﷺ کے اس ارشاد کا بھی ذکر کیا ہے کہ ” قوموا الی سیّد کم “ (۴)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قیام تعظیمی کے متعلق فرماتے ہیں کہ: کثرت سے علماء اسی طرف گئے ہیں کہ تعظیماً کھڑا ہونا جائز ہے جس کے جواز کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ تشریف لاتے تو حضرت فاطمہ کھڑی ہوتیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضور اکرم ﷺ کھڑے ہو جاتے، گو اس کا جواب بھی یہ ہوسکتا ہے

---

(۱) صحیح بخاری: باب مرجع النبی، حدیث: ۳۸۹۵

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی کراهیة قیام الرجل للرجل، حدیث: ۲۷۵۵، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداود نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے: الترغیب: کتاب الأدب وغیره، حدیث: ٤١٠٨

(۳) الاداب الشرعیة: فصل فی القیام للقادم، حدیث: ۱/۴۱۲

(۴) بخاری: باب إذا نزل العدو، حدیث: ۲۸۷۸

کہ یہ قیام تعظیم نہ تھا، جوشِ محبت سے تھا، بہر حال مسئلہ اجتہادی ہے؛ لیکن یہ تو یقینی بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے لئے پسند نہ فرماتے تھے، اگر وہ ناپسندیدگی شرعی نہ ہو تو طبعی تو ضرور تھی جس سے بے تکلفی کا پسند ہونا معلوم ہوتا ہے، باقی یہ کہ حضور ﷺ اپنے لئے پسند نہ فرماتے تھے اس کی وجہ تواضع اور سادگی اور بے تکلفی تھی؛ چنانچہ مرقاۃ میں مصرح ہے۔(۱)

قیامِ تعظیمی کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ

۱- قیام کی چند قسمیں ہیں ایک محبت کا، وہ ایسے شخص کیلئے جائز ہے جس سے محبت کرنا جائز ہے۔

۲- دوسری قسم قیام تعظیمی ہے اس میں تعظیم دل سے ہے تو وہ شخص اس تعظیم کے قابل ہونا چاہئے ورنہ اگر تعظیم کے قابل نہیں مثلاً کافر تو اس قسم کی (یعنی دل کی تعظیم کے ساتھ) جائز نہیں۔

۳- اور اگر تعظیم صرف ظاہر میں ہے اور وہ کسی مصلحت سے ہے مثلاً یہ خیال ہے کہ اگر تعظیم نہ کریں گے تو یہ شخص دشمن ہو جائے گا یا یہ کہ خود اس کی دل شکنی ہوگی یا اس شخص کی ہدایت پر آنے کی امید ہے یا اس شخص کا محکوم و نوکر ہے یا ایسی ہی اور کوئی مصلحت ہے تو جائز ہے۔

۴- اور اگر نہ وہ قابل تعظیم ہے نہ کوئی مصلحت وضرورت ہے تو ممنوع ہے۔

احادیث میں جو اس کی ممانعت آئی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ ایک شخص بیٹھا رہے اور سب کھڑے رہیں، اعاجم میں یہی عادت ہے جو ممنوع اور حرام ہے۔(۲)

---

(۱) امداد الفتاوی

(۲) امداد الفتاوی، اسلامی تہذیب: ۶۱

چھینکنے کے آداب

☆ چھینکنے میں آواز کو پست کرے:

آپ ﷺ کا چھینکنے کا معمولِ مبارک یہ تھا کہ آپ چھینکنے میں آواز کو پست فرماتے "وخفض وغضّ بها صوته" (۱)

☆ چھینکتے وقت منہ پر اپنا ہاتھ یا کپڑا وغیرہ رکھ لیا کرے:

پھر اس آپ ﷺ چھینکتے وقت منہ پر اپنا دستِ مبارک یا کپڑا وغیرہ رکھ لیا کرتے "اذا عطس وضع یده أو ثوبه علی فيه" (۲)

چھینکتے وقت منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھنے کی مصلحت یہ بھی ہے کہ تھوک وغیرہ کے ریزے نکل کر سامنے بیٹھنے والوں پر نہ گریں جس سے ان کو تکلیف ہو "لئلّا يبدوا من فيه أو أنفه ما يوذی جليسه" (۳)

☆ چھینکنے والا "الحمد لله" کہے اس کے جواب میں سننے والا "یرحمك الله" کہے اس کے جواب میں چھینکنے والا "یهدیکم الله ویصلح بالکم" کہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی چھینکے تو

---

(۱) ترمذی: خفض الصوت وتخمير الوجه عند العطاس، حدیث: ٢٧٤٥، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) ابو داؤد: باب فی العطاس، حدیث: ٥٠،٢٩، امام نووی نے کہا ہے کہ: اس کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور انہوں نے اس روایت کو ابو داؤد کی سند سے نقل کیا ہے اور یہ الفاظ مختلف ہیں "وغطی وجهه": الأذکار للنووی: ۱/ ۲۳۲

(۳) عمدة القاری: باب إذا عطس كيف يشمت؟ ۲۲/ ۲۲۷، دار إحياء التراث العربی بيروت

"الحمد للّٰہ" کہے، اس کے جلیس اور اس کے ساتھی "یرحمك اللّٰہ" کہیں تو وہ "یهدیکم اللّٰہ ویصلح بالکم" کہے۔(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جب کسی چھینک کا جواب دیتے تو کہتے "عافانا اللّٰہ وایاکم من النار یرحمکم اللّٰہ" (۲)

☆ جو شخص چھینک کر "الحمد للّٰہ" کہے تو اس کا جواب دے ورنہ نہ دے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ کے پاس موجود اشخاص نے چھینکا تو آپ ﷺ نے ایک کا جواب دیا اور دوسرے کا نہیں دیا، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "انّ ھذا حمد اللّٰہ وانّ ھذا لم یحمد اللّٰہ" اس نے "الحمد للّٰہ" کہا اور اس نے نہیں کہا۔(۳)

☆ تین بار چھینک کا جواب دے، اس کے بعد بھی چھینک آئے تو یہ زکام ہے، اس کا جواب دینا واجب نہیں، چاہے تو جواب دے اور چاہے تو نہ دے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے بھائی کے چھینک کا جواب تین بار دو "فما زاد ذلك فھو زکام" اس سے زائد زکام ہے۔(۴)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: تم چھینکنے والے کا تین بار جواب دو، پھر اس کا جواب دینا چاہو تو دو ورنہ رک جاؤ "فان شئت أن تشمته فشمته وان شئت فکف"(۵)

---

(۱) بخاری: باب اذا عطس کیف یشمت، حدیث: ۵۸۷۰

(۲) الأدب المفرد: باب کیف تشمیت العاطس مع سمع العطس، حدیث: ۹۲۹، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: اس کو امام بخاری نے الادب المفرد میں ابی جمرۃ سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۳) بخاری: باب الحمد والعطس، حدیث: ۵۸٦۷

(۴) ابوداؤد: باب کم مرّۃ یشمت العاطس، حدیث: ۵۰۳٤، علامہ عراقی نے کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے: المغنی عن حمل الأسفار، حدیث: الاخبار الواردۃ فی حقوق: ۵۱۱/۱، مکتبۃ الطبریۃ الریاض

(۵) ابوداؤد: باب ما جاء فی التثاؤب، حدیث: ۵۰۳٦، امام ترمذی نے اس روایت کو ضعیف اور اس کی سند کو مجہول قرار دیا ہے۔

جمائی لینے کے آداب

☆ جب کسی شخص کو جمائی آئے تو وہ حتی الوسع اس کو دفع کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عز وجل چھینک کو پسند کرتا ہے، اور جمائی کو پسند نہیں کرتا، جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو حتی الامکان اس کو دفع کرے "ھا، ھا" نہ کہے، کیونکہ یہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے وہ اس پر ہنستا ہے "فان ذلکم من الشیطان یضحك منه" چہرے کی ہیئت وصورت کا بگڑنا، سستی کا پیدا ہونا، منہ سے بدبو کے نکلنے کی وجہ سے اس کو خوشی ہوتی ہے۔ (۱)

☆ جمائی کو دفع کرنے کیلئے منہ پر ہاتھ رکھے یا ہونٹوں کو بند کرلے:

جب چھینک آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنے کو کہا گیا ہے تو بدرجۂ اولی جمائی میں منہ پر ہاتھ رکھنا افضل ہے۔

حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے، کیونکہ اس میں شیطان چلا جاتا ہے "فلیمسك علی فیه فانّ الشیطان یدخل" (۲)

☆ جمائی لیتے وقت "ھا، ھا" کی آواز نہ نکالے، کیونکہ شیطان اس کے پیٹ میں داخل ہو کر ہنستا ہے۔

---

(۱) ترمذی: ان اللہ یحب العطاس ویکرہ، حدیث: ۲۷۴۷، امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: باب تشمیت العاطس وکراهة التثاءب، حدیث: ۷۶۸۴

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھینک اللہ عزوجل کی جانب سے ہوتی ہے اور جمائی شیطان کی جانب سے، جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لے تو اپنے چہرے پر اپنا ہاتھ رکھ لے اور جب وہ ''آہ آہ'' کہتا ہے تو شیطان اس کے پیٹ میں جا کر ہنسنے لگتا ہے " فانّ الشيطان يضحك من جوفه " (۱)

انبیاء علیہم السلام کو کبھی جمائی نہیں آتی، علامہ شامیؒ نے جمائی کو دفع کرنے کا مجرب نسخہ یہ بتایا ہے کہ جس کسی کو جمائی آئے تو دل میں یہ خیال لائے ''کہ انبیاء علیہم السلام جیسی پاکیزہ اور مقدس ہستیوں کو جمائی نہیں آئی'' تو انشاء اللہ جمائی نہیں آئے گی " والانبياء محفوظون عنه ان أخطار ذلك بباله مجرب فى دفع التثاؤب " (۲)

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء ان الله يحبّ العطاس، حدیث: ٢٧٤٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) رد المحتار على الدر المختار: فرع لا باس يتكلم المصلى: ٤١٤٦، دار الفكر، بيروت

عہد اور وعدہ کی پاسداری کے احکام

☆ عہد اور وعدہ کی پاسداری یہ مومن کا شیوہ ہے، یعنی مومن جو بھی عہد اور وعدہ کرتا ہے تو اس کا پورا پورا پاس ولحاظ کرتا ہے، اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں وعدہ اور عہد کی پاسداری اور لحاظ کو مومن کی صفات میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (۱) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں کا لحاظ کرتے ہیں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

☆ قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر ایفائے عہد کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے:
ارشادِ باری عزوجل ہے "وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا" (۲) یعنی جو عہد کرو اس کو پورا کرو، کیونکہ اس عہد کے بارے میں آخرت میں تم سے سوال ہوگا (کہ تم نے فلاں سے عہد کیا تھا اسے پورا کیا یا نہیں؟)۔

اور ایک جگہ عہد کی پاسداری اور وعدہ وفائی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" (۳) اے ایمان والو! تم آپس میں کسی کے ساتھ عہد وپیمان باندھ لو تو اس کو پورا کرو۔

خود اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت کا تذکرہ بار بار فرمایا ہے "وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ" (۴) اللہ عزوجل وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

---

(۱) المؤمنون: ۸
(۲) بنی اسرائیل: ٣٤
(۳) المائدة : ١
(۴) الحج : ٦١

☆ وعدہ کی خلاف ورزی اور عہد شکنی یہ کافر کا شیوہ بتلایا گیا ہے اور اسے منافقین کی صفات میں شمار کیا گیا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے "اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا" (۱) منافق کی چار علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

اور ایک جگہ فرمایا: "اَلْعِدَةُ دَيْنٌ" (۲) وعدہ قرض ہے۔

اس کیلئے تباہی ہو، جو وعدہ کرے پھر خلاف ورزی کرے، پھر اس کیلئے تباہی ہو جو وعدہ کرے پھر خلاف ورزی کرے، پھر اس کیلئے تباہی ہو، جو وعدہ کرے پھر خلاف ورزی کرے، پھر یہی فرمایا: (جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، وعدہ بھی مثل قرض کے ہے، جس کی ادائیگی کا اسی کے مثل اہتمام ہو)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا چار چیزیں جس میں ہوں گی وہ منافق ہوگا، یا ان میں چار میں سے ایک نفاق کی علامت ہوگی، یہاں تک وہ اس کو ترک کردے، جب بولے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، "وَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ" اور جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے۔(۳)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ وعدہ وفائی کی شرعی حیثیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ" (۴) اللہ کے یہاں یہ بڑی ناراضگی کی چیز ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کر نہ سکو۔

---

(۱) بخاری: باب علامة المنافق، حدیث: ٣٤

(۲) علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط اور صغیر میں روایت کیا ہے اور اس میں حمزہ داود ہیں جن کو دار قطنی نے ضعیف کہا ہے: مجمع الزوائد: باب ما جاء فی العدة، حدیث: ٦٨٣٣

(۳) بخاری: باب علامة المنافق، حدیث: ٣٤

(۴) الصف: ٣

اسی طرح منافقین کی نشانیوں اور علامات والی حدیث سے وعدہ کی تکمیل کا وجوب معلوم ہوتا ہے، اس کو اس شدید وعید کے باوجود مکروہِ تنزیہی پر محمول کرنا کیسے درست ہوگا؟ پھر فرماتے ہیں: کیا ایسا نہیں کیا جاسکتا کہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی کو تو حرام قرار دیں اور وعدہ وفائی کو واجب نہ قرار دیں؟ یعنی وعدہ خلافی پر تو اسے گنہ گار قرار دیں، گر چہ وعدہ کی تکمیل واجب اور ضروری نہ ہو " يَأْثَمُ بِالْإِخْلَافِ وَإِنْ كَانَ لَا يُلْزَمُ وَفَاءُ ذٰلِكَ " (۱)

☆ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ نے بھی عہد اور وعدہ کا پاس ولحاظ اس طرح کیا کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے فلاں جگہ آنے کا وعدہ کیا اور وہ شخص بھول گئے، پھر وہ تیسرے دن آئے تو آپ ﷺ وہیں تشریف فرما تھے۔

عبد اللہ بن ابی الحمساء کہتے ہیں کہ: میں نے حضور ﷺ سے بیعت کی اور آپ ﷺ سے فلاں جگہ آنے کا وعدہ کیا، میں اس دن اور اس کے دوسرے دن بالکل بھول گیا، تیسرے دن یاد آیا تو آپ ﷺ اسی جگہ موجود تھے، پھر فرمایا: بیٹے تم نے مجھے تکلیف دی، میں تمہارا یہاں تین دن سے انتظار کر رہا ہوں " يَا بُنَيَّ قَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ أَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثِ يومٍ أَنْتَظِرُكَ " (۲)

وعدہ کی پابندی اور ایفاء عہد کا یہی سبق آپ ﷺ سے آپ ﷺ کے رفقاء نے پڑھا اور اپنی عملی زندگی میں اسے برت کر دکھایا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا کہ: قریش کے ایک شخص نے میری بیٹی کیلئے نکاح کا پیغام دیا تھا، اور میں نے اس سے کچھ بات کہی تھی جو وعدہ سے ملتی جلتی ہے، تو میں ایک تہائی یعنی نفاق کی تین علامتوں میں سے ایک علامت کے ساتھ اللہ سے ملنا نہیں چاہتا، اس لئے میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ (۳)

---

(۱) فتح الباری: باب من أمر بانجاز والوعد: ۲۹۰/۵

(۲) ابوداؤد: کتاب الأدب، باب في العدة، حدیث: ٤٩٩٦

(۳) احیاء العلوم: ۱۳۲/۳

☆ بچے سے بھی کسی چیز کے دینے کا وعدہ کرکے مکر نہ جائے اس سے اس کے ذہن پر خراب اثرات پڑیں گے۔

عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ایک دن میری ماں نے مجھے بلایا اور رسولِ اکرم ﷺ میرے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، ماں نے کہا: تو میرے پاس آ، میں تجھے کچھ دوں گی، (یہ سن کر) میری ماں سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس کو کیا دینا چاہتی تھیں؟ تو میری ماں نے کہا: میں اس کو کھجور دینا چاہتی تھی، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: "أما انك لو لم تعطيه شيئا كتبت عليك كذبة" سن لو اگر تم اس کو کچھ نہ دیتیں تو تمہارے حق میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (۱)

☆ کافروں سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا کیا جائے:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور حضور ﷺ کے رازدار ہیں، جب یہ اور ان کے والد مسلمان ہوئے، یہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں مدینہ جا رہے تھے، درمیانِ راہ ابوجہل اور اس کے لشکر سے ملاقات ہوئی، ابوجہل غزوۂ بدر کے موقع سے اپنے لشکر کے ساتھ حضور ﷺ سے لڑنے کیلئے جا رہا تھا، ابوجہل نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ کیا حضور ﷺ کے ساتھ جنگ میں شرکت کا ارادہ تو نہیں؟ انہوں نے کہا: صرف بغرضِ ملاقات جا رہے ہیں، ابوجہل نے کہا: اچھا ہم سے وعدہ کرو کہ وہاں جا کر جنگ میں حصہ نہیں لوگے؟ انہوں نے وعدہ کیا، جب حضور ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ سے سارا واقعہ کہہ سنایا، پھر حضور ﷺ کے ساتھ جنگ میں شرکت کی خواہش اور اپنے ابوجہل سے جنگ میں عدمِ شرکت کے وعدہ کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم وعدہ کرآئے ہو اور اسی شرط پر تم کو رہا کیا گیا ہے، اس لئے میں تم کو جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دے سکتا۔ (۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ ملکِ شام میں تھے، اس لئے اس وقت کی سپر پاور طاقت روم سے ان کو ہر دم برسرِ پیکار ہونا پڑتا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے جنگ بندی کا معاہدہ کیا

---

(۱) ابوداؤد: باب في التشديد في الكذب، حديث: ٤٩٩١، البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) الاصابة: ٣١٦/١

اور فلاں مدت تک جنگ سے رک جانے کا عہد کیا تھا، ابھی جنگ بندی کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ جنگ بندی کی مدت تو درست ہے، لیکن اس مدت کے اندر اپنی فوجیں رومیوں کی سرحد پر لے جا ڈال دو، تا کہ جس وقت جنگ بندی کی مدت ختم ہو، اس وقت فوراً حملہ کر دیں، چنانچہ اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں اور جیسے ہی جنگ بندی کے معاہدہ کی آخری تاریخ کا سورج غروب ہوا تو فوراً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دیا، یہ چال بڑی کامیاب ثابت ہوئی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر شہر کے شہر اور بستیاں فتح کرتا ہوا جا رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک گھوڑ سوار دوڑتا ہوا چلا آ رہا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کو دیکھ کر رک گئے کہ امیر المؤمنین کا کوئی پیغام ہو، اس نے آوازیں دینا شروع کی "اللہ اکبر، اللہ اکبر، قِفُوا عِبَادَ اللّٰہِ " اللہ کے بندو ٹھہر جاؤ، اللہ کے بندو ٹھہر جاؤ، جب وہ قریب آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا: " وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ ، وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ " مومن کا شیوہ وفاداری کا ہے، غداری کا نہیں، عہد شکنی کا نہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے تو کوئی عہد شکنی نہیں کی ہے، میں نے تو اس وقت حملہ کر دیا جب جنگ بندی کی مدت ختم ہو گئی تھی، حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اگرچہ جنگ بندی کی مدت ختم ہو گئی تھی، لیکن آپ نے اپنی فوجیں جنگ بندی کے دوران ہی سرحد پر ڈال دیں اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر بھی داخل کر دیا، اور یہ جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی اور میں نے اپنے کانوں سے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "مَنْ كَانَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ قَوْمٍ فَلَا يَحِلَنَّهٗ وَلَا يَشُدَّنَّهٗ اِلٰى اَنْ يَّمْضِىَ اُحِلَّ لَهٗ اَوْ يَنْبُذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ " (۱)

کسی شخص یا کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے عہد کو نہ توڑے اور نہ باندھے، یہاں تک کہ اس معاہدہ کی مدت گذر جائے یا وہ ان کو مطلع کر کے برابری کی بنیاد پر اپنا عہد توڑ دے۔

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في الغدر، حديث: ۱۵۸۰، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

☆ لہٰذا جب بھی کسی سے کوئی وعدہ کیا جائے تو وعدہ کرنے سے پہلے سوچ لے کہ یہ وعدہ مجھ سے پورا ہو سکے گا یا نہیں اور اپنی بات کو نباہ سکوں گا یا نہیں؟ اگر وعدہ پورا کر سکتا ہو تو وعدہ کرے ورنہ معذرت کر دے، جھوٹا وعدہ کرنا حرام ہے، جب وعدہ کرے تو حتی الوسع پوری طرح انجام دینے کی کوشش کرے، بہت سے لوگ ٹالنے کیلئے یا دفع الوقتی کے خیال سے وعدہ کر لیتے ہیں، پھر اس کو پورا نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ جھوٹا وعدہ سخت گناہ ہے اور وعدہ کرنے کے بعد خلاف ورزی بھی سخت گناہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بہت کم ایسا ہوا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو کہ: لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ " (۱) یعنی اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں ہے۔

☆ اگر آدمی کسی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت وعدہ پورا کرنے کی ہے اور وہ اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے تو اس کا وبال اس پر نہیں ہوگا "اذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف ولم يجيء للميعاد فلا اثم عليه " (۲) اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت وعدہ وفائی کی تھی اور وہ اس وعدہ کی تکمیل نہ کر سکا اور وقت پر نہ آ سکا تو اس کا گناہ اور وبال اس پر نہ ہوگا۔

---

(۱) مسند احمد: مسند انس بن مالك، حديث نمبر: ۱۲۴۰۶، محقق شعیب الارنوط فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے، اس کی سند کے رجال شیخین کے رجال ہیں سوائے ابو ہلال کے، ان کی روایت اصحاب سنن نے لی ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب في العدة: حديث ۴۹۹۵، امام ترمذی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

راز داری کے احکام

راز کی باتوں کو چھپانا، خواہ یہ راز خود اپنے سے متعلق ہو یا دوسروں سے اس کا اظہار اور افشاء نہ کرنا یہ اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ عظیمہ میں سے ہے، اور راز کو پردۂ خفا میں رکھنا یہ بڑی ہمت اور مردانگی والوں کا کام ہے۔

اس لئے اثر میں ہے: اپنے ضروریات کی تکمیل میں راز داری سے مدد لو، چونکہ ہر صاحبِ وسعت کے ساتھ حسد کیا جاتا ہے "اِسْتَعِيْنُوْا عَلٰى قَضَاءِ حَوَائِجِكُمْ بِالْكِتْمَانِ فَاِنَّ كُلَّ ذِيْ نَعْمَةٍ مَحْسُوْدٌ" (۱)

کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: جو شخص اپنے راز کو چھپائے رکھتا ہے تو وہ خود مختار ہوتا ہے (ورنہ راز کے اظہار کے بعد اس کے چھپانے میں دوسرے کا محتاج ہو جاتا ہے) "مَنْ كَتَمَ سِرَّهٗ كَانَ الْخِيَارُ بِيَدِهٖ" (۲)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ "اَلْقُلُوْبُ اَوْعِيَةٌ، وَالشِّفَاهُ اَقْفَالُهَا، وَالْاَلْسِنَةُ مَفَاتِيْحُهَا، فَلْيَحْفَظْ كُلُّ اِنْسَانٍ مِفْتَاحَ سِرِّهٖ" (۳) دل برتن کے مانند ہیں، ہونٹ قفل ہیں، زبان اس کی چابیاں ہیں، ہر انسان اپنے راز کی کنجی کی حفاظت کرے۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب كتمان الحوائج، حديث: ١٣٧٣٧، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی تینوں میں ذکر کیا ہے، اور اس کی سند میں سعید بن سلام العطار ہیں، عجلی کہتے ہیں: ان میں کوئی حرج نہیں، احمد وغیرہ نے ان کی تکذیب کی ہے، اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں، سوائے خالد بن معدان کہ انہوں نے معاذ سے سماعت نہیں کی۔

(۲) شعب الايمان: فصل فی ترك الغضب وفی كظم الغيظ، حديث: ٨٣٤٥

(۳) البصائر والذخائر: ١/ ١٧٠، دار صادر، بيروت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اے بیٹے! تم امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قریب اور خواص میں سے ہو، لہٰذا تم ان کی ان باتوں کی حفاظت اور نگہداشت کرنا، ان کے کسی راز کو ظاہر نہ کرنا، ”لَا تُفَشِّيَنَّ لَهٗ سِرًّا“ (۱) اور ان کے یہاں کسی کی غیبت نہ کرنا، اور ان کو تمہاری کسی جھوٹی بات کی اطلاع نہ ہو۔

حضرت اکثم بن صیفی کہتے ہیں کہ ”إِنَّ سِرَّكَ مِنْ دَمِكَ فَانْظُرْ أَيْنَ تُرِيقُهٗ“ (۲) تمہارا راز تمہارا خون ہے تم خود غور کرلو کہ تم اسے کہاں بہا رہے ہو؟۔

کن مواقع سے رازداری سے کام لے:

۱۔ جن معاصی اور گناہوں پر اللہ عز وجل نے پردہ ڈال رکھا ہے اس کا اظہار اور افشاء کرنا اور لوگوں کو اس کی اطلاع دینا یہ حرام ہے، اللہ عز وجل نے اس پر یہ احسان کیا تھا کہ اس کے گناہوں کو پردۂ خفا میں رکھا تھا، وہ اس کا اظہار کرتا ہوا پھر رہا ہے، چوری پھر سینہ زوری، برائی اور اس کے اعلان واظہار کے ذریعہ اس پر اپنی جرأت کو بتانا، یہ دراصل اللہ عز وجل کے ساتھ مقابلہ آرائی اور پنجہ آزمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے ہر فرد کی معافی ہوگی سوائے ان گناہوں کے اظہار کرنے والوں کی، گناہوں کا اظہار یہ ہے کہ آدمی رات میں کوئی (برا) عمل کرے، پھر صبح ہو کر جب کہ اللہ عز وجل اس کے اس گناہ پر اپنی رحمت اور ستاری کا پردہ ڈال رکھا تھا یوں کہتا پھرے: اے فلاں! میں نے گذشتہ رات ایسا ایسا عمل کیا ہے، اس نے رات اس حال میں بسر کی تھی؟ اللہ عز وجل اس کے گناہ کی پردہ پوشی کر رکھی تھی اور صبح اللہ عز وجل کے اس پردہ کا کشف واظہار کرنے لگا، ”وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهٗ رَبُّهٗ

---

(۱) المنتقی: ١/١٤٨، دار الفکر، بیروت

(۲) سراج الملوك: ١/١٠٣، من اواء المطبوعات المصرية، تاريخ النشر: ١٢٨٩ھ

وَاَصْبَحَ يَكْشِفُ سِتْرَ رَبِّهٖ" (۱) یہ شخص لوگوں میں سے بدترین اور خبیث شخص ہے اور یہ اللہ عزوجل کے ساتھ جنگ اور گناہوں کے ذریعہ اس کا مقابلہ کرنے میں جری ہو گیا ہے۔

۲- میاں بیوی کے معاشرتی اور باہم ازدواجی باتوں اور امور کا دوسروں کے سامنے اظہار نہ کیا جائے، اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے میاں بیوی کو بدترین، خسیس اور ذلیل ترین قرار دیا ہے، ”وہ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے یہاں بدترین شمار ہوں گے جو میاں بیوی آپس میں ازدواجی تعلق قائم کریں، پھر ان دونوں میں سے کوئی اپنے ساتھی کے راز کا اظہار دوسروں کے سامنے کرتا پھرے ”اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِيْ اِلٰى اِمْرَاَتِهٖ وَتُفْضِيْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا“ (۲)

۳- اسی طرح پیشہ، کاروبار اور تجارت سے متعلق جو راز ہوتے ہیں اس کا اظہار بھی درست نہیں، پیشہ سے متعلق رازوں کا اظہار یہ امانت میں خیانت کے قبیل سے ہے۔

۴- امتحانات کے پرچوں، سوالات اور اس کے نتائج کو پردۂ راز میں رکھنا بھی ضروری ہے، اس کا اظہار بھی درست نہیں، یہ بھی امانت میں خیانت ہے۔

۵- طبیب اور معالج کا بیماروں کے امراض وعیوب جن پر وہ دورانِ علاج مطلع ہوتا ہے اس کو لوگوں کو بتلانا اور امراض وعیوب کا اظہار لوگوں کے سامنے کرنا مناسب نہیں، بعض امراض وعیوب ایسے ہوتے ہیں جن کی اطلاع دوسروں کو دی جائے اس کو مریض پسند نہیں کرتا۔

☆ اسی طرح مفتی (فتویٰ دینے والے) کیلئے مستفتی (فتویٰ طلب کرنے والے) کے دریافت مسئلہ کیلئے ظاہر کردہ راز کا افشاء کرنا درست نہیں، چونکہ بعض شرعی امور قابل دریافت ایسے بھی ہوتے ہیں جس کے اظہار کو کوئی انسان لوگوں کے سامنے پسند نہیں کرتا۔

---

(۱) بخاری: باب ستر المومن علی نفسه، حدیث: ۵۷۲۱

(۲) مسلم: باب تحریم افشاء السر، حدیث: ۱۴۳۷

☆ اسی طرح مشورہ بھی امانت ہے اس کو ظاہر نہ کیا جائے، جو شخص کسی سے کسی معاملہ میں مشورہ لے تو اس معاملہ کا اظہار دوسروں کے سامنے نہ کرے جو شخص مشورہ کے سلسلے میں رازداری سے کام نہ لے سکے وہ مشورہ دینے کا اہل ہی نہیں، چونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے "المستشار مؤتمن" (۱)

☆ جس کو سکریٹری وغیرہ بنایا جائے اس کو بھی متعلقہ کام کے تعلق سے پوشیدہ اور رازداری کے امور کو ظاہر نہ کرنا چاہئے، نبی کریم ﷺ نے صحابی جلیل حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو اپنا رازدار اور منافقین کے سلسلے میں اپنا سکریٹری بنایا تھا، انہوں نے ان میں سے کسی کی نشاندہی نہیں کی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے قسم دے کر پوچھا کہ: کیا رسول اللہ ﷺ نے ان منافقین میں میرا نام تو نہیں لیا تھا؟ تو انہوں نے کہا تھا: نہیں، اور جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ میرے گورنروں میں سے کوئی ایسا شخص ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں، لیکن ان کی معرفت خبر نہیں دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست اور دوراندیشی سے اس آدمی کی بذاتِ خود نشاندہی کر کے اس کو معزول کر دیا " فعزله عمر كأنّما دُلّ عَلَيْهِ " (۲)

☆ اگر کسی کو اس کے اہل اور مال میں کوئی مصیبت یا آفت پہنچے تو اس کو پردۂ خفا میں رکھے، نہ اس کے اظہار کے ذریعہ کسی دوست کو غم زدہ کرے اور نہ کسی دشمن کی خوشی اور مسرت کا سامان کرے۔

☆ اسی طرح نیکوکار، متقیوں سے کبھی چوک، کوئی غلطی، یا کوتاہی ہو جائے تو لوگوں سے اس کا اظہار اور افشاء کرنا بھی حرام ہے؛ چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے " اقیلوا ذوی الهیئات عثراتهم " (۳) لوگوں کی چوک اور بھول سے درگذر کیا کرو۔

---

(۱) ترمذی: باب ان المستشار مؤتمن، حدیث: ۲۸۲۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) اسد الغابة: حذيفه بن اوس: ۱/۷۰۶، دار الكتب العلمية

(۳) ابوداؤد: باب في الحد يشفع، حديث: ٤٣٧٥، مجمع الزوائد: باب لا تعزير على أهل المروءة والكرام ونحوهما، حديث: ١٠٦٩٥، علامہ ہیثمی نے فرمایا ہے کہ: اس کو طبرانی نے محمد بن عاصم بن عبداللہ بن محمد بن یزید الرفاعی سے نقل کیا ہے اور میں ان دونوں کو نہیں پہچانتا اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

☆ اگر اللہ عزوجل نے کسی پر خاص انعام کیا ہے جس سے حاسدین کو حسد ہو سکتا ہے تو اس کو بھی راز میں رکھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس نصیحت اور موعظت کو ملحوظ رکھے جوانہوں حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے اظہار سے منع کیا تھا کہ وہ کہیں ان سے حسد کرنے لگیں، "قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا" (۱)

---

(۱) یوسف: ۵

مشورہ: آداب واحکام

انسان خواہ کس قدر عقل مند کیوں نہ ہوجائے، وہ ہر وقت ہر چیز کی حقیقت کا اِدراک کرلے یہ ممکن نہیں ہے، خواہ علوم وفنون میں ہر قسم کی ڈگریاں کیوں نہ حاصل کرلے، لیکن وہ ہر دم ہر چیز کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا، اس کے علاوہ مزید انسان کے ساتھ بھول چوک، غفلت، اضطراب، بے چینی اور جذبات کی رو میں بہہ جانا، اس طرح کی بے شمار کمزوریاں انسان کے ساتھ متعلق ہیں، اسی کو اللہ عزوجل نے فرمایا: ” وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا “ (۱) انسان کمزور اور ناتواں پیدا کیا گیا ہے۔

اور اسی طرح ایک جگہ فرمایا: ”فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ “ (۲) ہر جاننے والے سے زیادہ کوئی جاننے والا ہے۔

اس لئے اللہ عزوجل نے اسی انسانی کمزوری کے پیشِ نظر اپنے تمام امور میں امدادِ باہمی اور ایک دوسرے کی مدد وتعاون کا حکم کیا ہے ” تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى “ (۳) نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کیلئے دستِ تعاون دراز کرو

اور اللہ عزوجل نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کے کاندھوں پر اپنے پیغام کے پہنچانے کی ذمہ داری ڈالی تو انہوں نے اپنے بھائی کو اس معاملے میں معاون بنانے کو فرمایا تو اللہ عزوجل نے اس کے جواب میں فرمایا: ” سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ “ (۴)

اس تقریر سے پتہ چلا کہ انسان اپنے امور میں راہِ صواب کو پانے کیلئے اپنے بھائی کی عقل، اس کی سمجھ بوجھ اور اس کے علم وتجربہ سے استفادہ کا محتاج ہے؛ اس لئے انسان کو اپنے امور میں اپنے بھائیوں سے مشورہ کرنا چاہئے۔

---

(۱) النساء: ۲۸ (۲) یوسف: ۷٦ (۳) المائدۃ: ٦ (۴) القصص: ۳۵

علامہ ابن الجوزیؒ کہتے ہیں کہ: مشورہ کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ مشورہ کامیاب بھی نہ ہو تو یہ اس معاملہ کو تقدیر پر موقوف سمجھے گا اور صرف اپنی ذات کو ملامت نہیں کرے گا" اذا لم ينجح أمره علم أنّ امتناع النجاح محض قدر لم يلم نفسه " (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: " الاستشارة عين الهداية " مشورہ عینِ ہدایت ہے۔ (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "شاور في أمرك من يخاف الله عزوجل" اپنے معاملات میں اللہ کا خوف کرنے والوں سے مشورہ کرو۔ (۳)

قبیلۂ عبس کے ایک شخص سے کہا گیا: تم میں صائب الرائے کتنے ہیں تو اس نے کہا: ویسے تو ہم ہزار ہیں اور ہم میں سے صرف ایک شخص پختہ رائے ہے اور ہم اس سے مشورہ کرتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں اسطرح ہم ہزار لوگ بھی پختہ رائے ہو جاتے ہیں " فصرنا الف حزم " (۴)

عبدالملک بن مروان کہتے ہیں کہ: " لأن أخطىء وقد استشرت أحبّ الىٰ من أن أصيب من غير مشورة " میں مشورہ کرنے کے بعد غلطی میں مبتلا ہو جاؤں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں بغیر مشورہ کے درستگی کو پالوں۔ (۵)

قتیبہ بن مسلم کہتے ہیں کہ: پوری جماعت کے ساتھ غلطی کا واقع ہونا یہ اتفاق سے درستگی کو پالینے سے بہتر ہے، گرچہ جماعت غلطی نہیں کرتی، اور تفرق اور انتشار سے درستگی کو پایا نہیں جا سکتا "وان كانت الجماعة لا تخطىء والتفرقة لا تصيب "(۶)

اور یہ کہا جاتا ہے کہ: جب آدمی اپنے رب کے جوار اور پناہ میں ہوتا ہے اور اپنے اصحاب سے مشورہ کرتا ہے اور اپنی رائے میں جدوجہد کرتا ہے تو اس نے اپنی تدبیر کر لی، پھر

---

(۱) الاداب الشرعية: فصل في معنى قوله تعالى: ۱/ ۳۲۵

(۲-۶) الاداب الشرعية : ۱/ ۳۷۷

اللہ عزوجل اس کے معاملے میں اس کی مرضی کے موافق کریں گے ”ویقضی اللہ فی أمرہ ما یحب “ (۱)

اس سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے اپنے واضح اور ظاہر نصوص میں مشورہ کا حکم دیا ہے: اللہ عزوجل نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا وصف یہ بتلایا ہے کہ وہ آپسی امور مشورہ سے طے کرتے ہیں، ” اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ “ (۲)

اور اسلام میں مشورہ کی اہمیت وفضیلت کو واضح کرنے کیلئے ایک مستقل سورۃ کا نام ہی سورۂ ”شوریٰ“ رکھا گیا، اللہ عزوجل نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ کو مقام مدح میں ذکر کر کے تمام مومنین کو اپنے امور میں مشورہ کو اپنانے کا حکم کیا۔

اس مذکورہ آیت میں اللہ عزوجل نے اسلام کے دو اہم رکن نماز اور زکوۃ کے درمیان صحابہ رضی اللہ عنہم کے آپس میں مشورہ کرنے کو ذکر کر کے اس کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کیا ” وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ “ (۳)

اس سے پتہ چلا کہ مشورہ بھی نماز اور روزے کی طرح ایک تعبدی چیز ہے۔

خود حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنے ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں مشورہ طلب کیا ہے، اور عورتوں سے بھی آپ ﷺ نے ضرورت کے وقت مشورہ طلب کیا ہے، اس لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”ما کان أکثر مشاورۃً من رسول اللہ “ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشورہ کرنے والا کوئی شخص نہیں تھا۔ (۴)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: ”رسول اللہ ﷺ کو مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی

---

(۱) قصص العرب : ١/٥٩

(۲) الشوریٰ : ۳۸

(۳) الشوریٰ : ۳۸

(۴) ترمذی: المشورۃ، حدیث: ١٧١٤، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے، علامہ حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے رجال ثقات ہیں مگر یہ کہ یہ روایت منقطع ہے اور اس کی جانب امام ترمذی نے جہاد میں اشارہ کیا ہے فتح الباری: ١٣/ ٣٤٠

(چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابل آپ ﷺ کا علم اور آپ ﷺ کی معلومات، آپ ﷺ کی ذکاوت وذہانت، عقل اور دین وشریعت سے واقفیت بے انتہا بڑھی ہوئی تھی، اور آپ ﷺ من جانب اللہ چیدہ اور چنیدہ تھے، آپ ﷺ کے امور من جانب اللہ طے ہوتے تھے) حضور ﷺ اپنے امور میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے کرنے پر مامور نہ تھے اور نہ آپ کو اس کی ضرورت تھی، آپ ﷺ ان حضرات سے مشورہ صرف اس لئے کیا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے بعد مشورہ کرنا ایک سنت اور طریقہ ہو، اور خصوصاً حکام اور والیوں اور عموماً تمام لوگوں کیلئے یہ طریقہ اپنے امور میں خیر کی تلاش اور طلب میں راہنما اور رہبر ہو۔

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور اس سلسلے میں مشورہ کرے تو اسے معاملہ کی بہتری مل جاتی ہے "من أراد أمرًا فشاور فيه، وقضى، هُدى لأرشد الأمور" (۱)

اور ایک جگہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: "ما تشاور قومٌ الاّ هدوا لأرشد أمرهم" جب کسی قوم نے مشورہ کیا ہے تو اللہ عزوجل نے ان کو بہترین راہ دکھائی ہے۔ (۲)

اور ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے مشورہ کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ما خاب من استخار ولا ندم من استشار" ناکام نہیں ہوا وہ شخص جس نے استخارہ کیا اور نادم نہیں ہوا وہ شخص جس نے مشورہ کیا۔ (۳)

اور ایک جگہ فرمایا: "المشورة حصن من الندامة وامان من الملامة" مشورہ ندامت سے بچاؤ اور ملامت سے امن دلانے والا ہے۔ (۴)

---

(۱) شعب الایمان، الحادی والخمسون من الشعب، حدیث: ۷۵۳۸، مجمع الزوائد: باب ما جاء فی المشاورة، حدیث: ۱۳۲۵۸، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور اس میں عمرو بن الحصین العقیلی ہیں اور یہ متروک ہیں۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبة: فی المشورة من أمر بها، حدیث: ۲۶۲۷۵

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی المشاورة، حدیث: ۱۳۱۵۷، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط اور صغیر میں عبد السلام بن عبد القدوس کے طریق سے نقل کیا ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

(۴) ادب الدین والدنیا للماوردی: ۲۷۲

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول بھی اپنے دورِ خلافت میں اہل رائے سے مشورہ لینے کا تھا۔

حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی مقدمہ میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کو قرآن وحدیث میں حکم نہ ملتا تو) بڑے لوگوں کو اور نیک لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے، جب ان کی رائے متفق ہو جاتی تو اس کے موافق فیصلہ فرماتے۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ کے معاملہ میں معمول کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہل مشورہ علماء ہوتے تھے، خواہ بڑی عمر کے ہوں یا جوان ہوں۔ (۲)

جب مرو کے قاضی نوح بن مریم نے اپنی لڑکی کی شادی کروانی چاہی تو ایک مجوسی شخص سے اس نے مشورہ کیا، یہ اس کا پڑوسی تھا، اس نے کہا: سبحان اللہ، لوگ آپ سے پوچھتے اور دریافت کرتے ہیں اور آپ مجھ سے پوچھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: تم کو مشورہ دینا ہی ہوگا؟ اس نے کہا: ملک فارس کا بادشاہ کسریٰ مال پسند تھا، اور روم کا قیصر جمال پسند تھا، اور عرب کا رئیس نسب پسند تھا، اور تمہارے رئیس اور سردار حضرت محمد (ﷺ) دیندار اور دین پسند ہیں، جن کی تم اتباع کرتے ہو، انہیں کو اس وقت پیش نظر رکھو، "فانظر لنفسك بمن تقتدى" (۳)

☆ مشورہ فن کے ماہر سے کیا جائے مثلاً بیماری کا معاملہ ہو تو کسی ڈاکٹر سے مشورہ کیا جائے، کسی مکان کی تعمیر کا معاملہ ہو تو کسی انجینئر سے رائے لی جائے، دین کا معاملہ ہو تو علماء سے مشورہ کیا جائے، چونکہ حدیث میں ہے "المستشار مؤتمن" (۴)

جس شخص سے مشورہ کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے اور یہ مشورہ لینا ایسا ہے جیسے دوسرے کے پاس امانت رکھوادی، ظاہر ہے کہ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس کا فرض ہے

---

(۱) سنن الدارمی: مقدمة: الفتيا وما فيه من الشدة، حديث: ۱۶۱، اس کی سند قوی ہے۔

(۲) بخاری: باب خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين، حديث: ۴۶۴۲

(۳) قصص العرب: ۵۹/۱

(۴) ترمذی: کتاب الأدب، باب أنّ المستشار مؤتمن، حديث: ۲۸۲۲

کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس میں خیانت نہ کرے، لہٰذا جس شخص سے مشورہ کیا جارہا ہے اگر اس کو اس معاملے میں بصیرت اور ادراک حاصل نہیں ہے تو اس کو صاف کہہ دینا چاہئے کہ میں اس سلسلے میں مشورہ کا اہل نہیں ہو، فلاں جو اس کا ماہر ہے اس سے مشورہ کرلو۔

☆ مُشیر امانت دار ہو، یعنی اگر آپ کے اندر اہلیت ہے تو پھر مشورہ لینے والے کی پوری خیر خواہی مدّ نظر رکھتے ہوئے اس کے مناسب حال جو مشورہ ذہن میں آئے دیانت داری کے ساتھ اس کے سامنے بیان کردے، یعنی مشورہ دینے میں اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ یہ مشورہ دوں گا تو شاید اس کا دل ٹوٹ جائے گا، یا یہ مجھ سے ناراض اور رنجیدہ ہو جائے گا؛ بلکہ دیانت داری کے ساتھ وہ بات کہی جائے جو تمہارے نزدیک اس کی خیر خواہی پر مشتمل ہے، اسی کو حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا: ”ولیکن أهل مشورتك أهل التقویٰ والأمانة“ (۱) یعنی تمہارا مشورہ دینے والا متقی اور امانت دار ہو۔

اور امام شافعیؒ نے فرمایا: ”یُشاور من جَمَعَ العلمَ والأمانة“ (۲) یعنی علم اور امانت کے جامع شخص سے مشورہ کیا جائے۔

☆ مُشیر رازداری کرے، حضور ﷺ کی اس حدیث ”المستشار مؤتمن“ کا مطلب یہ بھی ہے کہ جو شخص تمہارے پاس مشورہ لینے آیا ہے، اس نے تمہیں ہمراز بنایا ہے، اپنے دل کی بات اس نے تم سے کہہ دی ہے، اب یہ تمہارے اور اس کے درمیان رازداری کا معاملہ ہوگیا، یہ راز تمہارے یہاں اس کی امانت ہے جس کو پردۂ راز اور خفا میں رکھنا ایک فرض ہے۔

☆ صحیح اور مناسب مشورہ دے، پھر جانتے بوجھتے غلط مشورہ دینا خواہ کسی بھی وجہ سے ہو تو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے دوسرے بھائی سے مشورہ کیا اور اس نے اس کو غلط مشورہ دیا تو فرمایا: ”فقد خانه“ یعنی اس نے امانت میں خیانت کی۔ (۳)

---

(۱) المغني لابن قدامة : ١٠/٤٧

(۲) الأم للشافعي : ٧/١٠٠

(۳) ابوداؤد: باب التوقي في الفتيا، حدیث: ٣٦٥٧، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

☆ عورت سے بھی مشورہ لیا جا سکتا ہے، یعنی مشورہ دینے کا اہل صرف مرد ہی نہیں؛ بلکہ عورت سے خود ان کے معاملات اور دیگر معاملات میں مشورہ لیا جا سکتا ہے، چونکہ ارشادِ باری عزوجل ہے "وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ "(۱) مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ بھلائی کا حکم کرتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے بہت سارے امور میں اپنی ازواجِ مطہرات سے مشورہ طلب کیا ہے؛ بلکہ خانگی معاملات کے علاوہ عمومی قسم کے معاملات میں بھی مشورہ کیا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ کفار نے آئندہ سال عمرہ کرنے کو کہا اور اس سال واپس جانے کی رائے دی تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے شش و پنج میں مبتلا ہو گئے، اور اب عمرہ کرنے پر بضد تھے، اس کا تذکرہ حضور ﷺ نے ام سلمہؓ سے کیا تو انہوں نے آپ ﷺ کو اس معاملہ میں یہ مشورہ دیا کہ آپ خود پہلے حلق کرالیں اور احرام کھول دیں، اس طرح سارے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی موافقت میں یہ عمل کریں گے:"اخرج ثم لا تكلم أحدا منهم كلمة، حتى تنحر بدنك، وتدعوا حالقك فيحلقك، فلما رأوا ذلك قاموا " (۲)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ مشورہ لیتے تھے؛ یہاں تک کہ عورت سے بھی، اگر کوئی مفید رائے دیتی تو اس کو قبول فرماتے " النبي يستشير حتى المرأة، فتشير عليه بالشيء فيأخذ به " (۳)

☆ مشورہ کے بارے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ کس چیز کے بارے میں مشورہ کیا جائے؟ جو کام شریعت نے فرض قرار دیا ہے، یا جو کام واجب درجہ کا ہے، یا جس کو شریعت نے

---

(۱) التوبة: ۷۱

(۲) بخاري: باب الشروط في الجهاد، حديث: ۲۵۸۱

(۳) الأخبار لابن قتيبة: ۸۲/۱، دار الكتب العلمية، بيروت

حرام کہا ہے، تو ایسے تمام کام مشورہ کے محل نہیں ہیں، اس لئے کہ جن امور کو اللہ تعالیٰ نے فرض وواجب قرار دے کر کرنے کا حکم دے دیا تو کرنا ہی ہے، اور جن کاموں کو حرام قرار دے کر ان سے روک دیا ہے ان سے تو ضرور رکنا ہی ہے، اس میں مشورہ کا کیا سوال؟ مثلاً کوئی یہ مشورہ کرے کہ نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں؟ یا یہ مشورہ کرے کہ شراب پیوں یا نہ پیوں؟ ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے بارے میں مشورہ حماقت ہے؛ کیونکہ یہ کام مشورہ کے محل ہی نہیں ہیں۔

بہر حال مشورہ گھریلو امور، خاندانی امور، زوجین کے آپسی معاملات، اور اولاد ووالدین کے معاملات، حکومتی سطح اور تنظیمی سطح کے تمام معاملات میں کرنا ہے، چنانچہ اللہ عزوجل نے میاں بیوی کو لڑکے کو دودھ پلانے یا چھڑانے کے بارے میں مشاورت کو کہا ہے "فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا" (۱)

محمد رشید رضا مصریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

جب قرآنِ کریم نے لڑکے کی تربیت سے متعلق معمولی سے معاملے میں مشورہ کرنے کو کہا ہے تو پوری امت کی تربیت اور اس کے درمیان عدل وانصاف کے قیام کیلئے مشورہ کیوں کر ضروری نہیں ہوگا؟ جب والی اور حاکم کی رحمت وشفقت امت اور رعایا کے حق میں والدین کی شفقت اور رحمت کے کچھ بھی پاسنگ میں نہیں آسکتی۔ (۲)

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ: "حتى انه كان يستشير في قوت أهله وادامهم" یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ اپنے گھر کے کھانے اور سالن تک کے بارے میں مشورہ کیا کرتے تھے۔ (۳)

آپ ﷺ نے معرکہ بدر میں جگہ کے انتخاب کے سلسلہ میں مشورہ کیا، اور اس میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا، اور حضور ﷺ کے انتقال کے بعد خلیفہ کا انتخاب بھی

---

(۱) البقرة : ٢٣٣

(۲) تفسير المنار : ٢/ ٤١٤

(۳) المبسوط: ١٦/ ٧١، دار المعرفة، بيروت

مشورہ سے طئے پایا، حضرت ابوبکر ؓ نے مرتد لوگوں سے قتال، جد کی میراث اور شراب پینے والے کی سزا کے بارے میں مشورہ سے معاملہ طئے کیا، حضرت عمر ؓ نے بھی کئی ایک معاملات مشورہ سے طئے کیے، مجاہدین کی ازواج سے متعلق اپنی بیٹی حضرت حفصہ ؓ سے مشورہ کیا۔

بہرحال مشورہ سے مختلف آراء سامنے آتی ہیں، اور مختلف نقاطِ نظر سامنے موجود ہوتے ہیں اس طرح صواب اور جو کچھ ذہنِ انسانی سے چوک ہوسکتی ہے وہ آراء کی شکل میں سامنے آجاتی ہے۔

حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ”لا خیر فی أمر أبرم من غیر مشورة“ اس معاملہ میں خیر اور بہتری نہیں جو بغیر مشورہ کے طئے پایا ہو۔

☆ مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں، مشورہ لینے کا مقصد یہ ہوتا ہے ایک صاحبِ بصیرت کی رائے سامنے آجائے، لیکن جس نے مشورہ لیا ہے وہ اس مشورہ پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہے؛ بلکہ اس کو اختیار ہے، اگر وہ مشورہ اس کو پسند آئے تو اس پر عمل کرے اور اگر مناسب نہ معلوم ہو تو اس پر عمل نہ کرے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، یہ مغیث نامی غلام کی زوجیت میں تھیں، ان کے آقا نے ان کو آزاد کردیا، اگر باندی آزاد کردی جائے تو اس کا نکاح پہلے سے کسی سے کیا ہوا ہو تو اس کو یہ اختیار ملتا ہے کہ چاہے تو یہ نکاح برقرار رکھے یا ختم کردے، چنانچہ بریرہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر مغیث سے خوش نہیں تھیں، وہ چاہتی تھیں کہ اس نکاح کو ختم کردے، ان کے شوہر مغیث ؓ کو ان سے بے انتہا محبت تھی، وہ نہیں چاہتے تھے کہ: اس نکاح کو ختم کردیں، چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ سے اس بارے میں سفارش چاہی، تو حضور اکرم ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے بریرہ! اللہ سے ڈرو، یہ چونکہ تمہارے شوہر اور تمہارے لڑکے کے باپ ہیں، تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ!

یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ، تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تو بس سفارش کر رہا تھا، یہ تو بس میرا مشورہ ہے "انّما أنا شافع به رحال" انہوں نے کہا: اگر یہ آپ کا یہ محض مشورہ ہے اور حکم نہیں تو مجھے اس میں اختیار ہے " قالت : لا حاجة لي فيه " (۱)

لہٰذا اگر کوئی کسی کو مشورہ دے تو اس کے مشورہ کو قبول کر لینا کچھ ضروری نہیں، اور اگر قبول نہ کرے تو اس کو برا نہیں ماننا چاہیے۔

---

(۱) بخاری: باب شفاعة النبی، حدیث: ٩٤٧٩

موبائیل فون: آداب واحکام

موبائیل کی ایجاد نے دوریوں کو سمیٹ دیا ہے، دوستوں عزیز واقارب سے ربط وتعلق اور دور دراز ممالک سے منٹوں اور سکنڈوں میں گفتگو ہوجاتی ہے، موجودہ زمانے میں جہاں یہ چھوٹا سا آلہ مفید تر ثابت ہورہا ہے، وہیں اس کی مضرتیں بھی سامنے آرہی ہیں، اس کا صحیح اور بامقصد اور جائز استعمال ہی اس آلہ کو فائدہ اور نفع رساں بنا سکتا ہے، اگر اس کا غلط استعمال کیا جائے تو اس کی تباہی اور بربادیاں نہایت ہی دوررس اور خطرناک نتائج کے حامل ہوسکتے ہیں، یہ سستا اور مفید آلہ ہر شخص کی ضرورت بن گیا ہے اور انسانی زندگی کا جزو لازم ثابت ہورہا ہے، اس لئے اس کے استعمال کے تعلق سے آداب واحکام لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ یہ مختصر، مفید آلہ جو انسانی ایجاد اور اختراع کا عجیب شاہکار ہے اس پر خدا کا شکر بجالائے دراصل اس ایجاد کے پیچھے بھی خدا کی قدرت وقوت کی کارفرمائی ہے، کہ اس نے دنیا کی چیزوں کو انسان کے تابع کردیا ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی قوت اِدارک سے نت نئے اور عجیب وغریب چیزیں ایجاد کرتا ہے: "وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ" (۱) اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (۲) وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے۔

---

(۱) الجاثیہ: ۱۲

(۲) البقرہ: ۲۹

اور فرمایا: ”وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ (۱) اور ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں۔

۲۔ کسی سے فون پر ربط کرنا ہو تو سب سے پہلے اس کیلئے مناسب وقت کا تعین کرے، لوگوں سے ان کے نماز، نیند، کھانے اور کام کے اوقات میں ربط سے پرہیز کرے، کیونکہ اس کی وجہ سے ان کی عبادت اعمال، اشغال اور نیند اور آرام وغیرہ میں خلل ہو سکتا ہے، وقت کے تعین کے بغیر کسی کو فون کرنا دراصل یہ ایذاءِ مسلم کے قبیل سے ہے، جس کی شریعت میں ممانعت وارد ہوئی ہے، ”لا تؤذوا المسلمین“ (۲)

لہٰذا ان اوقات میں فون کر کے ان کو ایذاء نہ دے اگر کوئی امر جنسی اور ضروری مسئلہ درپیش ہو تو معذرت کے ساتھ بتلا دے۔

۳۔ کسی کو فون کرنے سے پہلے جس کو فون کیا جا رہا ہے اس کے صحیح نمبر کا تعین کرے، غلطی میں دوسرے نمبر پر کال ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے کسی سوئے ہوئے شخص کو خلل یا کسی مریض کو اذیت یا کسی مطمئن شخص کو خوف ہو سکتا ہے، حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ”لا تحل لرجل أن یروّع مسلمًا“ (۳)

۴۔ اگر کسی سے فون پر ربط کیا جائے تو اس شخص کو اس کا جواب دینا چاہیے، بہت سارے لوگ فون کاٹ دیتے ہیں یا سوئچ آف کر دیتے ہیں اور اس کا جواب نہیں دیتے یا کبھی جھوٹ کہہ دیتے ہیں کہ میں آپ کا فلاں مطلوبہ شخص نہیں ہوں، یا میں قریب میں نہیں ہوں،

---

(۱) النحل: ۸

(۲) ترمذی: کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی تعظیم المومن، حدیث: ۲۰۳۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب من یأخذ الشیٔ علی المزاح، حدیث: ۵۰۰۴، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: باب فیمن أخاف مسلما، حدیث: ۱۰۵۲۹

یہ اسلامی اخلاق کے منافی بات ہے، چونکہ آواز دینے اور بلانے والے کا جواب یہ واجبات کے قبیل سے ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں، ان میں فرمایا: ’’ويجيبه اذا دعاه‘‘ (۱) اور جب اسے بلائے تو اس کا جواب دے۔

اور فرمایا: ’’ انّ لزورك عليك حق‘‘ تمہاری زیارت کرنے والے کا تم پر حق ہے، اگر بات کرنے کا موڈ نہ ہو تو معذوری اور مجبوری کا اظہار کرے لہٰذا اگر کوئی معذرت کر دے تو ربط کرنے والے کو اس سے بدظن نہیں ہونا چاہیے۔

۵۔ ربط کے بعد کلام کی ابتداء سلام سے ہو یعنی (اگر معلوم ہو کہ مخاطب مسلمان ہے) ’’السلام عليكم ورحمة الله وبركاته‘‘ کہے مسلمانوں کا جنت میں سلام بھی یہی ہوگا ’’وتحيّتهم يوم يلقونه سلام‘‘ (۲)

’’ہیلو‘‘ وغیرہ الفاظ سے کلام کی ابتداء نہ کرے:

۶۔ اگر موبائل سیٹ میں تصویر لینے والا آلہ (کیمرہ) ہو تو اس سے حرام اور فحش تصاویر اور جاندار کی تصاویر وغیرہ نہ لے البتہ ضروری فوٹوز یا قدرتی مناظر کی تصویر لی جاسکتی ہے۔

چنانچہ شریعت نے اجازت کے احکام کے تحت غلاموں، چھوٹے بچوں کو تین اوقات میں اجازت لے کر گھر میں داخل ہونے کو کہا ہے نماز فجر سے پہلے، قیلولہ کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد، آزاد بالغ لوگوں کو تو تمام اوقات میں اجازت لینا چاہیئے۔ (۳)

یہ اجازت لینے کے احکام اس لئے ہیں کہ نیند آرام راحت کھانے پینے میں خلل واقع نہ ہو۔

اس طرح حضور ﷺ نے مسافر کو رات میں گھر آنے سے منع کیا ہے، اس لئے کہ اس کے اہل ناگوار اور ناپسندیدہ گندی حالت میں ہوسکتے ہیں اس طرح دوسرے کی اذیت کا باعث ہوں گے۔

---

(۱) ترمذی: باب تشميت العاطس، حديث: ۲۷۳۷، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۲) الاحزاب: ۴۴ (۳) سورة النور: ۵۸-۵۹

فون پر ربط قائم کرنے کیلئے وقت مناسب کی غایت یہ حکم ان جگہوں سے متعلق ہے، البتہ جو عمومی جگہیں ہوتی ہیں جہاں رات و دن کے کام کے وقت متعین ہوتے ہیں جیسے دکان، ہوٹل وغیرہ وہاں ان اوقات میں بلا تامل فون کیا جا سکتا ہے۔

اسی کو فرمایا: " لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوا بُیُوتًا غَیْرَ مَسْکُونَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَکْتُمُونَ " (۱) تم کو ایسے مکانات میں چلے جانے کا نہ گناہ ہوگا جن میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو، ان میں تمہاری کچھ برت ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔

☆ اور اتنے ہی مرتبہ کال کرے اور اتنی دیر ہی کال کرے کہ جس میں جس سے ربط قائم کیا جا رہا ہے اس کے سن لینے کا گمانِ غالب ہو بہر حال تین مرتبہ ہی بیل ہو جائے اتنے پر ہی اکتفا کرنے کو نہیں کہا جا رہا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: " اذا استأذن أحدکم ثلاثًا فلم یؤذن لہ فلیرجع " (۲)

بہر حال زیادہ بیل اور گھنٹی کے ذریعہ مقابل شخص کو تنگ نہ کرے۔

ایک عورت حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پاس گئی اور ان کے دروازے کو زور سے کھٹکھٹانے لگی تو امام احمدؒ باہر تشریف لائے اور فرمایا: " ھذا دق الشرطۃ " یہ تو پولیس والوں کی طرح کھٹکھٹانا ہے اس طرح کھٹکھٹانے کو ناپسند اور غیر مناسب سمجھتے ہوئے فرمایا: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے " أنّ أبواب النبی کانت تقرع بالاظافیر " (۳)

(چونکہ فون پر ربط کرنے والا گھر میں آنے والے کی طرح ہے) اس لئے فون اٹھانے پر

---

(۱) النور: ۲۹

(۲) بخاری: باب التسلیم والاستیذان ثلاثا، حدیث: ۵۸۹۱

(۳) الادب المفرد: باب قرع الباب، حدیث: ۱۰۸۰، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اس میں ضرار بن صرد ضعیف ہیں: مجمع الزوائد: باب قرع الباب، حدیث: ۱۲۸۰۲

السلام علیکم کہے اور سننے والے کو اس کا جواب دینا چاہئے ربعیؒ سے روایت ہے کہ ہمیں بنی عامہ کے ایک شخص نے بتایا کہ انہوں نے حضور ﷺ سے آپ کے گھر پر اجازت چاہی اس نے کہا: کیا میں داخل ہوجاؤں؟ نبی کریم ﷺ نے اپنے خادم سے کہا: اس کے پاس جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنے کے آداب سکھاؤ، پھر اس سے کہو: یوں کہے: السلام علیکم کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ اس شخص نے اسے سنا اور کہا ”السلام علیکم“ کیا میں اندر آسکتا ہوں ”السلام علیکم أ ادخل“ چنانچہ وہ گھر میں آئے۔ (۱)

☆ جس سے ربط کیا گیا اگر وہ یہ دریافت کرے کہ آپ ﷺ کون بات کر رہے ہیں تو یوں نہ کہے کہ میں بات کر رہا ہوں؛ بلکہ اپنا نام یا جس سے اپنا تعارف ممکن ہو تو اس طرح ذکر کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ”میں نے حضور ﷺ سے اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کون؟ میں نے کہا: میں...... آپ ﷺ نے فرمایا: میں میں ” انا، أنا “ گویا آپ نے اس کو ناپسند کیا ” كأنّه كرهها “ (۲)

☆ جس طرح فون پر گفتگو کی شروعات سلام سے کی جانی چاہئے، اسی طرح اختتام بھی سلام سے ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی مجلس میں آئے تو سلام کرے اور جب اٹھنے لگے تو سلام کرے، پہلا والا سلام آخری والے سلام سے زیادہ فضیلت والا نہیں ” ليست الاولٰى احق من الاٰخرة “ (۳)

☆ پست اور دھیمی اور معتدل آواز میں بات ہو اور سامع کے درجہ اور مقام اور منزلت کا اعتبار کرتے ہوئے گفتگو کرے۔

---

(۱) ترمذی: باب الاستيذان ثلاثة، حديث: ۲۷۱۰، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب اذا قال من ذا؟ حديث: ٥٨٩٦

(۳) ترمذی: باب التسليم عند القيام، حديث: ٢٧٠٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی "واغضض من صوتك" (۱) اپنی آواز کو پست کر۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "انزلوا الناس منازلهم" لوگوں کو ان کا مقام دو۔ (۲)

۷۔ سلام کے بعد اپنا اور جس جگہ سے فون کر رہے ہیں اس جگہ کا نام اور ربط قائم کرنے کے مقصد کا اظہار کرے، اور ادب واحترام تہذیب وشائستگی کے ساتھ بات چیت کرے اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: "يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُم مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ" (۳) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف خاندان بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

بغیر نام بتائے اور بغیر تعارف کے جاسوسانہ انداز میں گفتگو نہ کرے:

۸۔ اگر کسی عورت یا لڑکی سے کسی ضرورت سے بات کرنا ہو تو شائستہ اور مہذب بات کرے اور عورت بھی شائستہ اور مہذب اندازِ گفتگو اختیار کرے، نرم رویہ اس طرح اختیار نہ کرے کہ غلط اغراض اور مریض دل لالچ کرنے نہ لگ جائے، اللہ عزوجل نے مردوں کو مخاطب کرکے فرمایا "وقولوا لهم قولًا معروفا" (۴)

اور عورتوں سے کہا گیا "فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا" (۵) سو تم دب کر بات نہ کرو پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول۔

---

(۱) سورۂ لقمٰن: ۱۹

(۲) ابوداؤد: باب في تنزيل الناس، حديث: ٤٨٤٢، مناوی کہتے ہیں کہ: امام نووی نے ریاض الصالحین میں کہا ہے کہ: میمون نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات نہیں کی ہے اور حاکم نے اس روایت کو علوم الحدیث میں ذکر کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے: فيض القدير: حرف الهمزة، حديث: ۲۷۳۵: ۳/۵۷

(۳) الحجرات: ۱۳ (۴) النساء: ۵ (۵) الأحزاب: ۳۲

۹۔ کسی سے فون پر بات چیت ہو تو کلام کو بے جا طول نہ دیں؛ بلکہ مختصر و مفید گفتگو کی جائے، چونکہ حضور ﷺ کا کلام بھی جوامع الکلم (مختصر، مفید جامع) پر مشتمل ہوتا تھا، چونکہ اگر ہم کلام کو بے جا طول دیں گے تو ہم سے ربط قائم کرنے والے کے پیسے بے جا صرف ہوں گے، اور بغیر اس کی رضا کے اس کے مال کو صرف کرنا حرام ہے، اسی طرح اگر کسی دوسرے کا فون استعمال کریں تو بھی مختصر گفتگو کریں، بعض لوگ دوران گفتگو مزاح کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه" (۱)

جس نے ربط کیا ہے اس سے کلام کو طول دینا یہ دراصل اس کے مال کو ضائع کرنا ہے، اسلام نے جب بے جا کلام سے منع کیا ہے تو پھر اس کے ساتھ مال کا ضیاع کس قدر ممنوع ہوگا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ عزوجل تمہاری تین چیزوں کو پسند کرتا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند کرتا ہے، جن چیزوں کو ناپسند کرتا ہے اس میں فرمایا" کثرۃ السوال واضاعة المال" (۲)

۱۰۔ فون کے استعمال میں احتیاط برتے، ضروری اور اہم احوال میں ہی فون کا استعمال کرے، اس طرح مال کی حفاظت ہوسکے گی اور بے جا اور بے محل اس کا استعمال نہ ہوگا؛ چونکہ مال کا بے جا اور بے تحاشا استعمال شرعاً حرام ہے، مسلمان سے روزِ قیامت اس کے مال کے مصرف کے تعلق سے بھی سوال ہوگا۔

۱۱۔ موبائل فون مسجد میں کھلا رکھ کر نہ جائے؛ چونکہ فون کی آمد سے مصلیوں، نمازیوں اور فرشتوں کو خلل ہوتا ہے جو اِن کے واسطے ایذاء رسانی کا باعث ہے موبائل فون کی گھنٹی کی آوازیں نمازی کی توجہ کو بانٹ دیں گی، حضور ﷺ نے فرمایا: "وائتوا الصلاۃ وعلیکم السکینة" (۳)

---

(۱) مسلم: باب تحریم ظلم المسلم، حدیث: ٢٥٦٤

(۲) بخاری: باب ما ینهی عن اضاعة المال، حدیث: ٢٢٧٧

(۳) مسند احمد: مسند ابی هریرة، حدیث: ٨٩٥١، محقق شعیب الارنؤوط نے اس سند کو شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے۔

۱۲- موبائل فون کو نوجوان بچے اور بچیوں کے حوالے کرنے میں احتیاط اور نگرانی سے کام لے اس کی وجہ سے عشق ومعاشقہ کے تباہ کن راستے پر وہ چل سکتے ہیں، جو دونوں کی دنیا وآخرت کو برباد کرسکتا ہے۔

۱۳- اس کا استعمال رشتہ داروں عزیز واقارب اور دوست واحباب سے جن سے ملاقات دشوار ہو یا تو کثرتِ مسائل یا مسافت کی دوری تو ہو ان سے گفتگو کیلئے کرے، اس طرح ان کی خوشی، دکھ درد، میں شریک ہو۔

ایسے ہی اس کا استعمال علماء بزرگان دین وغیرہ سے اپنے امورِ دارین کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے کرے۔

۱۴- سادی، مہذب رنگ ٹون کا استعمال کرے، ایسے رنگ ٹون نہ ہو جو فحش یا لغو باتوں پر مشتمل ہو یا گانوں کی میوزک وغیرہ کا استعمال ہو۔

۱۵- اگر کسی سے غلطی سے ربط قائم ہوجائے یا غیر مناسب وقت میں ربط قائم ہو تو فون کرنے والے کا صحیح جواب دے اور اس کی معذرت کو قبول کرے غصہ نہ ہو، گالی گلوچ نہ کرے۔

رِنگ ٹون کی جگہ بعض لوگ گانے وغیرہ سیٹ کرتے ہیں یہ حرام ہے۔

بعض لوگ اس کی جگہ قرآنی آیات اذکار وغیرہ فٹ کرتے ہیں یہ بھی درست نہیں، چونکہ ارشادِ باری ہے ”اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْ لَهٗ“ (۱)

اس میں ہر دینی بات شامل ہے۔

☆ آفس کے فون اور دفتری اور کاروباری فون کو اپنے ذاتی کاموں اور اپنی نجی گفتگو کیلئے استعمال نہ کرے یہ امانت میں خیانت ہے۔

---

(۱) الاعراف: ۲۰۴

☆ کسی دوسرے کے موبائل کے استعمال میں احتیاط کرے، اگر وہ اجازت دے تو کلام کو بے جا طول دے کر اس کا اسراف نہ کرے یا اس کی رضامندی اور خوشی کے علم کے بغیر ہی جبکہ وہ با دل نخواستہ دے رہا گفتگو نہ کرے، لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس له (۱)

☆ مسلمان کو چاہیے کہ وہ صدق وامانت کو اختیار کرے، خیانت اور دھوکہ دہی نہ کرے، کسی کی گفتگو کو اس کی اجازت اور علم کے بغیر ریکارڈ کرنا بھی امانت میں خیانت ہے، خواہ یہ گفتگو دینی یا دنیوی خواہ فتاوی یا علمی مباحث یا کسی بھی شکل میں ہو۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ” اذا احدث الرجل الحدیث: ثم التفت فهی أمانة “ (۲)

جو بات بھی اس نے تم سے کہا ہے یہ امانت ہے جس کو اس نے تمہارے پاس رکھی ہے اگر تم نے یہ بات دوسروں سے کہہ دی تو تو نے امانت میں خیانت کیا۔

امام غزالیؒ نے احیاء میں فرمایا ہے ” فافشاء السر خیانة وهو حرام اذ کان فیه اضرار “ (۳)

لہٰذا متکلم کی اجازت اور علم کے بغیر اس کی گفتگو کو ریکارڈ کرنا یہ دھوکہ دہی، خیانت ہے، اگر وہ بات دوسروں میں نشر کی جائے تو یہ امانت میں مزید خیانت ہوگی۔

☆ انٹرنیٹ دو دھاری تلوار ہے اور اکثروں کے حق میں ” اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا “ کا مصداق بن چکا ہے، تعلیمی اور تجارتی اغراض سے اس کا استعمال واقعی مفید ہے؛ لیکن استعمال کرنے والے کے اندر تقوی کا بریک بھی مضبوط ہونا چاہئے، اس کے بغیر اس آلہ کا کسی بھی آدمی کے ہاتھ میں دینا دنیا وآخرت کی بربادی کا ذریعہ ہے، جو لوگ

---

(۱) شعب الایمان: الثامن والثلاثون من شعب الایمان، حدیث: ۵۴۹۲، بوصیری کہتے ہیں کہ: احمد کے رجال ثقات ہیں: اتحاف خیرة المهرة بزوائد العشرة: کتاب الغصب: ۱۰۸/۳

(۲) ترمذی: ان المجالس أمانة، حدیث: ۱۹۵۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۳) احیاء علوم الدین للغزالی: کتاب افات اللسان: ۱۳۲/۳، دار المعرفة، بیروت

ضرورت مند ہیں وہی استعمال کریں، غیر ضرورت مند لوگوں کیلیے استعمال کی گنجائش ہرگز نہ رکھی جائے، گھر میں ایسی جگہ پر نہ رکھا جائے کہ جہاں پر تنہائی اور تخلیہ ہوتا ہو اور تنہا آدمی پر شیطان آسانی سے قابو پالیتا ہے، اگر بچوں کو کسی ضرورت سے استعمال کرنا بھی پڑے تو سرپرست ساتھ میں بیٹھیں، اس زمانے میں باپ اپنی اولاد کیلیے کیچڑ والی سڑک پر بھیجنا گوارہ نہیں کرتا اور بغیر بریک کی گاڑی نہیں دیتا؛ لیکن وہ انٹرنیٹ کا آلہ بغیر بریک کے دے رہا ہے اور بے حیائی کے کیچڑ میں اولاد کو ڈھکیل رہا ہے۔

کھانے پینے کے آداب

☆ انسان کا یہ جسم اللہ کی امانت ہے، اس امانت کی حفاظت وصیانت یہ انسان کا فریضہ ہے لہٰذا جسم کیلئے کھانے کی اس مقدار کا فراہم کرنا کہ اس کو ہلاکت سے بچایا جائے یہ فرض ہے، کیونکہ انسان احکامِ خداوندی کے بجا آوری کے لائق اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اس کو قوتِ بدن حاصل ہو، جو کہ کھانے پر موقوف ہے، لہٰذا اتنا کھانا کہ عبادت کے لئے قوت حاصل ہو مستحب ہے، قوتِ جسمانی میں اضافہ کیلئے آسودہ ہو کر کھانا مباح ہے، اس سے زیادہ کھانا جائز نہیں یہ فضول خرچی اور اسراف ہے۔ (۱)

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر اجر عطا فرمائیں گے، یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی جس کو بندہ اپنے منہ میں رکھتا ہے، " انّ المسلم یُوجر فی کلّ شیئٌ حتّٰی اللُّقْمَةَ یَرْفَعُهَا اِلٰی فِیْهِ " (۲)

بلکہ اسلامی شریعت میں جان کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ اگر بھوک کی وجہ سے جان جانے کا اندیشہ ہو اور مردار کے سوا کھانے کیلئے کچھ میسر نہ ہو، ایسی صورت میں مردار کو بقدرِ ضرورت کھانے کی اجازت ہے، " فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ " (۳)

پس جو لوگ شدت کی بھوک میں بیتاب ہو جائیں بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف ان کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں۔

---

(۱) مجمع الأنهر: ۵۲۴/۲

(۲) مسند احمد: مسند سعد بن أبي وقاص، حديث: ۱۵۳۱، محقق شعیب الارنؤط فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن ہے اور اس کے رجال ثقہ اور صحیح کے رجال ہیں سوائے عمر بن سعد کے یہ نسائی کے رجال میں سے ہیں۔

(۳) المائدة: ۳

ایسے ہی شریعت نے مسلسل روزے رکھنے سے بھی منع کیا ہے یا مسلسل بغیر سحر وافطار کے روزہ رکھتے ہوئے اس کو موت آجائے تو وہ گنہ گار ہوگا۔ (۱)

☆ کھانے کے سلسلے میں سب سے پہلی ہدایت یہ ہے کہ حلال وطیب غذا کھائی جائے، حرام غذا کے استعمال سے پرہیز کیا جائے، چونکہ ارشادِ خداوندی ہے "كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ" (۲) کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں۔

☆ سادہ غذا استعمال کی جائے، غذا میں تکلفات اور خواہشات وجذبات کی تکمیل پسندیدہ چیز نہیں، حضور ﷺ کا بھی سادہ غذا استعمال فرماتے تھے:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ جو کی روٹی کو کیسے پکاتے تھے؟ (چونکہ اس میں تنکے وغیرہ زیادہ ہوتے تھے،) تو سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے آٹے میں پھونک مار لیا کرتے تھے، جو موٹے تنکے ہوتے ہیں وہ اڑ جاتے تھے باقی کو گوندہ لیتے تھے "كُنَّا نَطْحَنُهٗ وَنَنْفُخُهٗ فَيَطِيْرُ مَا طَارَ وَمَا بَقِيَ ثَرَّيْنَاهُ فَأَكَلْنَاهُ" (۳)

سرکہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ بہترین سالن ہے، "نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ" (۴)

تلچھٹ اور کھرچن کو نبی کریم ﷺ مزے لے کر تناول فرماتے تھے "كان يعجبه الثفل" (۵)

---

(۱) مجمع الأنهر: ۲/ ۵۱۵

(۲) البقرة : ۵۷

(۳) بخاری: باب ما كان النبی وأصحابه يأكلون، حديث: ۶۳۴۷

(۴) ترمذی : الخل، حديث: ۱۸۴۰، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۵) مسند احمد: مسند انس بن مالك رضی الله عنه، حديث: ۱۳۳۲۳، محقق شعیب الارنؤط نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور یہ سند حسن ہے، ابو جعفر المدائنی، اور یہ محمد بن جعفر بزار ہیں۔ صدوق، حسن الحدیث ہیں اور یہ مسلم کے رجال میں سے ہیں، لیکن اس میں کچھ کلام ہے جو اس کو صحیح کے رتبہ سے گرا دیتا ہے اور اس کے بقیہ رجال شیخین کے رجال ہیں۔

☆ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے جائیں، یہ صحت اور تندرستی، نفاست اور نظافت کیلئے جہاں ضروری ہے، وہیں انبیاء علیہم السلام کی سنت اور خیر و برکت کا باعث ہے، کھانے کی نیت سے ہاتھ دھوئے، دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے۔

حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے اور تمام نبیوں کی سنت ہے ”الوضوء قبل الطعام وبعده مما ينفي الفقر وهو من سنن المرسلين“ (۱)

حضرت انس ؓ نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے گھر میں خیر زیادہ ہو اسے چاہیئے کہ کھانا کھائے تو ہاتھ دھوئے اور جب فارغ ہو تو ہاتھ دھوئے ”من يحب أن يكثر الله خير بيته، فليتوضأ اذا حضر غداؤه، واذا رُفع“ (۲)

ہاتھ دھونے کے بعد رومال وغیرہ سے پونچھنا نہیں چاہیئے، البتہ کھانے کے بعد جو ہاتھ دھوئے ان کو پونچھ لے اور کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے کلی نہ کرے سنت یہی ہے، کیونکہ ہاتھ اگرچہ پاک ہیں؛ لیکن موقع بے موقع پڑتے رہتے ہیں کہیں کھجلا دیا، کہیں ناک میں انگلی ڈال دی وغیرہ اس لئے اس کا دھونا سنت ہوا، منہ تو پاک وصاف ہی رہتا ہے، اس کے دھونے کی کوئی ضرورت نہ تھی (البتہ اگر منہ صاف نہ ہو تو کلی کرنے میں کوئی حرج نہیں) البتہ کھانے کے بعد ہاتھوں کو دھونے کے بعد کلی بھی کرکے منہ صاف کرے۔ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب الوضوء قبل الطعام وبعده، حديث: ۷۹۱۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں نہشل بن سعید متروک ہیں، مناوی کہتے ہیں کہ: اگرچہ یہ تمام روایتیں ضعیف ہیں لیکن اس معنی کی روایتیں ایک دوسرے کو قوی کرتی ہیں: فيض القدير: فصل في المحلى: ۳۷۶/۶، المكتبة التجارية الكبرى، مصر

(۲) ابن ماجه: باب الوضوء عند الطعام، حديث: ۳۲۶۰، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند ضعیف ہے کثیر اور جبارۃ کے ضعف کی وجہ سے، اور اس کا ایک سلمان کی حدیث ہے جس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ دونوں بھی ضعیف ہیں: المصباح الزجاجة كتاب الأطعمة: ۱۵۸/۲، دار الجنان، بيروت

(۳) اسلامی تہذیب: ۹۵

☆ جب کھانا پیش کیا جائے تو یہ دعا پڑھے :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کھانا پیش کیا جاتا تو نبی کریم ﷺ یہ دعا پڑھتے " اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْمَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، بِسْمِ اللّٰہِ " (۱) اے اللہ! تو نے ہمیں جس چیز سے نوازا ہے اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچا، اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

اور ایک روایت میں دعا کے الفاظ یہ ہیں: " اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِنْهُ " (۲) اے اللہ! اس میں ہمیں برکت عطا فرما، اور اس سے بہتر کھلا۔

☆ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کرے اگر بھول جائے اور درمیان میں یاد آئے تو " بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ " پڑھ لے۔ (۳)

بسم اللہ نہ پڑھنے سے شیطان کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے اور اللہ کا نام لیتا ہے اور کھانے پر اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہاں نہ سونے کی گنجائش ہے اور نہ کھانے کی " قال الشیطان : لا مبیت لکم ولا عشاء " (۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر بسم اللہ پڑھنا شروع میں بھول جائے تو " بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ " پڑھ لے (یعنی جب یاد آئے) " اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ ، فَاِنْ نَسِیَ اَنْ یَّذْکُرَ اسْمَ اللّٰہِ فِیْ اَوَّلِهٖ فَلْیَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ " (۵)

---

(۱) الدعاء للطبرانی: باب القول فی قنوت الوتر: ١/٢٧٨، دار الکتب العلمیة، بیروت

(۲) ترمذی: باب ما یقول اذا أکل طعاما: حدیث: ٣٤٥٥، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۳) ترمذی: التسمیة علی الطعام، حدیث: ١٨٥٨، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۴) مسلم: باب اداب الطعام والشراب، حدیث: ٢٠١٨

(۵) ابوداؤد: باب التسمیة علی الطعام، حدیث: ٣٧٦٧، امام نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے: الاذکار: ١/١٩٦

☆ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر بسم اللہ ان الفاظ میں کہے
"بِسۡمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ"

☆ دائیں ہاتھ سے کھانا کھائے، کیوں کہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا مسنون ہے، بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے۔

حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بچے! اللہ کا نام لو، اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور قریب سے کھاؤ "وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ" (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، اور نہ پانی پیئے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے "فانّ الشیطان یأکل بشماله ، ویشرب بشماله" (۲)

البتہ داہنے ہاتھ سے کھانے میں کوئی عذر ہو تو بائیں ہاتھ کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

☆ تین انگلیوں سے کھانا مسنون ہے، اگر ضرورت ہو تو چھنگلی چھوڑ کر چار انگلیاں استعمال کی جائیں، انگلیوں کو پورے جڑوں تک ملوث کرنے سے پرہیز کیا جائے، پانچ انگلیاں بھی ضرورت پر استعمال کی جاسکتی ہیں۔ (۳)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ آپ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم یأکل بثلاث أصابع ویلعق یده قبل أن یمسحها" (۴)

☆ برتن میں اپنی طرف سے کھانا کھائے، نہ بیچ میں ہاتھ ڈالے اور نہ دوسروں کی طرف سے کھائے۔

---

(۱) مسلم : باب اداب الطعام والشراب ، حدیث : ۵۳۸۸
(۲) مسلم: باب أداب الطعام والشراب، حدیث: ۲۰۲۰
(۳) فتح الباری : ۵۷۸/۹
(۴) مسلم : باب استحباب لعق الأصابع، حدیث: ۲۰۳۲

حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں پلیٹ کے چاروں طرف سے کھا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی جانب سے کھاؤ "كل مما يليك" (۱)

جب دستر خوان پر ایک ہی قسم کی چیز ہو یا کسی بڑے پلیٹ میں ایک ہی نوع کا کھانا ہو تو یہ حکم ہے کہ صرف اپنی طرف سے ہی کھائے اور اگر کئی اقسام کے کھانے ہوں تو دوسری طرف سے بھی لیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت عکراش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ: ہمارے سامنے پیالے میں ثرید اور گوشت کے ٹکڑے لائے گئے، میں اس میں چاروں طرف سے کھانے لگا اور آپ ﷺ صرف اپنے سامنے سے کھا رہے تھے، آپ ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرے دائیں ہاتھ کو پکڑا اور فرمایا: اے عکراش! ایک طرف سے کھاؤ، ایک ہی تو کھانا ہے، پھر اس کے بعد ایک طبق لایا گیا جس میں مختلف قسم کے کھجور تھے تو میں صرف اپنے سامنے سے ہی کھانے لگا اور نبی کریم ﷺ کا دستِ مبارک طبق کے چاروں طرف چل رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عکراش! جہاں سے چاہے کھاؤ، کیونکہ ایک قسم کا نہیں ہے "یا عكراش! كل من حيث شئت فانّه غير لون واحد" (۲)

☆ گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھانا سنت ہے :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے صاف کرے اور کھا لے، شیطان کیلئے نہ چھوڑے "ولا يدعها للشيطٰن" (۳)

حضرت عبد اللہ بن ام حرام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص دستر خوان پر

---

(۱) بخاری: باب الأكل مما يليه، حديث: ٥٠٦٢

(۲) ترمذی: باب في ترك الوضوء قبل الطعام، حديث: ١٨٤٨، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کو صرف علاء بن الفضل کے طریق ہی سے جانتے ہیں۔

(۳) مسلم: باب استحباب لعق الأصابع، حديث: ٢٠٣٣

گرے ہوئے ٹکڑوں کو تلاش کر کے کھائے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا " ومن یتبع ما سقط من السفرة غُفرلـه " (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ " اکرموا الخبز " روٹی کی عزت کرو۔ (۲)

دسترخوان کے ٹکڑوں کا کھانا تواضع ہے اور نہ کھانا تکبر کی علامت ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کھانا کھا رہے تھے کہ اس وقت ایک عجمی رئیس بھی آپ رضی اللہ عنہ پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک لقمہ گر گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو صاف کر کے کھالیا، خادم نے کہا: حضرت یہ عجمی لوگ اس فعل کو معیوب سمجھتے ہیں (اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں) ان کے سامنے یہ فعل مناسب نہیں معلوم ہوتا، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا " ویـأترك سنة حبیبی لهؤلاء الحمقاء " کہ کیا ان بے وقوفوں کی وجہ سے میں اپنے حبیب کا طریقہ چھوڑ دوں؟ یہ نہیں ہوسکتا۔ (۳)

☆ دسترخوان پر گرے ہوئے کھانے کو کھالے:

حضور اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ: جو شخص دسترخوان پر گرے ہوئے کھانے کو کھاتا ہے تو وہ وسعت اور کشادگی کے ساتھ زندگی گذارے گا اور اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد بیوقوفی اور پاگل پن سے محفوظ رہے گی " وعوفی فی ولده وولدولده من الحمق " (۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نہ کبھی میز پر اور نہ تشتریوں میں کھانا

---

(۱) مجمع الزوائد: باب اکرام الخبز وأكل ما يسقط، حدیث: ۷۹۷۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو بزار، طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن الشامی ہیں اور میں ان کو نہیں جانتا اور صحیح عبدالملک بن عبدالرحمٰن الشامی ہے اور یہ ضعیف ہیں۔

(۲) شعب الإيمان: لا يعيب طعاما قدم إليه، حديث: ۵۸۶۹، علامہ ہیثمی کہتے ہیں کہ: اس روایت کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں خلف بن یحیٰ قاضی الری ضعیف ہیں اور ابوسکینہ ان کے بارے میں ابن المدینی کہتے کہ: ان کو صحبت حاصل نہیں ہے۔

(۳) اسلامی تہذیب: ۱۰۰

(۴) المغني عن حمل الاسفار، فيما لا بد للمنفرد منه: ۳۵۱/۱، مكتبة طبرية، الرياض

تناول فرمایا ہے، پوچھا: پھر کس طرح کھاتے تھے؟ کہا: دسترخوان پر، " ما أكل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم على خوان ولا في سكرجة ولا خبز له مرقق، قلت لقتادة على ما يأكلون ؟ قال : على السفر " (۱)

دسترخوان پر کھانا سنت ہے اور بلا دسترخوان بچھائے کھانا خلافِ سنت ہے، نیز آپ ﷺ کا دسترخوان چمڑے کا ہوتا تھا، اور گول ہوتا تھا۔ (۲)

☆ زمین اور فرش پر کھانا سنت ہے، میز یا ٹیبل پر کھانا خلافِ سنت ہے اگر کوئی عذر ہو تو حرج نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے میز پر کبھی کھانا تناول نہیں فرمایا: "ما رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أكل على خوان حتى مات" (۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ (کی عادتِ طیبہ یہ تھی) سواریوں کے پیچھے بیٹھ جاتے تھے، آپ ﷺ کے کھانے کا دسترخوان زمین پر رکھا جاتا آپ ﷺ غلاموں کی دعوت قبول کر لیتے اور دراز گوش پر بھی سوار ہو جاتے، " كان النبي ﷺ يردف خلفه، ويضع طعامه في الأرض ويجيب دعوة المملوك ويركب الحمار (۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے کھانا پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: زمین یا چٹائی پر رکھو "ضعه بالحضيض أو بالأرض" (۵)

---

(۱) بخاری: باب ما كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وأصحابه يأكلون، حديث: ۵۰۹۹

(۲) عمدة القاری: ۳۵/۲۱

(۳) ابن ماجة : باب الأكل على الخوان، حديث: ۳۲۹۳، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۴) حديث: ۷۱۲۸، حاکم کہتے ہیں کہ: یہ روایت صحیح السند ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

(۵) مجمع الزوائد: باب الأكل على الأرض، حديث: ۷۹۱۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں عبداللہ بن رشید ہے اور مُجّاعة ابو عبیدہ البصری، اور میں ان دونوں کو نہیں جانتا، اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

☆ کھانے کیلئے بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ یا تو دونوں قدموں کے بل (اکڑوں) بیٹھے یا دائیں پیر کو اٹھائے اور بائیں پیر کو بچھائے، یا دونوں ٹخنوں کے بل بیٹھے۔ (۱)

سنن کبری بیہقی میں ہے کہ آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے "أنه كان يأكل مقيعا" اور فرمایا کرتے تھے: میں اس طرح کھایا کرتا ہوں جس طرح ایک غلام کھایا کرتا ہے۔ (۲)

اور کبھی دائیں پیر کو بچھاتے اور بائیں پیر پر بیٹھتے" علامہ مناوی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سندِ ضعیف کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ اور آپ ﷺ کے کھانے کیلئے بیٹھنے کے طریقۂ کار کو بتلایا ہے کہ: "إذا قعد على الطعام استوفز على ركبته اليسرى وأقام اليمنى كما يفعل العبد "جب کھانے کیلئے بیٹھتے تو بائیں ٹخنے پر بیٹھتے اور داہنے کو کھڑا کرتے۔ (۳)

اور ان ہی دونوں کتابوں میں سند جید کے ساتھ یہ روایت منقول ہے کہ: "يجثو على ركبته وكان لا يتكيء" اپنے ٹخنوں کے بل بیٹھتے ٹیک نہ لگاتے۔ (۴) اور یہ کھانے کا طریقہ مع احادیث أحیاء العلوم میں بھی مذکور ہے۔ (۵)

ٹیک لگا کر اور چہار زانو بیٹھ کر کھانا سنت کے خلاف ہے۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا "لا آكل متكئا" (۶)

---

(۱) شرح مناوی: ۱۹

(۲) السنن الكبرى للبيهقي: باب الأكل متكئا، حديث: ١٤٤٢٨

(۳-۴) فيض القدير شرح جامع الصغير: باب كان وهي الشمائل المحمدية، حديث: ٦٨٧٣، مكتبة التجارية، مصر، الشمائل الشريفه، جلال الدين السيوطي: ١/٢٣٩، دار طائر العلم والتوزيع

(۵) إحياء علوم الدين، فيما لا بد للمنفرد منه، ٢/٤، دار المعرفة، بيروت

(۶) بخاری: باب الأكل متكئا، حديث: ٥٠٨٣

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں بکرے کا گوشت پیش کیا تو آپ ﷺ دوزانو بیٹھ کر تناول فرمانے لگے، ایک اعرابی نے پوچھا: یہ کیسا بیٹھنا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شریف بندہ بنایا ہے جبار و معاند نہیں۔ ”ان اللہ جعلنی عبدا کریما ولم یجعلنی جبارا عنیدا“ (۱)

ٹیک لگا کر کھانا ممنوع و مکروہ ہے، اس کی مختلف صورتیں ہیں:

۱- دو پہلوؤں میں کسی ایک پہلو پر ٹیک لگانا۔

۲- زمین پر ایک ہاتھ رکھ کر ٹیک لگانا۔

۳- چہار زانو بیٹھنا، بیٹھ کر دیوار یا تکیہ کا سہارا لگانا۔

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں چہار زانو بیٹھ کر کھانے کو اتکاء میں داخل مانتے ہوئے مکروہ و مذموم قرار دیا ہے۔ (۲)

لیکن اگر کبھی پھل وغیرہ ایک آدھ دفعہ اتفاقاً ٹیک لگائے ہوئے کھائے تو گنجائش ہے، چنانچہ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ: آپ ﷺ کی خدمت میں کھجور پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے ٹیک لگائے ہوئے تناول فرمایا ” یأکل تمرا وھو مقع “ (۳)

☆ کھانا کھڑے ہو کر کھانا بھی منع ہے، یہ عمل سنت کے خلاف اور مکروہ ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھانا کھڑے ہو کر کھانے سے منع فرمایا ہے: ”عن الشرب قائما، وعن الأکل قائما“ (۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء فی الأکل من أعلی الصفحة، حدیث: ۳۷۷۳، مناوی کہتے ہیں کہ: اس روایت کو ریاض میں حسن کہا ہے: فیض القدیر: حرف الکاف: ٥/٤٥

(۲) زاد المعاد: ۱/۵۴

(۳) ابوداؤد: باب ما جاء فی الأکل متکئا، حدیث: ۳۷۷۱، محقق شعیب الأرنؤوط فرماتے ہیں کہ: اس کی سند قوی ہے، اور اس کے رجال ثقہ شیخین کے رجال ہیں۔

(۴) مجمع الزوائد: باب الأکل قائما، حدیث: ۷۹۲۱، اس کو بزار اور ابویعلیٰ نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، صحیح کے رجال ہیں سوائے مغیرۃ بن مسلم وہ ثقہ ہیں۔

☆ بازاروں میں کھانا بھی منع ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ: بازار میں کھانا بے حیائی ہے "الأكل في السوق دناءة" (۱)

بازار یا دوکان کے اندر کھانا ہو تو یہ ممنوع نہیں ہے۔

☆ جوتے کھول کر کھانا مسنون ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانے کے قریب آئے اور اس کے پیر میں جوتا ہو تو اسے نکال دے۔

☆ معتدل گرم کھانا کھایا جائے، تیز گرم کھانا خلافِ سنت ہے، بے برکتی کا باعث ہے، اور کھانے کی لذت بھی اس میں حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک پلیٹ میں تیز گرم کھانا پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا اور کھینچ لیا اور فرمایا: اللہ نے ہمیں آگ نہیں کھلائی "انّ الله عزوجل لم يُطعمنا نارا" (۲)

حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کھانا ٹھنڈا ہونے دو، اس میں برکت زائد ہوتی ہے "ابردوا بالطعام فانّ الطعام الحارّ غير ذي بركة" (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ معتدل گرم کھانا ممنوع نہیں، چنانچہ جو کھانے گرم ہوں تو لذیذ ہوتے ہیں مثلاً: پلاؤ، نہاری وغیرہ ان کو معتدل گرم کھانا خلافِ سنت نہ ہوگا۔

---

(۱) مجمع الزوائد: باب الأكل في السوق، حديث: ۷۹۲۰، اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس میں عمر بن موسیٰ بن وجیہ، یہ ضعیف ہیں۔

(۲) مجمع الزوائد: باب الاجتماع علی الطعام، حديث: ۷۸۸۶، اس کو طبرانی نے صغیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں عبداللہ بن یزید البکری ہیں جن کو ابوحاتم نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۳) مجمع الزوائد: باب الاجتماع علی الطعام، حديث: ۷۸۸۷، اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں عبداللہ بن یزید البکری ہیں جن کو ابوحاتم نے ضعیف کہا ہے۔

دسترخوان پر دقیق دقیق باتیں (غور وفکر والی) نہیں کرنا چاہئے، بہت معمولی باتیں ہونی چاہئے، ورنہ کھانے کا کچھ لطف ہی نہیں آتا، کھانے کے وقت تو کھانے ہی کی طرف زیادہ توجہ ہونی چاہئے، اگر کوئی ایسی بات (غور فکر والی) کرتا ہے تو میں کان بھی نہیں لگاتا؛ کیوں کہ کھانے کا مزہ جاتا رہتا ہے۔ (۱)

اکثر عوام میں دستور ہے کہ اگر کوئی شخص کھانا کھاتے وقت دوسرے شخص کو کھانا کھلانے کیلیے بلاتا ہے اور اس کو کھانا منظور نہیں ہوتا تو اس کے جواب میں کہا کرتے ہیں بسم اللہ کرو، چونکہ اس موقع پر اس لفظ کا استعمال شرعا ثابت نہیں، لہٰذا اس کو چھوڑ دینا چاہئے اور اس کی جگہ اور دوسرے کلمے جیسے بارک اللہ وغیرہ کہہ لینا چاہئے۔ (۲)

☆ کھانا پسند ہو تو کھائے، کھانے میں عیب نہ نکالے اور نہ کھانے کو برا کہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ پاک ﷺ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا، اگر خواہش ہوتی تو تناول فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے "ما عاب النبی صلی اللہ علیه وسلم طعاما قط ان اشتهاه أكله والا تركه" (۳)

حضرت ہند بنت ابی ہالہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نہ تو کسی کھانے کے ذائقہ کی برائی کو ظاہر کرتے اور نہ اس کی تعریف کرتے۔ (۴)

☆ کھانے کو پھینکا نہ جائے اور نہ اُسے ضائع کیا جائے، بلکہ کسی غریب پڑوسی کو دے دیا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ گھر میں تشریف لائے تو روٹی کا ٹکڑا پڑا پایا تو آپ ﷺ نے اسے اٹھایا، صاف کیا اور کھالیا اور فرمایا: اے عائشہ!

---

(۱) اسلامی تہذیب : ۱۰۳

(۲) اسلامی تہذیب : ۱۰۵

(۳) بخاری : باب صفة النبی صلی اللہ علیه وسلم، حدیث : ٣٣٧٠

(۴) سیرة خیر العباد : ٢٧٦/٧

اپنے کرم فرما کا اکرام کرو یعنی کھانے کا "فرأى كسرة ملقاة فأخذها فمسحها ثم أكلها" (۱)

☆ بلا ضرورت کھانے کو سونگھا نہ جائے:

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کھانے مت سونگھا کرو؛ کیونکہ درندے سونگھا کرتے ہیں "لا تشموا الطعام كما يشمه السباع" (۲)

البتہ اگر کھانے کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو صورت اور کیفیت سے معلوم کیا جاسکتا ہے لیکن پھلوں کی خوشبو کو معلوم کرنا منع نہیں ہے۔

☆ کھانے میں پھونک نہ مارا جائے اگر کھانا گرم ہے تو ٹھنڈا ہونے کیلئے چھوڑ دیا جائے، اس لئے کہ اندر سے آنے والی سانس صحت کیلئے مضر ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے "لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم ينفخ في طعام، ولا شراب، ولا يتنفس في الاناء" (۳)

☆ اجتماعی کھانے میں شرکاءِ دستر خوان کی رعایت کی جائے، سب کے ساتھ اٹھا جائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب دستر خوان لگا دیا جائے تو چاہئے کہ اپنے قریب سے کھائے اپنے ساتھی کے قریب سے نہ کھائے؛ کیونکہ برکت بیچ برتن میں نازل ہوتی ہے اور کوئی آدمی نہ اٹھے جب تک کہ دستر خوان نہ اٹھ جائے اور کھانے سے اپنے ہاتھ کو نہ روکے اگرچہ پیٹ بھر جائے تاوقتیکہ لوگ فارغ نہ ہو جائیں "ولا

---

(۱) ابن ماجة: باب النهي عن إلقاء الطعام، حديث: ۳۳۵۳

(۲) مجمع الزوائد: باب الشم في الطعام، حديث: ۷۸۹۱، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں عباد بن کثیر الثقفی ہیں اور یہ کذاب ہیں۔

(۳) ابن ماجة: باب النفخ في الطعام، حديث: ۳۲۸۸، مناوی کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور اس پر حسن ہونے نشان لگایا ہے۔

یرفع یدہ وان شبع حتی یفرغ القوم " کیونکہ (اس کے اٹھنے سے) ساتھی شرمندہ ہوگا اور وہ بھی اپنے ہاتھ کو کھانے سے روک لے گا؛ حالانکہ مزید کھانے کی خواہش اس کو ہوگی " اذا وضعت المائدة فلا یقوم رجل حتی ترفع المائدة ، ولا یرفع یدہ وان شبع حتی یفرغ القوم " (۱)

☆ کم کھانا ایمان کی شان اور علامت ہے، اسلئے کم کھانا کھایا جائے، معیار یہ ہے کہ اتنا کم نہ کھائے کہ جس سے کمزوری پیدا ہو، اور نہ ہی اتنا زیادہ کھائے کہ کاہلی آجائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن ایک آنت سے کھاتا ہے اور کافر سات آنت سے کھاتا ہے " المؤمن یأکل فی معی واحد والکافر یأکل فی سبعة أمعاء " (۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک مومن کا کھانا دو کو اور دو کا چار کو اور چار کا آٹھ کو کافی ہوجاتا ہے "طعام الاثنین کافی الثلاثة وطعام الثلاثة کافی الأربعة " (۳)

☆ کھانے کی ابتداء اور انتہاء نمک سے ہو :

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب کھاؤ تو نمک سے شروع کرو اور اختتام بھی نمک سے کرو، نمک میں ستر بیماریوں سے شفاء ہے " اذا أکلت فابدأ بالملح واختم بالملح ، فان الملح شفاء من سبعین داء " (۴)

مطلب یہ ہے کہ نمکین کھانے سے ابتداء طبًّا معدہ اور صحت کیلئے مفید ہے۔

---

(۱) ابن ماجة: باب النهی أن یقام عن الطعام حتی یرفع، حدیث: ۳۲۹۵ ، زوائد میں ہے کہ اس کی سند میں عبدالاعلی بن اعین ہیں اور یہ ضعیف ہیں۔

(۲) بخاری: باب المؤمن یأکل فی معی، حدیث: ۵۰۷۸

(۳) ترمذی: طعام الواحد یکفی الاثنین، حدیث: ۱۸۲۰، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۴) مطالب عالیه: ۱۰/ ۷۰۵، دار العاصمة، دار الغیث، السعودیة

☆ کھانے سے فارغ ہو کر برتن کو صاف کرے اور انگلیاں چاٹ لے اور پھر ہاتھ دھوئے:

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کھانا تناول فرماتے تو تین انگلیوں سے تناول فرماتے اور فارغ ہوتے تو انگلیوں کو چاٹ لیتے "کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یأکل بثلاث أصابع ،ویلعق یدہ قبل أن یمسحھا " (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: انگلیوں کو چاٹنا برکت کا باعث ہے "اذا أکل أحدکم فلیلعق أصابعہ ، فانّہ لا یدری فی أیتھن البرکۃ " (۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے انگلیوں کو چاٹنے اور برتن کو صاف کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ: تمہیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے " فانّہ لا یدری فی أیّ طعامہ تکون البرکۃ " (۳)

☆ دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کرے یعنی سو جائے اور رات کے کھانے کے بعد چالیس قدم چلے۔

حضرت حارث بن کلدہ جو دورِ رسالت کا مشہور طبیب تھا کہتا ہے کہ: جب تم میں سے کوئی دوپہر کا کھانا کھائے تو سو جائے، اور شام کے کھانے کے بعد چالیس قدم چلے "اذا تغدی أحدکم فلینم علی غدائہ واذا تعشی فلیخط أربعین خطوۃ " (۴)

☆ کھانے سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھے :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فراغت طعام پر نبی کریم ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے " اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" (۵) تعریف اس خداوند قدوس کی جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔

---

(۱) مسلم: باب استحباب لعق الأصابع، حدیث: ۲۰۳۲

(۲-۳) مسلم: باب استحباب لعق الأصابع ،حدیث: ۲۰۳۳

(۴) عیون الأنباء فی طبقات الأطباء: نضر بن حارث بن کلدۃ الثقفی: ۳۸۹/۱

(۵) ترمذی: باب ما یقول اذا فرغ من الطعام، حدیث: ۳۴۵۷، علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ غریب ہے: تخریج الأحادیث والآثار الواقعۃ فی تفسیر الکشاف للزمخشری: سورۃ الکوثر: ۲۷۷/۴، دار ابن خزیمہ، الریاض

یہ بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے:

حضرت حارث غامدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام کے کھانے سے فراغت پر یہ دعا پڑھتے: " اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَطْعَمْتَ وَاَسْقَيْتَ وَاَشْبَعْتَ وَاَرْوَيْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ غَيْرَ مَكْفُورٍ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنٍ عَنْكَ. (۱)

اے اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے تو نے کھلایا، پلایا، پیٹ بھر کھلایا، سیراب کیا، بس تیرے ہی لئے تعریف ہے جس میں نہ ناشکری کی گئی، نہ اس کو چھوڑا گیا اور نہ اس سے بے نیازی ہے۔

اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے بعد یہ دعا پڑھنا منقول ہے:

" اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ " (۲) اے اللہ! اس میں ہمیں برکت عطا فرما اور اس سے بہتر کھلا۔

☆ کسی دوسرے کے یہاں کھانا کھائے یہ دعا پڑھے :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹی اور زیتون تناول فرمایا تو یہ دعا پڑھی : " اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ، وَاَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ، وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ " (۳) روزے دار تمہارے پاس افطار کریں، تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں، فرشتے تمہارے لئے دعا کریں۔

اور ایک روایت میں ہے: حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعوت کے موقع پر) یہ دعا پڑھی " اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِيْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِيْ " (۴)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب ما يقول بعد الطعام، حديث: ۷۹۴۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس میں عبد اللہ بن عامر الاسلمی ہیں اور یہ ضعیف ہیں۔

(۲) ترمذی: باب ما يقول اذا أكل طعاما: حديث: ۳۴۵۵، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب ما جاء فی الدعاء لرب الطعام اذا أكل عنده، حديث: ۳۸۵۴، محقق شعیب الارنؤط نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۴) مسلم: باب اكرام الضيف، حديث: ۲۰۵۵

پانی پینے کا مسنون طریقہ

☆ لبوں اور ہونٹوں سے پانی چوستے ہوئے پئیں، غٹ غٹ نہ پئیں:

حضرت بہز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ مسواک عرض میں فرماتے تھے، اور پانی چوس کر پیا کرتے تھے، انڈیلتے نہیں تھے، اور تین سانس میں پیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: یہ زیادہ خوش گوار اور مزیدار اور بہتر ہے " یستاك عرضا، ویشرب مصّا، ویتنفس ثلاثا، ویقول: "هو اهنا وامرا وأبرا" (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب پانی پیو تو چوس کر پیو غٹ غٹ مت پیو " اذا شرب أحدکم فلیمص مصا ولا یعب عبا فانّ الکباد من العب " (۲)

احیاء العلوم میں ہے کہ پانی غٹا غٹ پینے سے جگر کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔

☆ پانی تین سانس میں پینا سنت ہے، البتہ برتن میں سانس لینا منع ہے۔ (۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ پاک ﷺ تین سانس میں پانی پیتے تھے، " أنّ النبی صلی الله علیه وسلم کان یتنفس ثلاثا " (۴)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: برتن میں سانس نہ لیا جائے " اذا شرب أحدکم فلا یتنفس فی الاناء " (۵)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب کیفیة الشرب والتسمیة، حدیث: ۸۲۵۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ثبیت بن کثیر ضعیف ہیں۔

(۲) السنن الکبری للبیهقی: باب الشرب بثلاثة أنفس، حدیث: ۱٤٤۳٦، یہ روایت مرسل ہے۔

(۳) احیاء العلوم: ۲/ ۵، دار المعرفة، بیروت

(۴) بخاری: باب الشرب بنفسین أو ثلاثة، حدیث: ۵٦۳۱

(۵) بخاری: باب النهی عن التنفس فی الاناء، حدیث: ۵٦۳۰

☆ شروع میں بسم اللہ اور اخیر میں الحمد للہ کہے:

حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ تین سانس میں پانی پیتے تھے، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہتے تھے۔ ”رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يشرب بثلاثة أنفاس، يُسمّي الله في أوّلها، ويحمده في اٰخرها“ (۱)

اور آپ ﷺ سے پانی پینے کے وقت یہ دعا پڑھنا بھی منقول ہے:

حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ پانی پیتے تو یہ دعا پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَقَانَا عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا“ (۲) تمام تعریفیں اللہ پاک کیلئے ہیں جس نے اپنی رحمت سے ہمیں شیریں پانی پلایا اور ہمارے گناہوں کے سبب اُسے نمکین اور کھارا نہیں بنایا۔

☆ کھڑے ہو کر پانی نہ پیئے، البتہ زم زم اور وضو کا باقی ماندہ پانی کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ: آدمی کھڑے ہو کر پانی پیئے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے پوچھا: اور کھانا؟ تو فرمایا: وہ تو اس سے برا ہے ”نهى أن يشرب الرجل قائما، قال قتادة: فقلنا فالأكل؟ فقال: ذاك أشر أو أخبث“ (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب كيفية الشرب والتسمية، حديث: ۸۲۶۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور شبل بن علاء ضعیف ہیں۔

(۲) كنز العمال الشراب، حديث: ۱۸۲۲۶، مناوی کہتے ہیں کہ: یہ روایت مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے جعفر جعفی کی وجہ سے: فيض القدير: باب كان وهي الشمائل الشريفة: ۵/۱۴۴، مكتبة التجارية الكبرى، مصر

(۳) مسلم: باب كراهية الشرب قائما، حديث: ۲۰۲۴

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو زم زم پلایا آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا "شرب من زمزم وهو قائم" (۱)

حضرت نزال بن سبرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے وضو کا باقی ماندہ پانی کھڑے ہو کر پیا ہے "أتى علي رضي الله عنه بكوز من ماء وهو في الرحبة فأخذ منه كفا فغسل يديه ومضمض واستنشق ومسح وجهه وذراعيه وراسه، ثمّ شرب منه وهو قائم، ثم قال: هذا وضوء من لم يحدث، هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل" (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب وہ مسجد کوفہ کے میدان (جو ان کا دار القضا تھا) تشریف فرما تھے، ایک کوزہ پانی لایا گیا انہوں نے ایک چلو پانی لے کر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور پھر اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کیا پھر کھڑے ہو کر پانی پیا اور فرمایا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے جو پہلے سے باوضو ہو ایسے ہی میں نے حضور اقدس ﷺ کو کرتے دیکھا۔

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء في الرخصة في الشرب قائما، حديث: ۱۸۸۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) الشمائل المحمدية: باب ما جاء في صفة شرب رسول الله صلى الله عليه وسلم، حديث: ۲۲۰، دار احياء الثرات العربي، بيروت

سونے کے آداب

۱- جلد سو جائے، جہاں یہ صحت کیلئے مفید اور نفع بخش ہے، وہیں نمازِ تہجد اور فجر کے جاگنے میں بھی معاون و مددگار رہتا ہے۔

چونکہ آپ ﷺ عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند فرمایا کرتے تھے "كان يكره النوم قبل صلوة العشاء والحديث بعدها" (۱)

۲- سونے سے پہلے نماز کا وضو کیجئے، چونکہ آپ ﷺ نے حضرت براء ؓ سے فرمایا تھا جب تم سونا چاہو تو نماز کا وضو کرو "اذا أتيت مضجعك فتوضأ وضوءك للصلاة" (۲) بلکہ جو شخص حالتِ جنابت میں بھی ہو وہ بھی نماز کا وضو کر کے سوئے؛ البتہ اس وضو سے نماز نہ پڑھے، نہ تلاوتِ قرآن کرے۔

۳- دائیں ہاتھ کو دائیں سر (رخسار) کے نیچے رکھے، کروٹ پر سوئے:

حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ: جب آپ ﷺ بستر پر تشریف لاتے تو اپنے ہاتھ کو سر کے نیچے رکھ لیتے "اذا أراد أن ينام وضع يده تحت رأسه" (۳)

حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب بستر پر تشریف لاتے تو دائیں کروٹ پر آرام فرماتے "اذا أوى الى فراشه نام على شقه الأيمن" (۴)

---

(۱) بخاری: باب ما يكره من النوم، حديث: ٤٥٣

(۲) بخاری: باب اذا بات طاهرا، حديث: ٥٩٥٢

(۳) ترمذی: باب من باب الدعاء الى اوى الى فراشه، حديث: ٣٣٩٨، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۴) بخاری: باب وضع اليد اليمنى تحت خده، حديث: ٥٩٥٦

اور فرماتے: " اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ " (۱) خدایا مجھے اس روز کے عذاب سے بچالے جس روز تو اپنے بندوں کو اپنے حضور اٹھا کر کھڑا کرے گا۔

داہنے کروٹ سونے میں قبر کی یاد بھی ہے، اور اس صورت میں چونکہ قلب لٹکا رہتا ہے، اس لئے یہ حالت بیدار ہونے میں بھی معین ومددگار ہے۔ (۲)

۴- سونے سے پہلے اذکارِ ماثورہ پڑھے:

آیت الکرسی، تینوں قل تین تین دفعہ، ۳۳ بار سبحن اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھے اور اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ پڑھے، (۳) اور یہ دعا پڑھ کر سوئے: اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ، وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ، وَ اَلْجَاْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ، رَغْبَۃً وَرَھْبَۃً اِلَیْکَ، وَلَا مَنِیِّیْ اِلَّا اِلَیْکَ، اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ. (۴) اے اللہ! میں نے تجھ سے امیدوار اور خائف ہو کر اپنا منہ تیری طرف جھکا دیا اور (اپنا) ہر کام تیرے سپرد کر دیا اور میں نے تجھے اپنا پشت وپناہ بنالیا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تجھ سے (یعنی تیرے غضب سے) سوا تیرے پاس کے کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے، اے اللہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل فرمائی ہے اور تیرے اس نبی ﷺ پر (بھی) جسے تو نے (ہدایت خلق کیلئے) بھیجا ہے۔

۵- سونے سے پہلے مسواک قریب ہی رکھے کہ سونے سے پہلے مسواک کر سکے اور وضو کے بعد بھی چونکہ سونے سے پہلے دانتوں کی صفائی مفید ہے اور سونے کے بعد معدہ کے غلیظ بخارات جو پیٹ سے منہ کی جانب آتے ہیں جو دانت اور مسوڑوں کیلئے نقصاندہ ہوتے ہیں اس کی صفائی ہو سکے۔

---

(۱) ترمذی: باب منه، حدیث: ۳۳۹۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۲) فتح الباری: ۱۱۰/۱۱

(۳) ترمذی: باب ما یقول اذا نزل منزلا، حدیث: ۳۴۳۷، حاکم کہتے ہیں کہ: یہ حدیث مسلم کے شرط پر صحیح ہے: المستدرك: كتاب الرقی والتمائم، حدیث: ۸۲۸۰

(۴) بخاری: باب ما یقول اذا نام، حدیث: ۵۹۵۴

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب رات میں بیدار ہوتے تو مسواک فرماتے، آپ ﷺ کا مسواک سرہانے رکھا ہوتا " كان يستاك إذا أخذ مضجعه واذا قام من الليل واذا خرج الى الصبح " (۱)

۶- سونے سے پہلے ہاتھ پر تیل وغیرہ کی چکناہٹ لگی ہو تو دھو کر سوئے:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حال میں سوئے کہ اس کے ہاتھ میں چکناہٹ ہو وہ اسے نہ دھوئے اور پھر اس کو کوئی تکلیف (کیڑوں مکوڑوں کی کاٹ) پہنچے تو وہ صرف اپنے اوپر ملامت کرے " من نام و بيده غمز قبل أن يغسله فأصابه شيء فلا يلومن الا نفسه " (۲)

۷- بائیں کروٹ اور پیٹ کے بل (اوندھے منہ) سونے سے پرہیز کرو :

حضرت طلحہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں پیٹ کے بل سویا ہوا تھا، اچانک ایک آدمی نے پیر سے مجھے حرکت دی اور کہا کہ: یہ سونا اللہ تبارک وتعالیٰ کو مبغوض ہے، میں نے دیکھا کہ وہ رسولِ پاک ﷺ تھے اور ایک روایت میں ہے کہ: انّ هذه ضجعة يبغضها الله "اس طرح سونا اللہ کو پسند نہیں۔ (۳)

۸- سونے سے قبل چراغ، روشنی وغیرہ بجھائے (آگ کے جلے رہنے سے کسی حادثہ وغیرہ کا اندیشہ رہتا ہے۔

چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: تم سوتے وقت اپنے گھروں میں آگ چھوڑے نہ رکھو "لا تتركوا النّار في بيوتكم حتى تنامون" (۴)

---

(۱) كنز العمال: السواك، حديث: ۲٦٩٧٦

(۲) الأدب المفرد: باب من نام وبيده غمز، حديث: ۱۲۲۰، البانیؒ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب في الرجل ينبطح على بطنه، حديث: ۵۰٤۰، علامہ نوویؒ نے ریاض الصالحین: ۲۷۳/۱، میں اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۴) بخاری: باب لا تترك النا رفي البيت عند النوم، حديث: ۵۹۳۵

۹- سونے سے پہلے گھر کے سارے دروازے بند کرلیں، برتن ڈھنک لیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: رات کو سوتے وقت دروازہ بند کرو، (پانی کا برتن ڈھانک دو) برتن اوندھا کردیا کرو، یا برتنوں پر ڈھکن رکھدیا کرو، اور چراغ گل کردو، کیونکہ شیطان نہ تو بند دروازہ کو کھولتا ہے، نہ بندھن ڈھیلے کرتا ہے، نہ برتن کے ڈھکن اٹھاتا ہے (البتہ) گھر جلادیتا ہے (تیلی کی بتی کو لے کر بھاگتا ہے اس سے آگ پکڑ لیتی ہے) اور گھر جل جاتا ہے "وانّ الفویسقة تضرم علی النّاس بیوتھم" (۱)

☆ ایسی کھلی چھت پر نہ سوئے جس کو کوئی منڈیر یا جنگلا نہ ہو، بلا منڈیر کی چھت پر سونے میں خطرہ یہ ہے کہ کروٹ لینے میں رات کو دھوکا ہوجاتا ہے یا نیند وغنودگی کی حالت میں اٹھ کر چلنے لگ سکتا ہے اور گر سکتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا ہے جس کی منڈیر نہ ہو "ان ینام الرجل علی سطح لیس بمحجور علیه" (۲)

حضرت زہیر ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبیؐ پاک ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی مچانی پر سوجائے اور گر کر مرجائے تو اس کی ذمہ داری کسی پر نہیں، اسی طرح طوفان اور تلاطم کے وقت دریائی سفر کرے اور اس میں ڈوب جائے تو اس کی بھی ذمہ داری اٹھالی گئی ہے "من بات علی نجاز فوقع فمات برئت منه الذمّة، ومن رکب البحر حین ترتجّ، فھلك برئت منه الذمة" (۳)

☆ سونے سے پہلے بستر وغیرہ کو جھاڑ لے، اس لئے کہ اس میں سانپ، بچھو یا کوئی موذی جانور اور کیڑے مکوڑے ہوسکتے ہیں، جو اس کیلئے تکلیف کا باعث ہوسکتے ہیں۔

---

(۱) مسلم: باب الأمر بتغطیة الاناء، حدیث: ۲۰۱۲

(۲) ترمذی: باب الفصاحة والبیان، حدیث: ۲۸۵٤، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب قرار دیا ہے۔

(۳) الادب المفرد: من بات علی سطح لیس له سترة، حدیث: ۱۱۹٤، البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

☆ لوگوں کے بیچ یا راستہ پر جہاں لوگوں کا گذر ہوتا ہے نہ سوئے، لوگوں کے بیچ سونے میں ان کو تکلیف ہوسکتی ہے، لوگوں کی گذرگاہ پر سونے میں ان کو تکلیف دینے کے علاوہ وہاں سے جانوروں اور رات کے اوقات میں سانپ، بچھوؤں کی وہ گذرگاہ ہوتا ہے، جس سے اس کو اذیت پہنچ سکتی ہے۔

☆ رات میں ہوسکے تو دو رکعت تہجد پڑھ کر سوئے:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ شروع رات میں آرام فرماتے اور آخر شب کو زندہ فرماتے، یعنی عبادت واذکار میں اسے گذارتے، "کان ینام أول اللیل ویقوم اٰخرہ" (۱)

☆ آدمی کے سونے کے کپڑے علاحدہ ہوں جس میں کھلا پن ہو، ہلکے پھلکے اور سونے کیلئے آرام دہ ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ میں اپنی خالہ کے پاس ایک رات رہا، حضرت میمونہؓ کو دیکھا کہ انہوں نے آپ ﷺ کیلئے بستر بچھایا اور بستر کے سرہانے ایک کپڑا رکھ دیا، آپ ﷺ تشریف لائے اور آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہوچکے تھے۔ (۲)

☆ دوپہر کو قیلولہ کرنا مسنون ہے، یعنی دوپہر کو کھانے سے فراغت پر لیٹنا اور آرام کرنا خواہ نیند آئے یا نہ آئے۔ (۳)

دوپہر کو سونا زیادتیٔ عقل اور کھانے کے ہضم کا باعث ہوتا ہے، اس سے چستی برقرار رہتی ہے، خصوصاً رات کے قیام اور عبادت میں معین ہوتا ہے، حضور ﷺ کا معمول بھی قیلولہ کرنے کا تھا۔

---

(۱) صحیح ابن حبان: باب النوافل، حدیث: ٢٥٨٩، محقق شعیب الارنؤوط نے اس کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۲) بخاری: سورۃ ال عمران، حدیث: ٤٢٩٤

(۳) عمدۃ القاری: ٢٢/٤

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ام سلیمؓ آپ ﷺ کیلئے چمڑے کا بستر بچھادیتیں، آپ ﷺ اس پر قیلولہ فرماتے "فاتخذت له نطعا فكان يقيل عليه"(۱)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ فلاں گورنر قیلولہ نہیں کرتے تو ان کو فرمان لکھا کہ قیلولہ کرو، میں تم سے بیان کر چکا ہوں کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا " فكتب اليه عمر : قل فانّ حدثت أنّ الشيطان لا يقيل" (۲)

☆ فجر کے بعد، عصر کے بعد اور مغرب کے بعد سونا سنت کے خلاف ہے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ پاک ﷺ نے فرمایا: صبح تک سونا رزق کو روک دیتا ہے، " نوم الصبحة يمنع الرزق"(۳)

حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں کہ: میں صبح کے وقت سوتی ہوتی تھی، آپ ﷺ ہمارے پاس سے گذرتے تو پیر سے حرکت دیتے ہوئے فرماتے: اے بیٹی! اپنے رب کی تقسیم رزق کے وقت تم حاضر (جاگی) رہو، غافلین میں سے مت ہو، طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس کے درمیان اللہ تعالیٰ لوگوں کو رزق تقسیم کرتا ہے "يقسم ارزاق الناس ما بين طلوع الفجر الى طلوع الشمس" (۴)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو عصر کے بعد سوئے اور اس کی عقل میں فتور آئے تو وہ اپنے سوا کسی دوسرے پر ملامت نہ کرے، "من نام بعد العصر فاختلس عقله فلا يلومن إلا نفسه " (۵)

---

(۱) مسند احمد: مسند انس بن مالك، حديث: ١٣٤٤٧، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۲) كنز العمّال: ذيل النوم والقيلولة، حديث: ٤٢٠٠٣

(۳) الترغيب: كتاب البيوع وغيرها، حديث: ٢٦١٦، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو احمد، بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ان دونوں کو ابن عدی نے کامل میں روایت کیا ہے۔

(۴) شعب الايمان، فصل في النوم الذى هو نعمة، حديث: ٤٧٣٥، بیہقی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(۵) مسند ابی یعلی: مسند عائشة، حديث: ٤٩١٨، محقق حسین سلیم اسد نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دن کے اول میں سونا غیر معمولی بات ہے، وسط (دوپہر) میں سونا اچھی عادت ہے، اور آخر میں سونا حماقت ہے "نوم اول النهار خرق وأوسطه خلق وآخره حمق" (۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ عشاء سے پہلے (مغرب کے بعد) سونے کو مکروہ سمجھتے تھے "يكره النوم قبل العشاء والحديث بعدها" (۲)

مغرب کے بعد سونے سے عشاء کی جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، لیکن اگر نیند کا غلبہ ہو یا سفر سے تھکا ماندہ ہو تو سونا درست ہے، اور کسی کو عشاء کی نماز کیلئے جگانے کو کہدے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غلبۂ نیند کی وجہ سے سونے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے مغرب کے بعد سونے کی اجازت دی" فأنام قبل العشاء فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فرخص لى" (۳)

☆ زیادہ آرام دہ بستر استعمال نہ کیا جائے، مومن کی زندگی جفاکشی ومجاہدہ سے بھری ہوتی ہے، مومن تعیش پسند اور سہل انگار نہیں ہوتا۔

حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہؓ سے معلوم کیا کہ آپؓ کے گھر میں حضور ﷺ کا بستر کیسا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: چمڑے کا تھا جس میں بھرائی کھجور کی چھال تھی، "انما كان فراش النبي صلى الله عليه وسلم الذى ينام عليه ادم حشوه ليف" (۴)

---

(۱) الأدب المفرد: باب نوم اخر النهار، حديث: ۱۲۴۲، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) ترمذی: كراهية النوم قبل العشاء، حديث: ۱۶۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: ابوبرزہ کی حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۳) مسند احمد: مسند علی بن ابی طالب: حديث: ۸۹۲، محقق شعیب الارنؤط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(۴) ترمذی: فراش البنى صلى الله عليه وسلم، حديث: ۱۷۶۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اور میں نے حضرت حفصہؓ سے پوچھا کہ: آپ ﷺ کا بستر کیسا تھا؟ تو انہوں نے کہا: ٹاٹ تھا، جس کو میں دوہری تہہ کر دیا کرتی، اس پر آپ ﷺ سورہتے، ایک رات میں نے سوچا: اس کی چار تہہ کردوں تو آپ ﷺ کیلئے زیادہ آرام دہ ہوگا، چنانچہ میں نے چار تہہ کر دیا، جب صبح بیدار ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: آخر رات تم نے میرے لئے کیا بچھایا تھا، حضرت حفصہؓ کہتی ہیں کہ: میں نے کہا: وہی آپ ﷺ کا بستر تھا جس کو میں نے چار تہہ کر دیا تھا کہ آپ ﷺ کیلئے ذرا نرم ہو جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو پہلی حالت پر کردو اس لئے کہ اس کی نرمی نے مجھے رات کی نماز (تہجد) سے روک دیا۔ (۱)

☆ سوتے میں جب کوئی اچھا خواب دیکھے تو خدا کا شکر بجالائے، اور اس کو اپنے لئے بشارت سمجھے۔

چونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: اب نبوت میں سے بشارتوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا سوائے اس خواب کے جس کو کوئی نیک بندہ دیکھے "انہ لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرویا یراھا العبد الصالح" (۲)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو خدا کی حمد وثنا بیان کرے اور اپنے مخلص دوست ہی سے خواب کو بیان کرے اور جب کوئی برا خواب دیکھے تو وہ شیطان کی جانب سے ہے، اس کے شر سے پناہ چاہے اور اس کا کسی سے تذکرہ نہ کرے؛ کیونکہ اس کا نقصان اس کو نہیں پہنچے گا، "فلا یحدث بھا الا من یحبّ" (۳)

☆ خدانخواستہ اگر کوئی سوتے ہوئے برا اور ڈراونا خواب دیکھے تو اس خواب سے خدا کی پناہ مانگے۔

---

(۱) شمائل ترمذی: باب ما جاء فی فراش النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) مسلم: باب النھی عن قراء ،حدیث: ٤٧٩

(۳) بخاری: باب ذا رأی ما یکرہ فلا یخبر بھا ،حدیث: ٦٦٣٧

حضرت ابو سلمہؒ فرماتے ہیں کہ: میں ناگوار خوابوں کی وجہ سے اکثر بیمار پڑ جایا کرتا تھا، ایک روز میں نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے حضور ﷺ کی حدیث سنائی، : اچھا خواب خدا کی جانب سے ہوتا ہے، اگر تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو اپنے مخلص دوست کے سوا کسی اور سے بیان نہ کرے اور ناپسندیدہ خواب دیکھے تو قطعاً کسی کو نہ بتائے؛ بلکہ جاگتے ہی " اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ " پڑھ کر بائیں جانب تھتکارے اور کروٹ بدل لے تو وہ خواب کے شر سے محفوظ رہے گا " فلينفث عن شماله ثلاثًا وليتعوذ من الشيطان فانّه لايضرّه " (۱)

☆ کبھی ڈراؤنے خواب دیکھ کر ڈر جائے تو یہ دعا پڑھے

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جب کوئی خواب میں ڈر جاتا یا پریشان ہو جاتا ہو تو نبی پاک ﷺ نے اس کی پریشانی کو دور کرنے کیلئے یہ دعا تلقین فرمائی ہے "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنَ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ" (۲) میں خدا ہی کے کلمات تامہ کی پناہ مانگتا ہوں، اس کے غضب و غصہ سے، اس کی سزا سے، اس کے بندوں کی برائی سے، شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔

خواب کی شرعی حیثیت

خواب کے معنی ہیں "وہ بات جو انسان نیند میں دیکھے" محققین کہتے ہیں کہ: خواب ذہن پر جو باتیں چھائی رہتی ہیں وہ خواب کی شکل میں مشکل ہو کر نمودار ہوتی ہیں، دوسری طرح کا خواب وہ ہے جو شیطانی اثرات کا عکاس ہوتا ہے جیسا کہ عام طور پر ڈراؤنے خواب نظر آیا کرتے ہیں،

---

(۱) بخاري: باب من رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، حديث: ٦٥٩٤

(۲) ابوداؤد: باب كيف الرقي، حديث: ۳۸۹۳، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن غریب کہا ہے اور نسائی اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے: الترغيب، كتاب الذكر والدعاء، حديث: ٢٤٨٠

اور تیسری طرح کا وہ خواب ہے جو منجانب اللہ بشارت اور بہتری کو ظاہر کرتا ہے، خواب کی یہی قسم رویا صالحہ ہے، اسی کو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”الرؤیا ثلاث ، فالرؤیا الصالحة بشری من اللہ والرؤیا تحزین من الشیطن، رؤیا مما یحدث به المرء نفسه“ (۱)

☆ سچے اور صالح خواب نبوت کا چھیالیسواں جز ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے ”الرؤیا الصالحة جزء من أربعین جزءا من النبوة“ (۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت میں سے کوئی جز باقی نہیں رہے گا، سوائے مبشرات کے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مبشرات کیا چیز ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھے خواب جو کوئی مسلمان دیکھے یا اس کیلئے کوئی اور دیکھے ”لا یبقی بعدی من النبوة الا المبشرات“ (۳)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خواب بھی ایک قسم کی وحی ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خواب دیکھنے والے کو اس بھلائی یا برائی سے مطلع کر دیتا ہے جو اس کو پہنچنے والی ہوتی ہے۔

☆ اگر برا خواب دیکھے تو اسے کسی سے بیان نہ کرے:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا خواب، اللہ کی طرف سے ہے، اور برا خواب شیطان کی جانب سے، پس جب کوئی شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو اسے صرف اس شخص سے بیان کرے جس سے محبت واعتقاد ہے اور جب مکروہ

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء فی الرؤیا حدیث: ۵۰۱۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب الرؤیا الصالحة: حدیث: ٦٥٨٦

(۳) مجمع الزوائد: باب الرؤیا الصالحة، حدیث: ۱۱۷۱، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور بزار نے روایت کیا ہے، احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

خواب دیکھے تو حق تعالیٰ سے اس خواب کے شر اور شیطان کے فتنہ سے پناہ مانگے اور یہ بھی مناسب ہے بقصد دفع شیطان تین بار تھتکارے اور ایسا خواب کسی سے بیان نہ کرے، اس حالت میں برا خواب کوئی ضرر نہ دے گا ”ولا يحدث بها أحدا، فإنها لن تضره “ (۱)

علامہ ابن سیرینؒ جو جلیل القدر تابعی اور عظیم معبّر ہیں اس حوالے سے فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: خواب تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو حدیثِ نفس، اور دوسرا شیطان کی جانب سے خوف اور اندیشہ دلانا ہوتا ہے، اور تیسرا یہ کہ اللہ کی جانب سے خوشخبری ہوتی ہے، جو تم میں سے مکروہ اور ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اس کو کسی سے بیان نہ کرے اور کھڑا ہو جائے اور نماز پڑھے ”فلا يقصه على أحد وليقم فليصل“ (۲)

☆ اگر کوئی مکروہ خواب دیکھے تو اسے کروٹ بدلنا چاہیے:

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص مکروہ خواب دیکھے تو تین مرتبہ بائیں طرف تف کر کے شیطان سے اللہ کی پناہ چاہے اور اس کروٹ کو بدل ڈالے جس پر خواب دیکھنے کی حالت میں تھا، اور وہ خواب کسی سے بیان نہ کرے، ”وليتحول عن جنبه الذى كان عليه “ (۳)

☆ خواب دیکھنے والا کوئی ہولناک خواب دیکھے جس سے وہ خوف زدہ ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ تین بار آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے اور یہ کلام پڑھے:

أَعُوْذُ بِرَبِّ مُوْسٰى وَاِبْرَاهِيْمَ مِنْ شَرِّ الرُّؤْيَا رَأَيْتُهَا مِنْ مَّنَامِيْ اَنْ يَضُرَّفِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَمَعِيْشَتِيْ عَزَّ جَاهُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ “

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کی پناہ مانگتا ہوں، اس خواب کی برائی سے جو میں نے اپنے سونے کی حالت میں دیکھا ہے، بوجہ اس کے مبادا یہ مجھ کو کچھ ضرر اور نقصان پہنچائے میری دینی اور دنیاوی امور میں اور میرے روزگار میں، الٰہی تیرا مرتبہ سب سے

---

(۱) مسلم: كتاب الرؤيا: حديث: ۲۲۶۱

(۲) شعب الايمان، فصل فى الرويا التى هى نعمة، حديث: ٤٧٦٣

(۳) مسلم: كتاب الرؤيا: حديث: ۲۲۶۱

بڑھ کر ہے اور تیری تعریف جلیل الشان ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔
اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے اور صدقہ دے تو اس خواب کے شر اور نقصان سے محفوظ رہے گا۔

☆ ڈراؤنا خواب شیطان کے اثر سے ہوتا ہے :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا میرا سر کاٹ ڈالا گیا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ (یہ خواب سن کر) ہنس دیئے اور فرمایا: جب تم میں سے کسی کے ساتھ خواب میں شیطان تماشا کرے تو وہ اس خواب کو لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے

"إذا لعب الشيطان بأحدكم في منامه فلا يحدث به الناس" (۱)

معلوم ہوا کہ بہت سے خواب شیطانی اِلقاء ہوتے ہیں، ایسا خواب کسی سے بیان نہ کرے، کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جب تک خواب بیان نہ کیا جائے اس وقت تک پرندہ کے پاؤں پر معلق رہتا ہے، اسے قیام وثبات نہیں ہوتا اور جب بیان کر دیا جائے تو اسی طرح واقع ہو جاتا ہے، برا خواب بیان کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ کوئی معبّر حسبِ ظاہر کوئی بری تعبیر دے دے اور عام مشاہدہ میں آیا ہے کہ جیسی کوئی تعبیر دیتا ہے بتقدیرِ الٰہی ویسا ہی وقوع پذیر ہوتا ہے، ہر چند کہ تمام واقعات وحوادث قضاء وقدر سے وابستہ ہیں تاہم کتمان خواب سقوط تاثیر میں اس لئے مؤثر ہیں کہ دعا اور صدقہ کی طرح اس قسم کے اسباب بھی قضاء وقدر ہی سے متعلق ہیں، اس لئے حدیث میں ہے "لا تحدث رؤياك الا حبيبا أو لبيبا" یعنی اپنا خواب دوست یا عالم کے سوا کسی سے نہ کہو مردِ دانا اور دوست کے سامنے خواب بیان کرنے کو اس لئے کہا گیا ہے کہ: عقل مند، دانا اپنی عقل وحکمت کی بناء پر خواب کی اچھی ہی تعبیر دے گا، اسی طرح جو شخص دوست وہمدرد ہوگا وہ بھی خواب کو بھلائی پر ہی محمول کرے گا، اور اچھی تعبیر دے گا، جبکہ بے وقوف تو اپنی نادانی کی بناء پر اور دشمن اپنے بغض وعناد کے تحت خراب تعبیر دے گا۔ (۲)

---

(۱) مسلم : باب لا یخبر بتلعب، حدیث: ۳۹۱۲
(۲) مظاہر حق : ۳۳۸/۴

☆ اپنی طرف سے خواب گھڑ کر بیان نہ کرے:

حضرت عبداللہ بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو خواب دیکھے بغیر اپنی سے طرف گھڑ گھڑ کر بیان کرے گا، اس کو یہ سزا دی جائے گی کہ جو کے دانوں میں گرہ لگائے اور وہ ایسا کبھی نہ کرسکے گا "من كذب في الرؤيا متعمدا كلف عقد شعيرة يوم القيامة" (۱)

اور آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بہت بڑا بہتان ہے کہ آدمی ایسی بات کہے جو اس کی آنکھوں نے نہیں دیکھی ہے "أفرى الفرى من أرى عينيه مالم تر" (۲)

☆ خوابوں سے شرعی احکامات ثابت نہیں ہوتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک صاحب آئے اور ایک دوسرے شخص کو بھی ساتھ لائے اور عرض کیا: یا امیر المومنین! اس شخص نے خواب میں میری ماں کے ساتھ زنا کیا ہے، جس کا یہ اقرار کرتا ہے، اس کے اوپر حد جاری فرمائی جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: خواب کے زنا پر کہیں حد کا حکم دیا جاسکتا ہے؟، اس نے عرض کیا: حضرت اس نے زنا کا اقرار کیا ہے، اس سے میری سخت توہین ہوئی ہے، اس کو ضرور سزا ملنی چاہئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا اس کو دھوپ میں کھڑا کرو، اور جلاد کو حکم دیا کہ اس کے سایہ پر سو درے لگادے، کیوں کہ خود اس نے زنا نہیں کیا، لہٰذا اس کے وجود ظلّی پر درے لگائے جائیں۔ (۳)

حضرات انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں، اس لئے ان کے خواب بھی وحی کا درجہ رکھتے ہیں، عام مسلمانوں کے خواب میں ہر طرح کا احتمال رہتا ہے، اس لئے وہ کسی کیلئے حجت نہیں ہوتے، خوابوں میں بعض اوقات طبعی اور نفسانی صورتوں کی آمیزش ہوتی ہے اور

---

(۱) مجمع الزوائد: باب فيمن كذب في حلمه، حدیث: ۱۱۹۳۰، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: میں کہتا ہوں: اسی کو ترمذی نے "متعمدا" کے قول کے بغیر ذکر کیا ہے، اس کو احمد نے روایت کیا ہے، اس میں ابو علی بن عامر الثعلبی ضعیف ہیں۔

(۲) بخاری: باب الرؤيا الصالحة، حدیث: ٦٦٣٦

(۳) خوابوں کی شرعی حیثیت: ۱۱

بعض گناہوں کی ظلمت وکدورت صحیح خواب پر چھا کر اس کو نا قابل اعتماد بنا دیتی ہے، بعض اوقات تعبیر صحیح بھی نہیں آتی۔

اور یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ سچے خواب بعض اوقات فاسق وفاجر بلکہ کافر کو بھی آسکتے ہیں، سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل کے دو ساتھیوں کا خواب اور ان کا سچا ہونا مذکور ہے، حالانکہ یہ مسلمان نہ تھے، حدیث میں کسریٰ کا خواب مذکور ہے جو اس نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے متعلق دیکھا تھا، وہ خواب صحیح ہوا، حالانکہ کسری مسلمان نہ تھا، نیز کافر بادشاہ بخت نصر کے جس خواب کی تعبیر حضرت دانیال علیہ السلام نے دی تھی وہ خواب سچا تھا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ محض اتنی بات کہ کسی کو کوئی سچا خواب نظر آجائے اور واقعہ اس کے مطابق ہوجائے اس کے نیک، صالح بلکہ مسلمان ہونے کی بھی دلیل نہیں ہوسکتی، ہاں یہ صحیح ہے کہ عام عادۃ اللہ یہی ہے کہ سچے اور نیک لوگوں کے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں، فساق وفجار کے عموماً حدیث نفس یا تسویل شیطانی کی قسم باطل سے ہوا کرتے ہیں، مگر کبھی اس کے خلاف بھی ہوجاتا ہے۔ (۱)

☆ سچے خواب عام امت کیلئے حسب تصریح حدیث ایک بشارت یا تنبیہ سے زائد کوئی مقام نہیں رکھتے، نہ خود اس کیلئے کسی معاملہ میں حجت ہیں نہ دوسروں کیلئے، بعض ناواقف لوگ ایسے خواب دیکھ کر طرح طرح کے وساوس میں مبتلا ہوجاتے ہیں، کوئی ان کو اپنی ولایت کی علامت سمجھنے لگتا ہے، کوئی اس سے حاصل ہونے والی باتوں کو شرعی احکام کا درجہ دینے لگتا ہے، یہ سب چیزیں بے بنیاد ہیں، خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سچے خوابوں میں بھی بکثرت نفسانی یا شیطانی یا دونوں قسم کے تصورات کی آمیزش کا احتمال ہے۔ (۲)

☆ آج کل جیسے ہم لوگوں کے حالات ہیں کہ نہ اکل حلال کا اہتمام نہ گناہوں سے بچنے کا، نہ اتباع کا خیال لہٰذا ان حالات میں خواب کا شیطان کی طرف ہونا اغلب ہے۔

(۱-۲) معارف القرآن: ۲۲/۵، مکتبہ معارف کراچی

گھر کی تعمیر: آداب وہدایات

☆ گھر کی تعمیر یہ انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، انسان ابتدائے آفرینش ہی سے اپنے رہائش کیلئے مختلف انداز میں گھروں کی تعمیر کے جذبہ کی تکمیل کرتا رہا ہے، پہاڑوں کو تراش کر، گھاس پھوس، جھونپڑوں، ریت، مٹی، گارے اور پتھروں سے لے کر جدید طرزِ تعمیر کے فلک بوس عمارتیں جو آہنی سلاخوں سے بنائے جاتے ہیں، اس کے ذریعہ انسان اپنے ٹھکانے، آشیانے اور آسرا کو بناتا رہا ہے۔

اللہ عزوجل نے مکان کو موقع احسان وامتنان میں ذکر فرمایا ہے "وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا "(۱) اللہ عزوجل نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے باعث سکون بنایا ہے۔

انسان کی اسی رہائشی ضرورت کو بتلاتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم کو بس یہ چیزیں حاصل کرنے کا حق ہے: ایک گھر میں جس میں رہائش اختیار کرے، ایک کپڑا جس سے وہ ستر ڈھانک سکے اور روٹی اور پانی جس سے شکم سیر ہوسکے "بیت یسکنه، وثوب یواری به عورته" (۲)

اور ایک روایت میں کشادہ، بقدرِ ضرورت مکان کی تعمیر کو آدمی کی سعادت قرار دیتے ہوئے فرمایا: کشادہ مکان، نیک پڑوسی اور خوشگوار سواری آدمی کی سعادت کی علامت ہیں "من سعادة المرء المسکن الواسع، والجار الصالح، والمرکب الهنیء" (۳)

---

(۱) النحل: ۸۰

(۲) ترمذی: باب منه، حدیث: ۲۳٤۱، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) الأدب المفرد: باب المسکن الواسع، حدیث: ٤۵۷، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: جس شخص کے یہاں بیوی نہ ہو وہ بیوی حاصل کرے، جس کے پاس خادم نہ ہو، وہ خادم حاصل کرے، جس کے پاس گھر نہ ہو وہ گھر حاصل کرے " فان لم یکن له مسکن فلیکتسب مسکنا " (۱)

حضرت حبۃ اور سواء خالد کے لڑکوں سے روایت ہے کہ وہ دونوں کہتے ہیں کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی تعمیر فرمارہے تھے، تو ہم نے آپ ﷺ کی مدد کی تو آپ ﷺ نے کام سے فارغ ہونے پر ہم کو دعا دی " ھو یعمل عملا أو یبنی بناءا فأعناه علیه، فلما فرغ دعا لنا " (۲)

☆ مکان کی تعمیر انسان کی رہائشی ضرورت کی تکمیل کیلئے ہے، اس لئے اس میں کفایت شعاری سے کام لیا جائے، دراصل انسان کا اصل گھر اور ٹھکانہ تو دارِ آخرت ہی ہے، فکر آخرت انسان کو عارضی دنیا، اس کی زیب وزینت، بڑی بڑی تعمیرات، کوٹھیاں، محلات بنانے کی فرصت اور مہلت ہی نہیں دیتی۔

حضور ﷺ نے فرمایا: " کن فی الدنیا کأنك غریب أو عابر سبیل " تم دنیا میں ایسے رہو جیسے کوئی مسافر یا رہ گذر رہوتا ہے۔ (۳)

کسی مسافر کو درمیانِ سفر کسی جگہ پر مکان کی تعمیر کی نہیں سوجھتی وہ تو بس اپنی ضرورت کی تکمیل کے بعد منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہوجاتا ہے، اور کسی رہ گذر کو درمیان راہ میں مکان کی تعمیر کا خیال بھی نہیں آتا، آخرت کی اَبدی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی مختصر زندگی بھی دارِ آخرت کی تیاری کی رہ گذر ہے، اس لئے اس کے حسن وخوبصورتی اور اس کے آرائش وزیبائش میں اپنی فکری اور مالی ومادی توانائی کو صرف کرنا کسی عقل مند کا تو کام نہیں ہوسکتا، روئے زمین پر

---

(۱) ابوداؤد: حدیث: ٤١٤٢، امام منذری اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔

(۲) مسند احمد: حدیث حبة وسواه ابنی خالد، حدیث: ١٥٨٩٤

(۳) بخاری: باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم: کن فی الدنیا كانك غريب، حدیث: ٦٠٥٣

اس وقت کتنے ہی مکانات، تعمیرات، محلات، عالی شان عمارتیں ایسی بھی ہیں جو اپنی قدامت وصلابت میں بے مثال ہیں اور ان کو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی طرزِ تعمیر اور نقش ونگار آج بھی دنیا والوں کی آنکھوں کو خیرہ کیے ہوئے ہیں، مکان تو موجود ہیں، مکیں کا کوئی نام ونشان تک نہیں، بجائے اس مٹی، گارے، کنکر پتھر پر اپنے روپئے پیسے کے خرچ کرنے کے کارِ خیر میں ان کو صرف کر کے آخرت کے گھر کیلئے اپنے ان پیسوں کو اللہ کیلئے محفوظ کر لیتے تو روزِ آخرت میں کام آتے۔

آپ ﷺ نے تعمیرات میں اسراف اور فضول خرچی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: آدمی کے ہر خرچ کا اجر وثواب ملتا ہے سوائے تعمیر میں خرچ کے "یؤجر الرجل فی نفقته کلّها الّا التراب" (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ "الا البناء فلا خیر فیها" سوائے تعمیر کے اس میں کوئی خیر نہیں۔ (۲)

اور ایک روایت میں فرمایا: "جب اللہ عزوجل کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے اینٹ اور مٹی کا سبز باغ دکھاتے ہیں (اس کی نگاہ میں تعمیر کو خوشنما بناتے ہیں) پھر وہ تعمیرات میں لگ جاتا ہے، "اذا أراد اللّٰه بعبدٍ شرًّا خضّر له فی اللبن والطین حتی یبنی" (۳)

☆ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو گھر کے بنانے اور تعمیر میں مصروف دیکھا تو ان کو دارِ آخرت کی جانب متوجہ کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے گئے،

---

(۱) ترمذی: باب: حدیث: ۲۴۸۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب: حدیث: ۲۴۸۲، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۳) الترغیب: حدیث: ۲۸۸۰: ۱۳/۳، دار الکتب العلمیة، بیروت، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی تینوں معاجم میں سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

آپ ﷺ نے راستے میں ایک قبہ (گنبد) دیکھا، تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ کے اصحاب نے کہا: یہ فلاں انصاری کا گنبد ہے، تو آپ ﷺ خاموش ہوگئے، اور اس بات کو دل ہی میں رکھا، جب وہ صاحب آپ ﷺ کے یہاں مجلس میں آئے اور آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا، وہ آپ ﷺ کے اعراض اور غصہ کو سمجھ گئے اور اس کا ذکر اپنے ساتھیوں سے کیا، تو انہوں نے حضور ﷺ کے ان کے گنبد کو دیکھنے اور اس پر اظہارِ ناراضگی کرنے کا ذکر کیا، وہ صحابی اپنے گھر گئے اس گنبد کو زمین بوس کر دیا، پھر ایک بار آپ ﷺ کا وہاں سے گذر ہوا تو آپ ﷺ کو وہ گنبد دکھائی نہ دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس گنبد کا کیا ہوا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم نے آپ ﷺ کے اعراض کا ذکر کیا تو انہوں نے اسے منہدم کر دیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سنو ہر تعمیر آدمی کیلئے وبال ہے مگر جو ضرورت کے درجے میں ہو "كلّ بناء وبال على صاحبه الّا ما لا الّا ما لا" (۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا گذر ہوا، میں اپنے چھپر اور جھگی کو درست کر رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے کوٹھے کو درست کر رہا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "الأمر أسرع من ذلك" موت اس سے زیادہ قریب ہے۔ (۲)

یعنی عمارت کے منہدم ہونے اور اس کے درست نہ کرنے میں اس کے فساد اور بگاڑ کے اندیشہ سے بڑھ کر آدمی کی موت قریب ہے، اعمال کی اصلاح اور درستگی تعمیر کی اصلاح اور درستگی سے اہم اور ضروری ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء في البناء، حدیث: ۵۲۳۷، عراقی کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے: المغنی عن حمل الأسفار، في الزهد: ۱۱۱۶/۲، مكتبة طبريه

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء في البناء، حدیث: ۵۲۳۷، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد، ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور ابن ماجہ اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے: الترغيب: كتاب التوبة والزهد، حدیث: ۵۰۶۶

☆ دوسرے کی زمین ہڑپ کر یا دوسرے کے کسی بھی طرح راستے میں حائل ہوکر یا اس کی ہوا اور روشنی کو بند کر کے عمارت تعمیر نہ کی جائے، چونکہ حدیث میں ہے " لا ضرر ولا ضرار" نہ نقصان برداشت کرنا اور نہ نقصان دینا ہے، اس حدیث کی روشنی میں کسی کو بھی کسی طرح کا نقصان اور ضرر پہنچائے بغیر تعمیر کرنا ہے۔

اگر کسی کی زمین ہڑپ کر کے تعمیر کی جاتی ہے تو اس پر تو سخت قسم کی وعید آئی ہے "من ظلم قید شبر من الأرض طوقه من سبع أراضین" جو شخص ایک بالشت پر بھی ظلماً ہڑپ کرتا ہے تو اس کو ساتوں زمین کا اسی کے بقدر بوجھ اس پر لادا جائے گا۔

☆ تعمیر میں مسابقت اور منافست اور عمارتوں کو بلند کرنا اور اس کے تزئین وآرائش اور اس کا نقش ونگار کرنا یہ قیامت کی علامت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگ تعمیرات میں ایک دوسرے سے مسابقت اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں "حتی یتطاول النّاس في البنیان" (۱)

☆ عمارتوں میں بے جا نقش ونگار کو بھی حضور ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے:

آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس سے پہلے نہیں آئے گی کہ لوگ گھر بنانے لگیں گے جو یمنی چادروں کے مشابہ (اس کی طرح نقش ونگار کے) گھر بنائیں گے " حَتّٰی یَبْنِیَ النَّاسُ بُیُوْتًا یُشَبِّهُوْنَهَا بِالْمَرَاحِلِ " (۲)

☆ آپ ﷺ کے ازواجِ مطہرات کے کمرے سادگی کے نمونہ تھے:

حضرت حسن بصریؒ ماتے ہیں کہ: میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے

---

(۱) بخاری: باب خروج النار، حدیث: ٦٤٠٤

(۲) الأدب المفرد: باب نقش البنیان: حدیث: ٢١٦، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

زمانے میں ازواجِ مطہرات کے حجروں میں جاتا اور اپنے ہاتھوں سے ان حجروں کی چھتوں کو چھو لیتا " فَأَتَنَاوَلُ سَقُفَهَا بِيَدِىُ " (۱)

حضرت داؤد بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے امہات المومنین کے حجروں کو اندر سے جا کر دیکھا تو وہ کھجور کے تنوں سے چھائے گئے تھے، اور اس کے اوپر چمڑے وغیرہ ڈالے گئے تھے، میرا اندازہ ہے کہ ایک حجرہ کی چوڑائی حجرہ کے دروازے سے لے کر اس کی آخری دیوار تک چھ ہاتھ یا سات ہاتھ اور حجرے کے اندر کی گنجائش دس ہاتھ اور اس کی چھت آٹھ یا سات ہاتھ ہوتی یا اس کے قریب "وَأَحُرُزُ الْبَيْتَ الدَّاخِلَ عَشَرَ أَذُرُعٍ وَأَظُنُّ سُمُكُهُ بَيْنَ الثَّمَانِ وَالسَّبُعِ نَحُوَ ذٰلِكَ " (۲)

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں بلند و بالا اور غیر ضروری عمارتوں کے تعلق سے لوگوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی تھی۔

حضرت عبداللہ رومی کہتے ہیں کہ: میں ام طلق کے پاس گیا، اور کہا کہ: آپ کے حجرے کی چھت کتنی نیچی ہے، انہوں نے کہا کہ: اے میرے بچے! امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو تحریری حکم دیا تھا کہ اپنی عمارتیں زیادہ اونچی نہ بنائیں؛ کیونکہ اونچی چھت بنانے کا زمانہ تمہارے برے دن ہوں گے " أَنُ لَّا تُطِيلُوا بِنَاءَ كُمُ ، فَإِنَّهُ مِنُ شَرِّ أَيَّامِكُمُ "(۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی پلاننگ اور از سرِ نو تعمیری منصوبہ بندی کی تو لوگوں کو بانس کے گھر بنانے کو کہا، لیکن جب اس میں آگ لگنے لگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پتھر کے بنانے کی اجازت

---

(۱) الأدب المفرد: باب التطاول فی البنیان، حدیث: ٤٥، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۲) الأدب المفرد: باب التطاول فی البنیان، حدیث: ٤٥، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۳) الأدب المفرد: باب التطاول فی البنیان، حدیث: ٤٥٦ ، مولانا الیاس بارہ بنکوی نے کہا ہے کہ: اس میں علی بن مسعدہ ہیں، ابوداؤد الطیالسی نے ان کی توثیق کی ہے، ابوحاتم نے کہا ہے کہ: ان میں کوئی حرج نہیں، اور ام طلق کے احوال بھی نامعلوم ہیں۔

طلب کی گئی تو حضرت عمر نے فرمایا: ٹھیک ہے ایسا کرو، لیکن دو کمروں سے کوئی زائد نہ بنائے اور نہ عمارت کی بلندی اور اونچائی میں مفاخرت کرے "وَلَا تَطَاوَلُوا فِيُ الْبُنُيَانِ " (۱)

☆ آپ ﷺ نے تعمیرات میں مسرفانہ اور بے جا خرچ پر بہت سخت وعیدیں سنائی ہیں:

حضرت ابو بشیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ عزوجل آدمی کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے مال کو تعمیر میں لگا دیتے ہیں "اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبُدٍ ھَوَانًا اَنُفَقَ مَالَهٗ فِيُ الْبُنُيَانِ " (۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ: جو شخص اپنی ضرورت سے زیادہ تعمیر کرے تو اسے روزِ قیامت اٹھانے کیلئے کہا جائے گا " مَنُ بَنٰی فَوُقَ مَا یَكُفِیُهِ كُلِّفَ اَنُ یَحُمِلَهٗ یَوُمَ الْقِیَامَة " (۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ عزوجل کسی کے مال کی برکت اٹھا لینا چاہتے ہیں تو اس کے مال کو مٹی اور پانی میں لگا دیتے ہیں " اِذَا لَمُ یُبَارَكُ فِيُ مَالِهٖ " (۴)

البتہ گھر کی تعمیر میں ان امور کا ضرور لحاظ کیا جائے:

۱۔ گھر کا بیت الخلاء اس طرح بنایا جائے کہ قبلہ کی طرف چہرہ یا پشت نہ ہونے پائے۔

۲۔ مکان اس طرح بنائیں کہ پردے کے سلسلے میں جو شرعی احکام ہیں ان کا لحاظ کرنا آسان ہو۔

---

(۱) تاریخ ابن خلدون: الفصل الثانی المبانی والمصانع فی الملة الاسلامیة قلیلة: ۴۴۷/۱ دار الفکر، بیروت

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی البنیان، حدیث: ۵۲۷۸، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں ایک شخص ہیں جن کو میں نہیں جانتا۔

(۳) مجمع الزوائد: باب الاقتصاد فی طلب الرزق، حدیث: ۶۲۸۱، علامہ ہیثمیؒ کہتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں مسیب بن واضح ہیں، ان کی نسائی نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۴) شعب الایمان، فصل فی ذم بناء ما لا یحتاج، حدیث: ۱۰۷۱۹، مناوی کہتے ہیں کہ: اس کو سند ضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے: التیسیر فی شرح جامع الصغیر، حرف الھمزہ: ۲۵۴/۱ مکتبة الامام الشافعی، الریاض

۳۔ گھر کی گندگی اور غلاظت کو راستہ پر نہ ڈالا جائے، اس کے بہاؤ کا معقول انتظام کیا جائے؛ تاکہ راہ چلنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔

۴۔ جتنی زمین اس کی ملکیت میں ہے اس پر ہی مکان بنائے، سرکاری اور عوامی املاک میں تجاوز سے گریز کرے۔

۵۔ ڈیکوریشن میں غلو اور مبالغہ سے کام نہ لے، یہ فضول خرچی ہے، اور فضول خرچی جائز نہیں۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ مکان بنانے کے حدود کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے: کیونکہ لوگوں کے درجات مختلف ہیں اور انہیں درجات سے ضروریات بھی مختلف ہیں، کسی ایک کو ایک حجرہ (کمرہ) آسائش وراحت کیلئے کافی ہوتا ہے اور کسی کو ایک بڑا مکان بھی مشکل سے کافی ہوتا ہے، ایک شخص کو زیادہ سردی لگتی ہے وہ لحاف اوڑھتا ہے اور ایک شخص کا جاڑا ہلکی رضائی میں چلا جاتا ہے، دونوں کا اسراف الگ الگ ہے، ہر شخص اپنی ضرورت کو خود ہی سمجھ سکتا ہے۔

ہاں ضرورت سے آگے ایک درجہ آرائش کا ہے وہ بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں اسراف اور حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ ہو اور نہ قصد وفخر وعجب کا اختلاط ہو؛ کیوں کہ یہ درجہ نمائش کا ہے جو ناجائز ہے۔

اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: مکان بنانے میں یہ امور ملحوظ رہیں:

الف : بے ضرورت مکان نہ بنوائے جائیں

ب : اپنی عمارت کی اصلاح کیلئے جس کے پاس زمین دیکھی دبالی تاکہ اپنی عمارت نہ بگڑے (یہ ناجائز اور حرام ہے) اسی طرح کسی کی مِلک میں دروازہ نہ کھولا جائے اور نہ کسی کی مِلک میں نالی نکالی جائے۔

افسوس ہے کہ پہلے زمانہ میں تو کفار سلاطین (بادشاہ) بھی ایسا نہ کرتے تھے پھر حیرت ہے کہ ہم مسلمان اور ضعیف القدرہ ہو کر یہ حرکتیں کریں؟

نوشیرواں بادشاہ تھا جب اپنا محل بنانا چاہا تو ایک بڑھیا کا مکان محل کے قریب تھا جس کے ملانے کی ضرورت تھی ورنہ محل میں ریخ (رخنہ وکج) رہتا تھا، مگر اس نے دینے سے انکار کردیا تو نوشیرواں نے اس پر زور نہ دیا اور نہ جبر کیا بلکہ اپنا مکان ٹیڑھا ہی بنالیا اور ایک گوشہ کے بگڑنے کا خیال نہ کیا۔

ج: تیسری چیز اس سلسلے کی یہ ہے کہ تعمیر میں حرام مال نہ لگایا جائے ورنہ از روئے حدیث یہی ویرانی کی جڑ ہے، تھانہ بھون میں پیر محمد صاحب کی مسجد عالمگیر کے وقت کی ہے جس کی دیواریں اور گنبد گارے کے ہیں، مگر (مضبوطی اور) پائیدار کی اس کے سوا اور کیا وجہ ہوسکتی ہے کہ مال حلال تھا اور نیت میں خلوص تھا۔

د: چوتھے یہ کہ عمارات میں ریاء وتفاخر واسراف سے تحرز (بچنا) لازم ہے، بس ہر عمارت میں یہ امر ضروری اور قابل لحاظ ہے کہ یہ تعمیر آسائش کے واسطے ہوں وہ تقوی کے خلاف ہیں اور آج کل اکثر عمارتیں نمائش (دکھلاوے) کے واسطے ہیں جن میں ضرورت کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ (۱)

☆ آدمی کا اپنا مکان اس کیلئے باعث راحت وسکون ہوتا ہے حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ہماری گھر والی ہم سے ہمیشہ کہا کرتیں کہ ایک مکان رہنے کیلئے علاحدہ بنالو، لیکن میں ان کو ٹال دیتا کہ چندروزہ زندگی کیلئے مکان بناتی ہو، جب میں حج کرنے گیا اور بعد میں گھر میں پہنچ گئیں تو انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے شکایت کی کہ میں گھر بنوانے کو کہتی ہوں اور یہ گھر نہیں بناتے، حضرت نے مجھ سے فرمایا: میاں تمہارے گھر میں سے گھر بنوانے کو کہتی ہیں کیا حرج ہے، یہ تو اچھی بات ہے، اپنے خاص گھر میں آرام ملتا ہے، میں نے جی میں کہا کہ ترکیب تو مکان بنوانے کی اچھی نکالی، میں نے عرض کردیا بہت اچھا اب بن جائیگا، واپسی کے بعد جب مکان بن گیا تو قصداً میں نے حضرت کو لکھا، حضرت نے فرمایا: گھر مبارک ہو۔

حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا کہ گھر بنانے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے بغیر راحت نہیں ہوتی، باقی اگر کسی کو تنگی ہو اور نہ بنا سکے تو اور بات ہے۔ (۲)

---

(۱) احکام المال: ۱۵۷-۱۵۸ (۲) احکام المال: ۱۴۹-۱۵۰

☆ مکان کشادہ ضرور ہونا چاہئے:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "الشؤم فی ثلاثۃ المرأۃ والدار والفرس" (۱)

شراحِ حدیث نے شوم فی الدار (یعنی منحوس گھر) کی ایک تعبیر یہ بھی کی ہے کہ مکان تنگ ہو، ضرورتوں کیلئے کافی نہ ہو، تنگ مکان سے واقعی تکلیف ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں وسعتِ مکان (یعنی مکان کے وسیع ہونے) کی دعاء بھی آئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے "اَللّٰھُمَّ وَسِّعْنِیْ فِیْ دَارِیْ" یعنی اے اللہ مجھ کو وسیع مکان دیجئے۔ البتہ واقعی مکان نہ ہونے سے سخت تکلیف ہوتی ہے مگر مختصر مکان ضرورت کے لائق کافی ہے، زیادہ اونچا مناسب نہیں، حدیث میں ہے "وبیت یتدخل فیہ" کہ مکان ایسا ہو جس میں بے تکلف داخل ہو سکے، مکان زیادہ اونچا کرنا قوم عاد کی میراث ہے، قومِ عاد شان کیلئے نئے نئے اونچے اونچے مکان بنایا کرتے تھے۔

☆ رہ گئی "واستو" کی بات یعنی مکان کا ڈیزائن کیا ہو، اور کونسی چیز کس جگہ ہو؟ اور اس سے برکت اور بے برکتی کو متعلق سمجھنا قطعاً درست نہیں، یہ ایمان کی کمزوری کی بات ہے، مسلمانوں کا ایمان ہے کہ تمام نفع ونقصان اللہ کے فیصلہ پر منحصر ہے، اور کوئی بھی چیز اپنی اصل میں منحوس نہیں، مکان کے ڈیزائن اور اس میں مختلف ضروریات کیلئے جگہ کے تعین کا مشورہ انجینئرس اور فنی ماہرین سے کرنا چاہئے نہ کہ پنڈتوں سے۔

مسافر بن عوف بن الاحمر نے حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے جس وقت وہ انباری سے نہروان جارہے تھے کہا: امیر المؤمنین! آپ اس وقت سفر نہ کریں، دن کے جب تین گھنٹے گذر جائیں تو روانہ ہوں، حضرت علی ؓ نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا: اگر اس وقت سفر کریں گے تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے، اور جس گھڑی میں جانے کیلئے کہہ رہا ہوں اس وقت جائیں گے تو کامیاب اور بامراد ہوں گے، حضرت علی ؓ نے کہا: حضور ﷺ کیلئے کوئی نجومی تھا اور نہ ہمارے لئے آپ کے بعد اس طرح کا کوئی نجومی ہوگا

---

(۱) بخاری: باب ما یذکر من شؤم الفرس، حدیث: ۲۷۰۳

" ما كان لمحمد منجم ولا لنا من بعده " پھر فرمایا: اے اللہ اچھائی اور برائی سب تیری ہی طرف سے ہے "اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ " پھر منزلِ مقصود کی جانب چل پڑے۔ (ا)

☆ گھر میں ایک جگہ معتکف اور عبادت گاہ کے طور پر بھی ہو جو چھوٹے بچوں کی آمد ورفت سے دور ہو، اور گندگی اور غلاظت وہاں نہ ہو، گھر کا کوئی فرد بھی وہاں یکسوئی کے ساتھ نماز کی ادائیگی کرسکتا ہو۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے قرآن میں حکم دیا"واجعلوا بيوتكم قبلة" (يونس :۷۸) اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ (نماز گاہ بناؤ)۔

اسی طریقے سے نبی پاک ﷺ کی حدیث ہے" ولا تجعلوا بيوتكم مقابر"(مسلم : باب استحباب صلاة النافلة في بيته ،حديث : ۷۸۰) اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ۔

(ا) تفسير القرطبي: سورة الجن: ۲۹/۱۹، دار الكتب المصريه، القاهرة

گھر سے نکلنے اور داخل ہونے کے آداب

☆ بسم اللہ پڑھ کر بایاں پیر باہر نکالے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھتا ہے "بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ" (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر بھروسہ ہے، کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں، کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہوسکتی ہے) تو اس وقت اس سے کہا جاتا ہے یعنی فرشتے کہتے ہیں: تمہارے کام بنادیئے گئے اور تمہاری ہر شر سے حفاظت کی گئی، شیطان (نامراد ہوکر) اس سے دور ہوجاتا ہے" وتنحّی عنه الشیطٰن" (۱)

ایک روایت میں ہے کہ اس وقت (اس دعا کے پڑھنے کے بعد) اس سے کہا جاتا ہے: تمہیں پوری رہنمائی مل گئی، تمہارے کام بنادیئے گئے اور تمہاری حفاظت کی گئی، چنانچہ شیاطین اس سے دور ہوجاتے ہیں، دوسرا شیطان پہلے شیطان سے کہتا ہے: تو اس شخص پر کیسے قابو پاسکتا ہے جسے رہنمائی مل گئی ہو؟ جس کے کام بنادیئے گئے ہوں اور جس کی حفاظت کی گئی ہو، "کیف لك برجل قد هُدی و کُفی ووُقی" (۲)

---

(۱) ترمذی: باب ما یقول الرجل اذا خرج من بیته، حدیث: ۲٤۳٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب ما یقول اذا خرج من بیته، حدیث ۵۰۹۵، بوصیری کہتے ہے کہ: اس کی سند ہارون بن عبداللہ کی وجہ سے، طبرانی نے کتاب الدعاء میں اسی سند اور متن کے ساتھ نقل کیا ہے، اور اس کا ایک شاہد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو ابن حبان اپنی صحیح میں اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو حسن صحیح غریب کہا ہے: مصباح الزجاجة: کتاب الدعاء: ۲۵۸/۲، دار الجنان، بیروت

☆ پھر اس کے بعد آسمان کی جانب دیکھ کر یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَیَّ" (۱) اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں یا سیدھے راستہ سے پھسل جاؤں یا ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، یا میں جہالت میں برابرتاؤ کروں یا میرے ساتھ جہالت میں برابرتاؤ کیا جائے۔

☆ جب گھر میں داخل ہو تو بسم اللہ کہہ کر دایاں پیر اندر رکھے اور گھر والوں کو سلام کرے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اے بیٹے! جب تو اپنے اہل کے پاس جائے تو ان کو سلام کر یہ تیرے اور تیرے گھر والوں کیلئے برکت کا باعث ہوگا "فتكون بركةً عليك وعلى أهل بيتك" (۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ: تین اشخاص اللہ کی ضمانت اور ذمہ داری میں ہوتے ہیں، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنے گھر میں سلام کر کے داخل ہوتا ہے "ورجل دخل بيته بسلام فهو ضامن على الله عزوجل" (۳)

☆ پھر یہ دعا پڑھے:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا" (اے اللہ! میں آپ سے گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کی خیر مانگتا ہوں

---

(۱) ابوداؤد: باب ما يقول اذا خرج من بيته، حديث: ۵۰۹۴، امام نووی فرماتے ہیں کہ: ابوداؤد اور ترمذی نے اس کو صحیح اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے: ریاض الصالحین: ۱/۳۶

(۲) ترمذی: التسليم اذا دخل بيته، حديث: ۲۶۹۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب فضل الغزو، حديث: ۲۴۹۴، مناوی کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے جہاد میں روایت کیا ہے اور اس کی تضعیف نہیں کی ہے، اور حاکم نے اس کو کتاب البیوع میں ابوامامۃ سے نقل کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور باہر نکلنا میرے لئے خیر کا ذریعہ ہو، اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ ہی پر جو ہمارے رب ہیں ہم نے بھروسہ کیا) پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔(۱)

☆ اگر آدمی اللہ کے ذکر اور اہل کو سلام کیئے بغیر گھر میں داخل ہوتا ہے تو شیطان گھر میں ٹھکانہ بناتا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اور داخل ہونے اور کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) سے کہتا ہے کہ: یہاں تمہیں رات رہنے کی جگہ مل گئی اور جب کھانے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے کہ یہاں تمہیں رات رہنے کی جگہ اور کھانا بھی مل گیا" واذا لم یذکر اللہ عند طعامہ قال : ادرکتم المبیت والعشاء " (۲)

☆ جب گھر میں داخل ہو تو سورۂ اخلاص پڑھے:

جو شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت سورۂ اخلاص پڑھتا ہے تو اس گھر اور اس کے پڑوس سے فقر کو ہٹا دیا جاتا ہے "ونفت الفقر عن أھل ذلك المنزل والجیران" (۳)

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر میں داخل ہوتے اس کے کونوں میں آیت الکرسی پڑھتے "اذا دخل منزلہ قرأ فی زوایاہ ایۃ الکرسی"(۴)

---

(۱) ابوداؤد: باب مایقول الرجل ذا دخل بیتہ، حدیث: ۵۰۹۶ ، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے ضعیف نہیں کہا ہے: الاذکار: ۱/۲۳، دار الفکر، بیروت، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے۔

(۲) مسلم : باب اداب الطعام والشراب وأحکامھا ، حدیث : ۵۲۶۲

(۳) مجمع الزوائد : باب ما یقول اذا دخل منزلہ واذا خرج منہ ، حدیث: ۱۷۰۷۵ ، اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس میں مروان بن سالم الغفاری متروک ہیں۔

(۴) مجمع الزوائد: باب ما یقول اذا دخل منزلہ واذا خرج منہ ، حدیث: ۱۷۰۷۵ ، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، مگر عبد اللہ نے ابن عوف سے نہیں سنا ہے۔

راستے پر چلنے کے آداب

☆ درمیانی چال چلے، نہ اس قدر تیز کہ ٹھوکر کھا کر گر جانے کا اندیشہ ہو، نہ اس قدر دھیمی رفتار سے کہ لوگ بیمار سمجھیں، چال میں تکبر، خود پسندی اور عجب کی بو نہ آئے۔

اللہ کے خاص بندوں کی علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ زمین پر نرمی کے ساتھ چلتے ہیں "وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا" (۱)

کوئی شخص زمین پر اترا کر چلنے سے نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے "وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا" (۲) "اور زمین پر اِتراتا ہوا مت چل (کیونکہ تو) نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ (بدن کو تان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔"

☆ نگاہیں نیچی رکھے کہ حرام چیزوں پر نہ نظر پڑنے پائے، خصوصاً اجنبی عورتوں پر اپنی نگاہیں پڑنے سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے "قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ" "وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ" (۳) آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

---

(۱) الفرقان : ٦٣

(۲) الاسراء : ٣٧

(۳) النور : ٣٠

اور فرمایا "اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡئُوۡلًا "(۱)

کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) پوچھ ہوگی اور فرمایا " یَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ" (۲) وہ (ایسا ہے کہ) آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان (باتوں) کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم کیلئے اپنے حصہ کا زنا ہے جو اس سے سرزد ہو کر رہے گا، آنکھیں زنا کرتی ہیں ان کا زنا دیکھنا ہے، کان زنا کرتے ہیں، ان کا زنا سننا ہے، زبان زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بات کرنا اور تکلم ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں، ان کا زنا پکڑنا ہے، اور پیر زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا چلنا ہے، دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتے ہیں "ویصدّق ذلك الفرج أو يُكذّبه " (۳)

☆ جان پہچان والے اور نا معلوم ہر دو شخص کو سلام کرے:

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ: اسلام کے بہترین اعمال کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھانا کھلانا اور سلام کرنا، جان پہچان والے کو بھی اور غیر معلوم شخص کو بھی "علی من عرفت ومن لم تعرف " (۴)

☆ راستے کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھا جائے، گندگی، غلاظت، کوڑا کرکٹ سے شاہراہ عام کو اٹا نہ جائے، یا راستے میں ایسی چیزیں نہ ڈالی جائیں جو گذرنے والوں کے پھسلنے کا سبب بنتی ہوں۔

بلکہ مسلمان کو تو چاہئے کہ راستے میں جو رکاوٹیں اور روڑے ہوں، انہیں ہٹائے اور گذرنے والوں کو تکلیف والی چیزیں جیسے پتھر، کانٹے وغیرہ کو دور کرے۔

---

(۱) الاسراء : ٣٦

(۲) الغافر : ١٩

(۳) مسلم : باب قدر علی ابن ادم حظه ،حدیث: ٢٦٥٧

(۴) بخاری: باب افشاء السلام من الاسلام، حدیث:٢٨

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، سب سے بلند شعبہ "لا الہ الا اللہ" کہنا ہے، اور سب سے کمتر شعبہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا "وادناها اماطة الأذى عن الطريق" (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: راستے پر درخت کی ٹہنی تھی جس سے لوگوں کو چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی، اس نے اس ٹہنی کو نکال دیا تو اس کے اس عمل کی وجہ سے وہ جنت میں داخل کیا گیا "فاماطها رجل فادخل الجنّة" (۲)

☆ راستے کے دیگر حقوق کا پاس ولحاظ کیا جائے جس کو مختلف روایتوں میں یوں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے پاس آئے اور فرمایا: تم راستوں میں بیٹھنے سے اجتناب کرو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہماری ان مجالس میں مختلف امور کے سلسلے میں گفتگو کے لئے بیٹھنا پڑتا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تمہیں راستوں پر بیٹھنا ہی ہو تو راستے کا حق ادا کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! راستے کے حقوق کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ نگاہیں نیچی رکھنا۔

۲۔ سلام کا جواب دینا۔

۳۔ بھلائی کا حکم کرنا، برائی سے روکنا۔

۴۔ ایک روایت میں ہے "حسن الكلام" بہترین گفتگو کرنا۔

۵۔ مسافر کی رہنمائی اور رہبری کرنا۔

---

(۱) مسلم: باب بیان عدد شعب الایمان، حدیث: ۳۵

(۲) ابن ماجة: باب امامة الأذى عن الطريق، حدیث: ۳۶۸۲، مناوی کہتے ہیں کہ: اس کو احمد اور ابویعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور مصنف نے اس کے حسن ہونے کا نشان لگایا ہے: فیض القدیر: شرح جامع الصغیر، حرف الکاف، حدیث: ۶۲۱۲: ۵۴۶/۴

۶- چھینکنے والے کے ''الحمدللہ'' کہنے پر جواب دینا '' تشمیت العاطس''.

ابوداؤد نے یہ اضافہ کیا ہے: مجبور کی مدد کرنا، گم کردہ راہ کی رہنمائی کرنا، ''وتغیثوا الملھوف، وتھدوا الضالّ'' امام احمدؒ اور ترمذیؒ نے یہ اضافہ کیا ہے۔

۷- راستے کی رہنمائی کرنا۔

۸- مظلوم کی اعانت کرنا: ''واعینوا المظلوم''.

۹- سلام کو رواج دینا۔

☆ شریف عورتیں جب کسی ضرورت سے راستے پر چلیں تو بُرقعے یا چادر سے اپنے جسم، لباس اور زیب و زینت کی ہر چیز کو خوب اچھی طرح چھپالیں اور چہرے پر نقاب ڈال لیں۔ اس لئے ارشادِ خداوندی ہے '' يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ '' (۱)

اور فرمایا: ''عورت چھپانے کی چیز ہے'' اور بلا شبہ جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ عورت اُس وقت سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے گھر کے اندر رہوتی ہے، '' وانّھا لا تکون أقرب الی اللہ منھا فی قعر بیتھا '' (۲)

اور فرمایا '' وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ'' (۳) اور تم اپنے گھروں میں رہو اور زمانہ قدیم کی جہالت کے دستور کے موافق مت پھرو۔

'' يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ '' کی تفسیر میں ابن کثیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے: '' أمر اللہ نساء المؤمنین اذا خرجن من بیوتھنّ فی حاجة أن یُغطّین وجوھھن من فوق رؤوسھنّ بالجلابیب ویبدین

---

(۱) الاحزاب: ۵۹

(۲) صحیح ابن حبان: کتاب الحظر والاباحة، حدیث: ۵۵۹۸، محقق شعیب الارنؤط کہتے ہیں کہ: اس کے رجال ثقہ اور صحیح کے رجال ہیں، لیکن یہ روایت منقطع ہے۔

(۳) الاحزاب: ۳۳

"علینا واحدۃً" (۱) یعنی اللہ نے مومنین کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب کسی مجبوری سے اپنے گھروں سے نکلیں تو ان چادروں سے چہروں کو ڈھانک لیں، جو سروں کے اوپر بڑی چادریں اوڑھ رکھی ہیں اور راہ چلنے کیلئے صرف ایک آنکھ ظاہر کریں۔

☆ عورتیں ایسا زیور پہن کر نہ چلیں جس میں چلتے وقت جھنکار پیدا ہوتی ہو، دبے پاؤں چلیں:

چونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل عورت کے زیور کی جھنکار ایسے ہی ناپسند ہے جیسے گانا ناپسند ہے، اور اس کے پہننے والے کو ایسے عذاب ہوگا جیسا عذاب ساز بجانے والے کو ہوگا آواز دار زیور وہی عورت پہنتی ہے جو ملعون ہو" ولا تلبس خلخالاً ذات صوت الّا ملعونة " (۲)

☆ عورتیں پھیلنے والی خوشبو لگا کر نہ نکلیں :

ایسی عورت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو عورت بھڑکیلی خوشبو لگا کر نکلتی ہے تو وہ اپنے گھر واپس آنے تک برابر اللہ کی ناراضگی میں ہوتی ہے " لم تزل فی سخط اللہ حتی ترجع إلی بیتھا " (۳)

☆ عورتیں راستے کے کناروں سے چلیں اور مردوں کو چاہئے کہ ان سے بچ کر چلیں:

حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ: انہوں نے نبی کریم ﷺ کو مسجد سے باہر نکلتے ہوئے عورتوں سے یہ کہتے ہوئے سنا: تم پیچھے رہو، اور راستوں کے کناروں سے چلو "علیکنّ بحافّات الطریق" اس کے بعد عورتیں بالکل دیواروں سے چپکی چلتی تھیں، ان کے دیواروں سے چپک کر چلنے سے بعضے دفعہ ان کے کپڑے اس سے اَٹک جاتے تھے۔ (۴)

---

(۱) الدر المنثور: ۶/۶۵۹، دار الفکر، بیروت

(۲) کنز العمال: الاکمال من الفصل الاول، حدیث: ۴۵۰۷۱

(۳) مجمع الزوائد: باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ۲۱۱۷، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں موسی بن عبید ضعیف ہیں۔

(۴) ابوداؤد: باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق، حدیث: ۵۲۷۲، البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

ٹرافک کے آداب

حکومت نے ٹرافک کے جو اصول وقواعد مقرر کئے ہیں، کہیں تیز چلنے کے اور کہیں آہستہ چلنے کے، رکنے اور نہ رکنے کے، گاڑی کے کسی مقام پر ٹھہرانے کے اور کسی مقام پر نہ ٹھہرانے کے، یہ انتظامی نوعیت کے قوانین ہیں، جن کا مقصد ہماری جان اور ہماری سواری کا تحفظ ہے، جان ومال کی حفاظت ایک شرعی فریضہ ہے، ایسے قوانین کی اطاعت کا ہم نے گویا حکومت سے عہد کیا ہوا ہے، ان اصول وقواعد کی رعایت نہ کرنا یہ ملکی قوانین کی مخالفت اور عہد کی خلاف ورزی اور اپنی جان ومال کی حفاظت میں بے احتیاطی کی وجہ سے شرعی اعتبار سے یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔

☆ سڑک پر چلنے کے دوران آپ اپنی گاڑی کی رفتار معتدل رکھیں، جو آگے چل رہا ہے اسے آگے چلنے دیں، اگر کسی کی سواری پیچھے ہے، اور اس کی سواری کی رفتار آپ کے مقابلہ میں تیز ہے تو اسے آگے بڑھنے کا موقع دیں۔ یہ اسلامی طریقہ نہیں کہ آپ یہ بالکل گوارا نہ کریں کہ کسی کی گاڑی آپ سے آگے رہے، بلا وجہ اس کو پیچھے کر کے خود آگے بڑھنے کے درپے ہوں، یہ اکڑ کر چلنے میں داخل ہے جس کو شریعت نے منع کیا ہے: "وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا" (۱) زمین میں اکڑ کر نہ چلو، کہ نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہیں۔

☆ نیک صالح اور مقبول لوگوں کی چال ڈھال اور گفتار ورفتار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
"وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا" (۲)

---

(۱) الاسراء: ۳۷ (۲) الفرقان: ٦٢

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عجز وانکساری وفروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب نادان لوگ ان سے ہم کلام ہوتے ہیں تو کی بات کہہ کر نکل جاتے ہیں۔

☆ راستے میں چلتے ہوئے بار بار اس کی نوبت آتی ہے کہ ٹریفک کے اصول سے ناواقف، جلد باز اور جاہل واُجڈ قسم کے لوگ منہ آنے لگتے ہیں، کوئی اپنی سواری غلط طریقہ پر بیچ میں لے آتا ہے، کوئی اپنی مخالف میں گھس آتا ہے، کوئی بے موقع ہارن بجا کر دق کرتا ہے، کوئی ایسی جگہ گاڑی روک دیتا ہے جہاں گاڑی روکنے کی اجازت نہیں، اس سے ٹرافک کا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے، تو ایسے وقت بجائے ایسے لوگوں کے ساتھ الجھنے اور ٹرافک کو جام کرنے کے خاموش نکل جانے میں بہتری ہے۔

قرآن مجید نے اچھے انسان کی یہ صفت بیان کی ہے کہ اگر ناسمجھ لوگ اس سے الجھنے کی کوشش کریں تو وہ سلامتی کی بات کہہ کر گذر جاتے ہیں " وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا " (۱)

☆ گاڑی کی رفتار حالات کے اعتبار سے ہونا چاہئے، جہاں ازدحام ہو وہاں آہستہ چلایا جائے، جہاں ازدحام نہ ہو اور آپ کے آہستہ چلنے کی وجہ سے ان لوگوں کو دشواری ہو، جو آپ کے پیچھے ہیں تو وہاں آہستہ چلنے کے بجائے تیز چلا جائے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی بابت فرماتے ہیں کہ: تیز چلنا کچھ نیکی کا کام نہیں "عليكم السكينة، فانّ البرّ ليس بالايضاع" (۲)

☆ یہ بات بھی مناسب نہیں معلوم ہوتی کہ جہاں پارکنگ کی جگہ نہ ہو وہاں گاڑی کو پارک کیا جائے، یہ دوسرے راستہ چلنے والوں کیلئے تکلیف اور مشقت کا باعث ہے، اس سے ٹرافک جام ہوجاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو بھی ایمان کا ایک درجہ قرار دیا ہے کہ

---

(۱) الفرقان: ۶۲

(۲) مسند احمد: حديث اسامة بن زيد، حديث: ۲۱۸۰۸، محقق شعیب الارنؤوط فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند محمد بن اسحاق کی وجہ سے حسن ہے۔

راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹایا جائے، ”وأدناها اماطة الأذى عن الطريق“ اذی کے معنی تکلیف دہ چیز کے ہیں جس میں گندگی، نجاست یا بے جگہ گاڑی کھڑا کرنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو شامل ہے، اسی طرح پٹرول اور ڈیزل کی جگہ کیروسین کا استعمال یہ راہ گیروں کیلئے بھی نقصان دہ ہے اور اس سے پھیلنے والی آلودگی عام لوگوں کیلئے بھی ضرر رساں ہوتی ہے۔

☆ یہ بھی ضروری ہے کہ پیدل چلنے والے گاڑی والوں کی اور گاڑی والے پیدل چلنے والوں کی رعایت کریں، خاص کر اپاہج ضعیف لوگ، بوڑھے جو جلد راستہ طے نہیں کر سکتے، ان کی رعایت کی جائے، رسول اللہ ﷺ نے راہ گیروں کو عورتوں کے متعلق خصوصی رعایت کا حکم دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مرد کو عورتوں کے درمیان چلنے سے منع فرمایا ”نهى أن يمشي يعني الرجل بين المرأتين“ (۱)

حضرت ابو اسید انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے خواتین کو نصیحت فرمائی کہ وہ راستہ کے کناروں سے چلیں: ”عليكن بحافات الطريق“(۲)

معلوم ہوا کہ فٹ پاتھ کے حصہ میں سواریاں نہ چڑھائی جائیں، بلکہ ان کو پیدل راہ گیروں کیلئے چھوڑ دیا جائے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب في مشي النساء مع الرجال في الطريق، حديث: ۵۲۷۲

(۲) ابوداؤد: باب في مشي النساء مع الرجال في الطريق، حديث: ۵۲۷۲، البانی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

سفر کے آداب

☆ بے مقصد سفر نہ کیا جائے جونہی سفر کا مقصود حاصل ہو جائے اپنے جائے سکونت کو واپس آجائے، اس لئے کہ راستہ میں خطرات وخدشات درپیش ہوتے ہیں، صحت وزندگی کی بابت بھی خطرات رہتے ہیں اور دینی معمولات کی بھی کما حقہ ادائیگی دشوار ہو جاتی ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بلا ضرورت سفر کو پسند نہیں فرمایا، (۱)

البتہ دینی اور جائز امور کیلئے سفر کرنا درست ہے، رسول اللہ ﷺ نے جہاد اور دعوت دین کیلئے اسفار فرمائے ہیں، صحابہ رضوان اللہ عنہم وتابعینؒ اور فقہاءؒ ومحدثین نے طلبِ علم کے جو اسفار کئے ہیں یہ علم حدیث کا ایک مستقل باب اور علاحدہ موضوع ہے۔

☆ سفر سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ سفر کرنے کی وجہ سے کسی شخص کا حق جو اس سے متعلق ہے فوت نہ ہو رہا ہو، چنانچہ والدین یا ان میں سے کوئی ایک مریض ہو اور اپنے بچے کی مدد کے محتاج ہوں، اور کوئی دوسرا مناسب تیماردار موجود نہ ہو تو ایسے شخص کا حج یا جہاد کے سفر پر بھی نکلنا جائز نہیں۔ (۲) سوائے اس کے جہاد اس پر فرض عین ہو گیا ہو۔

البتہ اگر ماں باپ کیلئے خدمت کی متبادل صورت موجود ہو تو نہ ان کا اصرار درست ہے کہ ان کے لڑکے دینی اسفار نہ کریں اور نہ اولاد کیلئے ان کے اصرار کو قبول کرنے کی گنجائش ہے، علم دین کے حصول کیلئے ایسی حالت میں سفر کر سکتے ہیں۔

☆ سفر کیلئے سب سے اہم چیز رفقاء سفر ہیں، تنہا سفر نہ کیا جائے، ممکن ہو تو تین آدمی مل کر سفر کریں، اس میں سفر کے خطرات سے حفاظت کے علاوہ سامان وغیرہ کی حفاظت اور دیگر ضروریات کی تکمیل بھی آسانی سے ہو جاتی ہے۔

---

(۱) بخاری : باب السفر قطعة من النار ، حدیث: ۱۸۰۴

(۲) رد المحتار: کتاب الجهاد: ۲۲۰/۳

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لو يعلم الناس ما في الوحدة ما أعلم ما سار راكب بليلٍ وحده (۱)

اگر لوگوں کو تنہا سفر کرنے میں ان (دینی اور دنیوی) نقصانات کا علم ہو جائے جو مجھے معلوم ہیں تو کوئی سوار رات میں تنہا سفر کرنے کی ہمت نہ کرے۔

ایک مرتبہ ایک شخص دور دراز کا سفر کر کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مسافر سے پوچھا! تمہارے ساتھ کون ہیں؟ مسافر بولا: یارسول اللہ ﷺ! میرے ساتھ تو کوئی بھی نہیں ہے، میں اکیلا آیا ہوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الراكب شيطن والراكبان شيطانان والثلاثة ركب (۲) اکیلا سوار شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں، البتہ تین سوار (سوار) ہیں۔

یعنی ایک دو آدمیوں کو شیطان بہت جلد بہکا سکتا ہے کم از کم تین آدمی ہوں تو باجماعت نماز کی ادائیگی وغیرہ میں سہولت ہوتی ہے۔

اور ایک روایت میں فرمایا: "الشيطان يهمّ بالواحد والاثنين فاذا كانوا ثلاثة لم يهمّ بهم" (۳) شیطان ایک دو (مسافر) کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے یعنی نقصان پہنچانا چاہتا ہے، لیکن جب (مسافر) تین ہوں تو ان کے ساتھ برائی کا ارادہ نہیں کرتا۔

☆ چند آدمی سفر کر رہے ہوں تو ایک شخص کو اپنا امیر مقرر کر لیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اذا خرج ثلاثة في سفرٍ فليؤمر أحدهم." (۴)

جب تین شخص سفر میں نکلیں تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنا لیں۔

---

(۱) بخاری: باب السير وحدة، ۲۹۹۸

(۲) ترمذی: كراهية أن يسافر الرجل وحده، حديث: ۱٦٧٤، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) موطا مالك: ما جاء في الوحدة في السفر، حديث: ۳۵۸۷

(۴) ابوداؤد: باب القوم يسافرون يؤمرون أحدهم، حديث: ۲٦٠٨، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے: رياض الصالحين: باب استحباب طلب الرفقة: ۲۹۹/۱، مؤسسة الرسالة، بيروت

☆ جب آدمی سفر شروع کرے اور لوگوں کو الوداع کہے تو اس سے دعاء کی درخواست کرنے کے بعد اسے یوں دعاء دینی چاہیے؟ آپ ﷺ سے اس موقع سے مختلف الفاظ میں دعا منقول ہے: اِستودع اللّٰه دینك وامانتك وخواتیم عملك (۱)

تمہارا دین، تمہاری امانت اور تمہارے خاتمہ اعمال کو اللہ کے حوالہ کرتا ہوں۔

حضور ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: ’’اے اللہ کے رسول ﷺ ’’ انی ارید سفرًا ‘‘ میرا سفر کا ارادہ مجھے دعا کی شکل میں کچھ زادراہ دیجیے‘‘ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’زوّدك اللّٰه التقویٰ‘‘ اللہ تمہیں تقویٰ عطا فرمائے‘‘ اس نے کہا: اور مزید تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وغفر لك ذنبك‘‘ اس نے کہا: اور مزید تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ویسر لك الخیر حیثما کُنت‘‘ اور تم جہاں کہیں ہو، خیر کی طرف تمہاری رہنمائی کرے۔ (۲)

☆ سامانِ سفر کی تیاری کے بعد گھر سے نکلنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے، جس میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یأایها الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پڑھے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ: اے اللہ! میں ان کے ذریعہ آپ کا تقرب چاہتا ہوں اور ان کی وجہ سے تو میرے اہل وعیال اور مال کا نگراں اور والی ہو جا۔
’’انت الصاحب فی السفر وأنت الخلیفة فی الأهل والمال‘‘ (۳)

حضرت مطعم بن مقدام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ما خلّف عبد علی أهله افضل من رکعتین یرکعهما عندهم حین یرید سفرًا‘‘ (۴)

---

(۱) ترمذی: باب ما یقول اذا ودع انسانا، حدیث: ٣٤٤٢، امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب من باب ما یقول اذا ودع انسانا، حدیث: ٣٤٤٤، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

(۳) احیاء العلوم: الجملة الأولی فی السیر: ٢٤٧/١، دار المعرفة، بیروت

(۴) مصنف ابن أبی شیبه: الرجل یرید السفر من کان یستحب له أن یصلی قبل خروجه حدیث: ٤٨٧٩

آدمی جب سفر پر جانے لگے تو سب سے بہتر نائب جسے وہ اپنے اہل وعیال کے پاس چھوڑ کر جائے وہ دو رکعتیں ہیں جوان کے پاس پڑھ کر جائے۔

☆ سفر کو روانہ ہوتے وقت جب سواری پر بیٹھ جائیں اور سواری حرکت میں آئے تو یہ دعاء پڑھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں جانے کیلئے سواری پر بیٹھتے تو تین مرتبہ "اللّٰہ اکبر" فرماتے، پھر یہ دعاء پڑھتے: سُبحان الذی سخّرلنا ھذا وما کنا له مقرنین وانّا الی ربنالمنقلبون. (۱)

پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے قابو میں کر دیا، جبکہ ہم تو اس کو قابو میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں:

اللّٰھم انّا نسألك فی سفرنا ھذاالبّر والتقویٰ ومن العمل ماترضٰی، اللّٰھم! ھوّن علینا سفرنا ھذا، واطو بعده، اللّٰھم انت الصاحب فی السفر، والخلیفة فی الأھل اللّٰھم انی أعوذبك من وعثاء السفروكابة المنظر وسوء المنقَلَبِ فی المال والأھل والولد والحور بعدالكور ودعوۃ المظلوم. (۲)

اے اللہ ہم اپنے اس سفر میں آپ سے نیکی اور تقویٰ اور ایسے عمل کا سوال کرتے ہیں جس سے آپ راضی ہوں، اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہمارے لئے آسانی فرمادیں اور اس کی دوری کو ہمارے لئے مختصر فرمادیں، اے اللہ! آپ ہی ہمارے اس سفر میں ہمارے ساتھی ہیں اور ہمارے پیچھے آپ ہی ہمارے گھر والوں کے نگہبان ہیں، اے اللہ! میں آپ سے سفر کی مشقت سے سفر میں کسی تکلیف دہ منظر کو دیکھنے سے اور واپسی پر مال اور اہل وعیال میں کسی تکلیف دہ چیز کے پانے سے پناہ چاہتا ہوں۔

---

(۱) مسلم: باب ما یقول اذا رکب الی سفر الحج وغیرہ، حدیث: ۱۳٤۲

(۲) مسلم: باب الذکراذا رکب دابته، حدیث: ۳۲۷۵

☆ پھر سفر کے دوران جب کبھی اونچائی پر چڑھنا ہو یا نشیب میں اترنا ہو تو یہ دعاء پڑھے:

" اللّٰھم لك الشرف علی کلّ شرف ولك الحمد علی کلّ حالٍ " (۱)

اے اللہ! ہر شرف سے بڑھ کر آپ کا شرف اور ہر حال میں آپ کیلئے حمد و ثنا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہی معمول تھا۔

☆ جس کسی جگہ دوران سفر قیام کی نوبت آئے تو یہ دعاء پڑھے۔

حضرت خولہ بنتِ حکیم السلمیہؓ فرماتی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص کسی جگہ پر اتر کر یہ کلمات پڑھے " اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من شرّ ما خلق " (۲)

☆ جب کسی بستی میں داخل ہو تو یہ دعاء پڑھے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو اسے دیکھ کر یہ دعاء پڑھتے:

اللّٰھم ربّ السموات السبع وما اظللن وربّ الأرضین السبع وما أقللن، ورب الشیٰطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین فانّ نسألك خیر ھذہ القریة وخیر أھلھا، ونعوذبك من شرّھا أھلھا وشرّ ما فیه فیھا. (۳)

اے اللہ! جو رب ہیں ساتوں آسمانوں کے اور ان تمام چیزوں کے جن پر ساتوں آسمان سایہ کئے ہیں، اور جو رب ہیں ساتوں زمینوں کے اور ان تمام چیزوں کے جن کو ساتوں زمینوں نے اٹھایا ہوا ہے، اور جو رب ہیں تمام شیاطین کے اور ان سب کے جن کو شیاطین نے گمراہ کیا ہے اور جو رب ہیں ہواؤں کے اور ان چیزوں کے جنہیں ہواؤں نے اڑایا ہے، ہم آپ سے

---

(۱) مسند احمد: مسند انس بن مالك، حدیث: ١٣٥٢٨، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں کہ: اس کی سند عمارۃ بن زادان اور زیاد بن منیری کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۲) مسلم: باب فی التعوذ من سوء، حدیث: ٧٠٥٤

(۳) مستدرك: کتاب الجهاد، حدیث: ٢٤٨٨، حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس بستی کی خیر اور بستی والوں کی خیر مانگتے ہیں اور آپ سے بستی کے شر اور اس بستی والوں کے شر اور اس بستی میں جو کچھ ہے اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔

☆ جب سفر میں کہیں رات ہو جائے تو یہ دعاء پڑھے "یا أرض رَبّی وربّك اللّٰه اعوذ باللّٰه من شرّك وشرّ ما خُلق فيك وشرّ ما يدبُّ عليك واعوذ باللّٰه من أسد وأسود ومن الحيّة والعقرب ومن شرّ ساكني البلد ومن والد وما ولد وله ما سكن فى الليل والنهار وهو السميع العليم" (۱)

اے زمین! میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے، میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں، تیرے شر سے اور ان مخلوقات کے شر سے جو تجھ میں خدا نے پیدا کی ہیں اور ان مخلوقات کے شر سے جو تجھ پر چلتے ہیں اور میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں شیر سے، اور سیاہ سانپ سے اور بچھو سے اور اس شہر کے باشندوں سے اور والد، مولود کے شر سے۔

رات کے اکثر میں اور دن کے ابتدائی حصہ میں سفر کرنے اور دوپہر کے وقت پڑاؤ کرنے کا حضور ﷺ کا معمول تھا؛ چونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ: رات میں زمین لپٹی جاتی ہے اور دن کا ابتدائی حصہ بابرکت ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم جب سفر کرو تو رات کو بھی سفر کر لیا کرو کیونکہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے " عليكم بالدلجة ؟ فانّ الارض تطوى بالليل" (۲)

مطلب یہ ہے کہ رات میں دن کی طرح رکاوٹیں نہیں ہوتیں اس لئے سفر بجلد اور آسانی سے طے ہو جاتا ہے یا حقیقۃً زمین رات میں لپیٹ دی جاتی ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ما يقول الرجل اذا نزل منزلاً، حديث: ۲۶۰۳، صاحب عون المعبود عبدالحق عظیم آبادی کہتے ہیں کہ: منذری نے کہا ہے کہ: اس کی نسائی نے تخریج کی ہے اور اس کی سند میں بقیۃ بن ولید ہیں اور ان کے سلسلے میں کلام ہے: عون المعبود: باب ما يقول الرجل اذا ركب: ۱۸۹/۷

(۲) ابوداؤد: باب فى الدلجة: حديث: ۲۵۷۱، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس کی سند حسن ہے: رياض الصالحين: باب اداب السير والنزول: ۳۰۰/۱، مؤسسة الرسالة، بيروت

حضرت صخر غامدی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللّٰھم بارك لامتی فی بکورھا “ (۱)

اے اللہ! میری امت کیلئے دن کے ابتدائی حصہ میں برکت عطا فرمادیں، رسول اللہ ﷺ چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو اس کو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔

☆ کوئی دشمن یا جانور حملہ آور ہو جائے رات و دن میں تو آیت الکرسی، سورۂ اخلاص، معوذتین پڑھے اور یوں کہے: ”بسم اللّٰہ ماشاء اللّٰہ لاقوۃ الا باللّٰہ توکلت علی اللّٰہ لا یاتی بالخیر الا اللّٰہ لایصدف السوء الااللّٰہ حسبی اللّٰہ وکفی سمع اللّٰہ لمن دعالیس ویاء اللّٰہ مُنتھی ولادون ملجأ “ (۲)

حضور ﷺ نے فرمایا: ”راستے میں جب کس کا خوف یا ڈر ہو تو یہ دعاء پڑھے: ”اللّٰھم انانجعلك فی نحورھم، ونعوذبك من شرورھم “ (۳)

☆ راستے میں دوسروں کی سہولت کا بھی خاص خیال رکھے، راستے کے ساتھی کا بھی حق ہے قرآنِ کریم میں ہے ”والصاحب بالجنب“ (۴) اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

پہلو کے ساتھی سے مراد وہ ہے جو کہیں بھی کسی بھی وقت ساتھ ہو جائے۔

☆ اس بات کا خاص خیال رکھے کہ اچانک رات گھر میں نہ آئے بلکہ صبح یا شام کو آئے اور اہل خانہ کو پہلے سے خبر کر دے۔

---

(۱) ترمذی: باب التکبیر فی التجارۃ، حدیث: ۱۲۱۲، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: صخر الغامدی کی روایت حسن ہے۔

(۲) احیاء علوم الدین: ۱/ ۲٤۸، دار المعرفۃ، بیروت

(۳) ابوداؤد: باب ما یقول اذا خاف قوما، حدیث: ۱۵۳۷، علامہ نووی ؒ فرماتے ہیں اس کو ابوداؤد اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے: ریاض الصالحین: باب ما یدعوبه اذاخاف ناسا: ۳۰۵/۱ مؤسسة الرسالة، بیروت

(۴) النساء: ۳٦

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کسی انسان کی گھر سے غیر حاضری کا زمانہ زیادہ ہو جائے یعنی اس کو سفر میں زیادہ دن لگ جائیں تو وہ (اچانک) رات کو اپنے گھر نہ آئے، "نهى رسول اللّٰه اذا أطال الرجل الغيبة، أن يأتي أهله طروقًا" (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طویل سفر کے بعد اچانک رات کے وقت گھر جانا مناسب نہیں کہ اس صورت میں گھر والے پہلے سے ذہنی طور پر استقبال کیلئے تیار نہ ہوں گے، البتہ اگر آنے کا علم پہلے سے ہو تو رات کے وقت جانے میں کوئی حرج نہیں۔

☆ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب طویل سفر سے واپس آتے تو مسجد جا کر دوگانہ ادا کرتے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب ہم (سفر سے واپس) مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے (مجھ سے) ارشاد فرمایا: "مسجد جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو" اِئتِ المسجد فصلّ ركعتين" (۲)

☆ واپسی میں جب شہر میں داخل ہو تو یہ دعاء پڑھے: "آئبون تائبون انشاء اللّٰه عابدون، لربّنا حامدون" (۳) لوٹ رہے ہیں، تائب ہیں انشاء اللہ ہم اپنے پروردگار کی حمد و تعریف کریں گے۔

☆ سفر سے واپس آئے اور گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے " توبا توبا، لربنا أوبا، لا يغادر علينا حوبا " اور جب واپسی کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے کہ ہم توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے اور اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے واپس ہو رہے ہیں اور جب اہل خانہ کے پاس پہنچتے کہ ہماری توبہ ہے اپنے رب کی طرف رجوع ہے، وہ ہم پر کوئی گناہ باقی نہ چھوڑے۔ (۴)

---

(۱) مسلم : باب كراهة الطروق، حديث: ٤٩٦٧

(۲) بخاري : باب الهبة المقبوضتم غيرالمقبوصة، حديث: ٢٤٦٣

(۳) بخاري : باب الكتبير اذا علا، حديث: ٢٨٣٣

(۴) مسند احمد : حديث نمبر: ٢٣١٠

☆ عورت دور کا سفر تنہا نہ کرے یا اگر معمولی سفر ہو تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تنہا سفر نہ کرے چونکہ؛ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے " لا یحل لأمرأة تومن باللّٰه والیوم الاٰخر تسافر مسیرة یوم ولیلة لیس معها حرمة " (۱)

اگر دور کا سفر کرنا ہو تو اپنے محرم بھائی شوہر یا اپنے لڑکے کے ساتھ کرے:

عورت تین دن کی مسافت کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے، اور بعض روایات میں ایک دن اور ایک رات کا ذکر ہے، لیکن در حقیقت ان دونوں رواتیوں میں کوئی تضاد نہیں، تین دنوں کی مسافت یعنی اُڑتالیس میل کا سفر تو بغیر محرم کے بہر صورت جائز نہیں اور ایک دن کی مسافت کا سفر بھی اس وقت جائز نہیں ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ ہو، سفر حج کے لئے بھی یہی شرط ہے کہ اگر کسی عورت کو محرم رشتہ دار میسر نہ ہو، یا اتنی استطاعت نہ ہو کہ اپنے ساتھ کسی محرم کو بھی لے جائے تو ایسی عورت پر حج فرض نہیں ہے۔ (۲)

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کوئی شخص عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے (یعنی اجنبی مرد و عورت کسی جگہ تنہا جمع نہ ہوں) اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے، یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! فلاں غزوہ میں میرا نام لکھا جا چکا ہے (یعنی فلاں جہاد جو درپیش ہے اور وہاں جو لشکر جانے والا ہے اس میں میرا نام بھی لکھا جا چکا ہے کہ میں بھی لشکر کے ہمراہ جاؤں) اور حالانکہ میری بیوی نے سفر حج کا ارادہ کر لیا ہے؟ تو کیا کروں؟ آیا جہاد کو جاؤں اور بیوی کو اکیلا حج کیلئے جانے دوں یا بیوی کے ساتھ جاؤں اور جہاد میں نہ جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو (کیونکہ جہاد میں جانے والے تو بہت ہیں لیکن تمہاری بیوی کے ساتھ جانے والا تمہارے علاوہ اور کوئی محرم نہیں ہے) " اذهب فحج مع امرتك " (۳)

---

(۱) بخاری: باب فی کم یقصر الصلاة، حدیث: ۱۰۳۸

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۱۲۳

(۳) بخاری: باب من اکتتب فی جیش، حدیث: ۲۸۴۴

☆ سفر میں اپنے رفیق سفر کی ممکنہ اعانت اور مدد کرے، اپنے پاس زیادہ زادِ سفر ہو تو اس کو فراہم کرے، سواری میں جگہ میں وسعت کر کے بٹھالے؛ چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه" اللہ عزوجل بندے کی مدد کرتے ہوتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد اور اعانت میں لگا ہوتا ہے۔(۱)

نبی کریم ﷺ کا معمولِ مبارک تھا کہ آپ ﷺ چلنے میں پیچھے ہوتے، کمزور کے جانور کو ہانکتے اور اس کو پیچھے سوار کر لیتے اور اس کیلئے دعاء فرماتے "يخلّف في الميسر، فيزجي الضعيف ويردف ويدعو له"(۲)

---

(۱) مسلم: باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، حديث: ۲۶۹۹

(۲) ابوداؤد: باب في لزوم الساقة، حديث: ۲٦٤١، امام نوویؒ کہتے ہیں اس کو ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، رياض الصالحين: باب اعانة الرفيق: ۳۰۲/۱، موسسه الرسالة، بيروت

افواہیں اور ہمارا رویہ

انسان بہت سی باتوں کے جاننے میں دوسروں کی خبر کا محتاج ہوتا ہے، کیونکہ انسان کے دیکھنے اور سننے کی صلاحیت محدود ہے، اس لئے اسے بہت ساری خبروں کو اپنے چشم سر سے دیکھے اور گوشِ سر سے سنے بغیر تسلیم کرنے پر مجبور ہوتا ہے، دنیا کا سارا نظام اور سارا کاروبار دوسرے کی دی ہوئی خبروں پر یقین واعتماد سے متعلق ہے، یہ خبریں سچی بھی ہوتی ہیں، جھوٹی بھی، خبر دینے والے سچے بھی ہوتے ہیں، جھوٹے بھی، بعض لوگ مبالغہ پسند ہوتے ہیں، وہ خبروں کو بڑھا کر پیش کرتے ہیں، بعض لوگ سادہ لوح اور بھولے بھالے ہوتے ہیں، سنی سنائی باتوں پر بغیر تحقیق وتفتیش کے یقین کر لیتے ہیں، پھر وہ ان خبروں کو لوگوں میں رواج دیتے ہیں، اس طرح سماج اور معاشرے میں بالا رادہ یا بلا ارادہ خلافِ واقعہ باتیں رواج پا جاتی ہیں۔

افواہیں اور بے تحقیق باتیں بسا اوقات اس قدر بھیانک اور خطرناک ہوتی ہیں کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا مثلاً کسی شخص نے دو اشخاص کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو اس نے شہر کی فضا اور ماحول کو دیکھا تو یہ رائے قائم کی کہ شہر میں دو گروہوں میں فساد ہو گیا، وہ اپنے گھر کی جانب بھاگا جاتا رہا، ازراہِ خیر خواہی اور ہمدردی جو بھی اسے اثنائے راہ ملتا اس کو بھی یہ بتاتا چلا کہ شہر میں دو گروہوں میں تصادم ہو گیا، اس طرح لوگ اپنے گھروں کو واپس ہونے لگے، ایک طرح کی کھلبلی سی مچ گئی، یہ خبر ہوتے ہوتے جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی، لاعلمی میں ایک گروہ نے دوسرے گروہ پر حملہ کر دیا، اس طرح سارا شہر ایک بے بنیاد خبر کی بنا پر فساد اور خون وخرابہ کی زد میں آگیا۔

انہیں بے بنیاد خبروں اور افواہوں پر جماعتوں، تنظیموں اور گروہوں کے درمیان پھوٹ واقع ہوتا ہے، خاندانوں اور کنبوں میں نفرت کی آگ لگ جاتی ہے، میاں بیوی کی خوشگوار زندگی میں بھونچال آجاتا ہے بھائی اور بہنوں میں رخنہ اور دراڑ پڑ جاتی ہے۔

☆ اس لئے افواہوں کو جنم دینا، ان کو شائع کرنا یہ شرعاً نہایت مذموم اور غیر مہذب اور ناشائستہ عمل ہے، اللہ عزوجل نے واقعات اور خبروں کے بارے میں یہ اصول بتلایا ہے کہ جب کوئی ناقابلِ بھروسہ آدمی کوئی خبر لائے تو جب تک اس کی اچھی طرح تحقیق نہ کرلو اس پر اعتماد نہ کرو۔

اسی کو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ" (۱)

اے ایمان والو! اگر کوئی ناقابل بھروسہ (فاسق) شخص کوئی خبر دے تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، کہ کہیں کسی قوم پر تم ناواقفیت میں حملہ نہ کرو کہ پھر تمہیں اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

اس آیتِ کریمہ سے پتہ چلا کہ بے بنیاد اور بے تحقیق باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے۔

یہ آیتِ کریمہ ایک خاص پس منظر میں نازل ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنو مصطلق کے یہاں جو کہ مسلمان ہوچکے تھے، اپنے نمائندہ ولید بن عقبہ کو بھیجا، جب بنو مصطلق نے حضور ﷺ کے نمائندہ کو دیکھا تو احترام وتوقیر میں ان کے استقبال کیلئے آگے بڑھے اور آبادی سے باہر نکل آئے، ولید نے سوچا کہ یہ لوگ ان کے قتل کے درپے ہیں، چنانچہ وہ وہاں سے واپس آگئے، اور حضور ﷺ کو اطلاع دی کہ وہ تو مرتد ہوگئے اور وہ لوگ ان کے ارادۂ قتل کے لئے شہر سے باہر نکل آئے، حضور ﷺ نے ان سے جہاد کا ارادہ فرمایا، ابھی آپ تیاری کر رہے تھے کہ بنو مصطلق کا وفد آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آپہنچا اور اس نے آکر عرض کیا کہ: آپ ﷺ کے قاصد آرہے تھے، ہم ان کو زکوۃ ادا کرنے اور ان کے استقبال کیلئے آگے بڑھے تو وہ یہ سمجھ کر وہاں سے الٹے پاؤں واپس ہوئے کہ ہم ان سے جنگ کیلئے نکلے ہیں، ان کی یہ سوچ غلط تھی۔ (۲)

---

(۱) الحجرات: ٦

(۲) قرطبی: ١٦/٣١١

ان صحابی نے دانستہ طور پر نہیں، بلکہ غلط فہمی کی بنیاد پر یہ رائے قائم کر لی تھی کہ وہ قتل کے ارادہ سے آرہے ہیں، اگر ان کی خبر کی بنیاد پر اس قوم پر حملہ کیا جاتا تو کس قدر نقصان ہوتا جہاں افواہیں بالقصد وارادہ پیدا کی جاتی ہیں اس سے کس قدر نقصان ہوسکتا ہے؟

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اس آیتِ کریمہ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے، کیونکہ اس آیت میں ایک قرأت "فتبتو" کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو؛ بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ (۱)

☆ ہر سنی سنائی بات پر اعتماد اور یقین نہ کیا جائے، افواہوں کے پھیلنے کے اسباب میں سے ان سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرنا بھی ہے، لوگ ہر سنی سنائی بات کے پھیلانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے، یہ خدا سے بے خوفی کی علامت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے گناہ گار ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی ہو بات کو نقل کر دے "كفى بالمرء اثما أن يحدث بكلّ ما سمع" (۲)

ان سنی ہوئی باتوں پر یقین کرنے کے نتیجے میں جو فساد اور بگاڑ معاشرہ میں ہوتا ہے، اس کا اندازہ واقعہ "افک" سے لگایا جاسکتا ہے، کہ کچھ بیمار ذہن منافقین نے امت کی ماں حضرت عائشہؓ پر تہمت لگادی، بعض سادہ لوح، مخلص مسلمان بھی ان کی افواہوں پر یقین کر بیٹھے، اس غلط تہمت اور افواہ کے نتیجے میں جو انتشار اور افراتفری کا ماحول مدینہ میں ہوا اور جو کلفت اور اذیت ذاتِ نبوی ﷺ کو ہوئی، یہ سب سنی سنائی باتوں پر یقین کا نتیجہ تھا۔

---

(۱) معارف القرآن: ۸/۱۱۴

(۲) مسلم: باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، حديث: ۵

☆ افواہیں عموماً سینہ بسینہ پھیلتی ہیں اور سرگوشیوں، نجی محفلوں کی شکل میں رواج پاتی ہیں، اس لئے قرآن مجید نے سرگوشیوں کو ناپسند کیا" لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِنْ نَجْوٰهُمْ"(۱)

☆ کسی بھی خبر کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ یا تو انسان اس کی خود تحقیق کرے، یا ایسے سمجھدار، معاملہ فہم، اور زمانہ آگاہ لوگوں سے رجوع کرے جو مناسب طریقے پر اس کی تحقیق کرنے کے بعد کوئی صحیح قدم اٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب ان کو امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں، اگر وہ رسول ﷺ اور اپنے میں سے ذمہ دار لوگوں تک پہنچا دیتے تو اسے وہ جان لیتے جو ان میں سے بات کی تہہ تک پہنچ کر نتیجہ اخذ کر سکتے ہوں، اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کی پیروی کرنے والے ہو جاتے " وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ " (۲)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ عزوجل نے یہ اصولی بات بتا دی ہے کہ: سنی سنائی بات پر اعتماد نہ کرے، اگر خود تحقیق کی صلاحیت رکھتا ہو تو تحقیق کرے ورنہ اس کی صلاحیت رکھنے والوں سے رجوع کرے اور کسی بھی بات کو بلا تحقیق بیان نہ کرے؛ بلکہ خود اس پر یقین کرنے سے گریز کرے۔

---

(۱) النساء: ۱۳

(۲) النساء: ۸۳

تمباکو نوشی: مضرِ صحت اور غیر شرعی عمل

تمباکو خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو، سگریٹ، بیڑی، پان، گھٹکا، صحت کیلئے سخت نقصاندہ اور اذیت رساں ہے، عالمی صحت تنظیم کی رپورٹ کے مطابق ہر سال تمباکو خوری کی وجہ سے تقریباً ۳۰ ر لاکھ افراد لقمۂ اجل بنتے ہیں، جن میں سے ۲ ر لاکھ اموات کا تعلق ترقی یافتہ ممالک سے ہے، یہ بیسویں صدی کے دسویں دہے کے وسط کی رپورٹ ہے، اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر تمباکو نوشی کا یہی رجحان رہا تو ۲۰۲۵ء تک دنیا بھر میں سالانہ ایک کروڑ اموات ہوسکتی ہیں، یہ ایسا بھیانک خطرہ ہے جو کسی خون ریز جنگ کے خطرے سے بڑھ کر ہے۔

چین اور امریکہ کے بعد تمباکو کی سب سے زیادہ کاشت ہمارے ملک ہندوستان میں ہوتی ہے، حکومت کو تمباکو کے ٹیکس سے سالانہ ایک ارب پچاس کروڑ ڈالر ملتے ہیں، ایک اندازہ کے مطابق ہمارے ملک میں ۵۲ ر کروڑ کیلو گرام تمباکو پیدا کیا جاتا ہے، اس میں سے نصف مقدار برآمد کردی جاتی ہے، اور باقی ہندوستان میں مختلف صورتوں میں استعمال ہوتی ہے، ۱۵ ر لاکھ انسان تمباکو اگاتے ہیں، ۱۰ ر لاکھ تمباکو فارم ہیں، جس میں ۵۰ ر لاکھ افراد کام کرتے ہیں۔

۱۹۶۴ء میں امریکہ کی ایک تنظیم کی جانب سے دو سالہ تحقیقات کا نتیجہ پیش کیا گیا جس میں بتایا گیا کہ امریکی مردوں میں ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء تک پھیپھڑے کے کینسر کے مریضوں میں ستر فیصد شرحِ اموات کا اضافہ ہوگیا ہے، امریکہ میں جو تمباکو کو جنم دیتا ہے، تمباکو نوشی کی روک تھام کیلئے بہت سی کوششیں کی گئیں، سب سے پہلے امریکہ ہی میں ۱۹۶۶ء میں سگریٹ کے پیکٹوں پر تمباکو کے مضرِ صحت ہونے کی عبارت لکھنی لازم قرار دی گئی اور یکم جنوری ۱۹۶۶ء میں

اس کا نفاذ ہوا، یکم جنوری ۱۹۷۱ء سے سگریٹ کا اشتہار ٹی وی پر بند کر دیا گیا، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود صورتحال یہ ہے کہ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں ۱۹۹۱ء میں تمباکونوشی کی وجہ سے ساڑھے تین لاکھ افراد کی موت واقع ہوئی اور خود ہندوستان میں ہر سال آٹھ لاکھ افراد تمباکونوشی کی وجہ سے لقمۂ اجل بنتے ہیں۔

دنیا میں اس وقت جو مشہور مذاہب پائے جاتے ہیں، ان سب کے مذہبی پیشواؤں نے تمباکونوشی کی مذمت کی ہے، ہندو مذہبی کتابوں میں بھی اس کی ممانعت کی گئی ہے، سکھوں کے دسویں گرو گرو بن سنگھ نے تو اپنے متبعین کیلئے تمباکو کی بہت ہی سخت ممانعت کی ہے جس پر سکھ فرقہ کا عمل ہے۔

☆ اسلامی نقطۂ نظر سے وہ چیزیں حلال ہیں جو پاک اور طیب ہیں اور جو خبیث ہیں وہ حرام ہیں، "يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ" (۱)

خبیث سے ایسی چیزیں مراد ہیں، جن کو سلیم الطبع طبیعتیں ناپسند کرتی ہوں "تستخبثه الطباع السليمة وتنفر منه" (۲)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ تمباکو کی ہر صورت عموماً اور گھٹکے کی یہ نئی شکل خصوصاً ثقہ اور شریف لوگوں کی نگاہ میں نہایت ناپسندیدہ اور مذموم ہے۔

☆ تمباکو کا استعمال یہ انسانوں کو کینسر وغیرہ مہلک بیماریوں میں مبتلا کرتا ہے، اس کی وجہ سے جان کے چلے جانے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے، اور اللہ عزوجل انسان کو ایسی چیزوں سے احتراز کا حکم کرتا ہے، جو اس کیلئے ہلاکت کا باعث ہوں "لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" (۳)

☆ اسی طرح کی مضرِ صحت چیزوں سے انسان کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، نہ بھوک پیاس مٹتی ہے نہ دل ودماغ کو قوت ملتی ہے، نہ طاقتِ جسمانی حاصل ہوتی ہے، بلکہ یہ خود ہزارہا بیماریوں کی

---

(۱) الاعراف : ۱۵۷

(۲) التفسير الوجيز للزحيلي: ۱۷۱

(۳) البقرة : ۱۹۵

جڑ ہے، اور انسان کو اپنے خون پسینے سے کمائی ہوئی دولت کو بیکار، بے فائدہ خرچ کرنا پڑتا ہے جو اسراف کے قبیل سے ہے اور اسراف وفضول خرچی شرعاً ناپسندیدہ چیز ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ”لا تُسرفوا“ (۱)

بلکہ فضول خرچی کرنے والے کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے ”اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنَ“ (۲)

☆ ایسے ہی ہر وہ چیز جو مضرِ صحت اور جسم کو کمزور کرنے والی اور نشہ آور ہو، اس کے استعمال کو شریعت نے منع کیا ہے ”نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كلّ مسكر ومفتر“ (۳)

آپ ﷺ نے ہر نشہ آور اور جسم کو کمزور کرنے والی چیز کے استعمال سے منع فرمایا ہے) گھٹکھا بھی نشہ آور اور مضر صحت چیزوں میں سے ہے، اور شریعت کا اصول ہے کہ ”لا ضرر ولا ضرار“ گھٹکھا اور سگریٹ وغیرہ جہاں خود اپنے لئے نقصاندہ ہیں وہیں اس کا دھواں دوسروں کو بھی نقصان میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس لئے بعض فقہاء نے تمباکو کو حرام اور بعض نے مکروہ تحریمی کہا ہے، علامہ علاء الدین الحصکفی لکھتے ہیں: ”وكذا تحرم جوزة الطيب وكذا النتن الذي شاع في زماننا ولا سيّما نهى ولي الأمر نصره الله“ (۴)

تمباکو، سگریٹ اور گھٹکھے کے نقصاندہ، مضر صحت ہونے کی وجہ سے کم از کم مکروہ تحریمی قریب بحرام ہونا چاہئے، چونکہ اس کے استعمال سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے۔

---

(۱) الانعام: ١٤١

(۲) الاسراء: ٢٧

(۳) ابوداؤد: باب النهي عن المسكر، حديث: ٣٦٨٦، علامہ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے
فتح الباری: باب الخمر من العسل: ١٠/٤٤

(۴) الدر المنتقی علی هامش مجمع الانهر: ٢/٥٣٢، کتاب الأشربة

کھیل کود اور تفریحِ طبع کے احکام

☆ اس موضوع کے سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لینا نہایت ضروری ہے کہ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ وہ قیمتی لمحات ہیں جو کسی کے روکنے سے نہیں رکتے اور سکنڈوں، منٹوں، گھنٹوں اور دنوں کی شکل میں تیزی سے ختم ہوتے جارہے ہیں، انسان اپنے ان لمحاتِ زندگی کو صحیح صرف کرے تو دنیا وآخرت کی فلاح نصیب ہوجاتی ہے، اور اگر خدانخواستہ ان قیمتی لمحات کو ضائع کردے تو دنیا وآخرت کا خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

اللہ عزوجل نے مومنینِ کاملین کی جہاں اعلیٰ صفات ذکر کی ہیں، ایک صفت ان کی یہ بھی ذکر کی ہے "وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ" (۱) اور یہ وہ لوگ ہیں جو لغو (فضولیات) باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

اسی طرح سورۃ الفرقان میں اللہ عزوجل کے خاص بندوں کی صفات کے ذکر میں فرمایا "وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا" (۲) یعنی جب یہ لوگ لغو یعنی فضول باتوں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔

☆ وہ لہو ولعب اور کھیل کود جو انسان کو بالکل دنیا وآخرت سے غافل کردے اس سے شریعت نے منع کیا ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری ہے: "اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ" (۳) کیا بستیوں والے اس سے بے فکر ہوگئے ہیں کہ ہمارا عذاب اُن پر دِن چڑھے اس حالت میں آپہنچے کہ وہ کھیل رہے ہوں۔

---

(۱) المؤمنون : ۳ (۲) الفرقان : ۲ (۳) الأعراف : ۹۸

" وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ " (۱) اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل کود اور تماشا بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے، آپ قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہیے، کہیں کوئی جان اپنے کئے میں گرفتار نہ ہو جائے۔

اور یہ بھی اللہ عز وجل کا ارشاد ہے " قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ " (۲) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی دینے والا ہے۔

☆ لیکن اس لہو ولعب اور لغویات کی ممانعت کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ اسلام میں تفریح کی بھی بالکل ممانعت ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ تفریح جسکے ٹھیک ٹھیک معنی فرحت حاصل کرنے اور جسم وروح کو فرحت پہنچانے کے ہیں وہ اسلام میں نہ صرف جائز بلکہ شرعاً ایک حد تک مستحسن اور مطلوب ہے؛ تاکہ اس تفریح کے ذریعہ جسم وروح کا کسل اور طبعی ملال دور ہوکر دوبارہ طبیعت میں نشاط، چستی، حوصلہ، ہمت اور اُمنگ پیدا ہو۔

اسلام نے با مقصد تفریح جو سستی اور کاہلی کو دور کردے اور چستی اور فرحت کا باعث بنے اس کا ثبوت ان روایات سے ہوتا ہے:

۱۔ عید کے دن کچھ حبشی لوگ ڈھال اور نیزوں سے کھیل رہے تھے وہ حضور ﷺ کو دیکھ کر جھجکے، آپ ﷺ نے فرمایا: " خُذوا یا بنی أرفدة حتی تعلم الیهود والنصاری أنّ فی دیننا الفسحة " اے حبشی بچو! کھیلتے رہو تاکہ یہود ونصاری کو پتہ چل جائے کہ ہمارے دین میں وسعت ہے۔ (۳)

☆ اور بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: یعنی کھیلتے رہو؛ کیونکہ میں

---

(۱) الانعام: ۷۰

(۲) الجمعة: ۱۱

(۳) مسند الحمیدی: احادیث عائشة، حدیث: ۲۵۴

اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تمہارے دین میں سختی نظر آئے " الهووا فانّي أكره أن يرى في دينكم غلظة " (۱)

☆ عید کے دن کچھ بچیاں کھیل رہی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں روکنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! انہیں چھوڑ دو، یہ عید کا دن ہے، تاکہ یہود کو معلوم ہو کہ ہمارا دین گنجائش والا دین ہے، " أنّ ديننا فسحة " کیونکہ مجھے ایسی شریعت دے کر بھیجا گیا ہے جو افراط وتفریط سے یکسو اور آسان تر ہے۔ (۲)

☆ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: " القلب تملّ كما تملّ الأبدان فاطلبوا لها طرائق الحكمة " یعنی دل اسی طرح اکتانے لگتا ہے جیسے بدن تھک جاتے ہیں تو اس کے لئے حکمت کے راستے تلاش کیا کرو۔ (۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے کسی صحابی کو مغموم دیکھتے تو دل لگی کے ذریعہ اسے خوش فرماتے " كان النبي يسرّ الرجل من أصحابه اذا راٰه مغمومًا بالمداعبة " (۴)

☆ اسلام میں پسندیدہ کھیل تیراندازی، گھوڑ سواری، نشانہ بازی، تیراکی، پیدل دوڑ وغیرہ ہیں۔

۱۔ اسلام کا ایک پسندیدہ کھیل نشانہ بازی بھی ہے، قرآنِ کریم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے " وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ " (۵) اے مسلمانو! تمہارے بس میں جتنی قوت ہو، اسے کافروں کیلئے تیار کر کے رکھو۔

---

(۱) شعب الایمان: الحادی والأربعون من شعب الایمان، حدیث: ٦٥٤٢

(۲) مسند احمد: حدیث السید عائشة رضی الله عنها، حدیث: ٢٤٨٩٩، محقق شعیب الارنوط نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۳) مکارم الاخلاق: ۵۹/۲

(۴) مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب عشرة النساء: ٥/٢١٢٢، دار الفكر، بيروت

(۵) الانفال: ٦٠

مسلم شریف کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس ''قوت'' کی تفسیر ''رمی'' سے آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: '' اَلَا أنّ القوّة فالرمی ، اَلَا أنّ القوّة فالرمی ، اَلَا أنّ القوّة فالرمی '' یعنی خبردار قوت پھینکنا ہے، بلاشبہ قوت پھینکنا ہے، بلاشبہ قوت پھینکنا ہے۔ (۱)

یہ پھینکنے میں جس طرح تیر کا پھینکنا داخل ہے، اسی طرح گولی نشانہ پر پھینکنا، راکٹ، میزائل، بم کو ٹھیک ٹھیک نشانہ تک پہنچانا بھی داخل ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں:

جس نے نشانہ بازی سیکھی اور پھر اُسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں نہیں '' من علم الرمی ثمّ ترکه فلیس منا أو قد عصی '' (۲)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ کنکریوں سے نشانہ لگا رہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: کنکر بازی نہ کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کنکریاں پھینکنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: اس سے نہ شکار ہو سکتا ہے، نہ دشمن زخمی ہوتا ہے، ہاں یہ کنکریاں کسی کا دانت توڑ دیتی ہیں اور کسی کی آنکھ پھوڑ دیتی ہیں '' انّه لا یصاد به صید ولا ینکأ به عدو ولکنها قد تکسر السن وتفقأ العین '' (۳)

چنانچہ اس سے کبوتر بازی، غلیل بازی کی مذمت معلوم ہوئی۔

دفاع میں معاون کھیل مثلاً کشتی کھیلنا، کراٹے کھیلنا، لاٹھی چلانا، مکا مارنا، یہ سب کھیل درست ہیں، البتہ ان کھیلوں میں بے ستری نہ ہو اور لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط نہ ہو۔

۲۔ سواری کی مشق

یہ اسلام کا دوسرا پسندیدہ کھیل ہے، جو جہاد میں کام آسکے، اس میں جسم کی پوری ورزش کے ساتھ انسان میں مہارت، ہمت، جرأت اور بلند حوصلگی جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں۔

---

(۱) مسلم : باب فضل الرمی، حدیث: ۲۹۱۷

(۲) مسلم : باب فضل الرمی والحث علیه، حدیث: ۱۹۱۹

(۳) بخاری : باب الحذف والبندقة، حدیث: ۲۱۶۲

ارشادِ باری عزوجل ہے ”وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ“ اور ان کافروں سے مقابلہ کیلئے جس قدر تم سے ہوسکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو۔

۳۔ تیراکی کی مشق

تیرنے کی مشق بھی وہ بہترین جسمانی ورزش ہے جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے، اس سے جہاں جسمانی قویٰ مضبوط ہوتے ہیں اور بوقتِ ضرورت دوسروں کی جان بچانے میں اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

کنز العمال میں حدیث اس طرح مروی ہے: یعنی کوئی کھیل ایسا نہیں جس میں رحمت کے فرشتے اترتے ہوں سوائے تین کے:

۱۔ مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا۔
۲۔ گھوڑا دوڑانا۔
۳۔ تیراندازی ”ما تشهد الملئكة من لهوكم الا الرهان والنضال“ (۱)

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ”مومن کا بہترین کھیل تیراکی ہے اور عورت کا بہترین کھیل سوت کاتنا ہے“ ”خير لهو المؤمن السباحة ، وخير لهو المرأة المغزل“ (۲)

۴۔ اپنی صحت وقوت کے مطابق ہلکی یا تیز دوڑ وہ بہترین جسمانی ورزش ہے جس کی افادیت پر سارے اطباء اور ڈاکٹر متفق ہیں۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں چلے جارہے تھے، ہمارے ساتھ ایک انصاری نوجوان بھی تھا، جو پیدل دوڑ میں کبھی کسی سے مات نہ کھاتا تھا،

---

(۱) کنز العمال: اللهو المباح، حدیث: ٤٠٦١٥

(۲) کنز العمال: باب اللهو المباح، حدیث: ٤٠٦١١

وہ راستہ میں کہنے لگا: ہے کوئی جو مدینے تک مجھ سے دوڑ لگائے؟ ہے کوئی دوڑ لگانے والا؟ میں نے اس سے کہا: تم نہ کسی شریف کی عزت کرتے ہو اور نہ کسی شریف آدمی سے ڈرتے ہو، وہ پلٹ کر کہنے لگا: کہ ہاں! رسول اللہ ﷺ کے علاوہ مجھے کسی کی پرواہ نہیں، سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کے ساتھ دوڑ لگاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، اگر تم چاہو، چنانچہ میں نے اُن سے مدینہ تک دوڑ لگائی اور جیت گیا ” فسبقته الى المدينة “ (۱)

۵- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ میں دوڑ کا مقابلہ ہوا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آگے نکل گئے تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! میں جیت گیا، پھر کچھ عرصہ بعد دوبارہ دوڑ کا مقابلہ ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آگے نکل گئے، تو انہوں نے بھی وہی جملہ دہرایا ”رب کعبہ کی قسم! میں جیت گیا“ فقال عمر : سبقت ورب الكعبة “ (۲)

☆ یہ تو وہ کھیل ہیں جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے، حدودِ شرعیہ کو قائم رکھتے ہوئے ان کھیلوں کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں، مگر ان کے علاوہ کھیلوں کا شرعی حکم جاننے کے لئے درج ذیل تفصیل ملحوظ رہے:

۱- جن کھیلوں کی احادیث و آثار میں صراحتاً ممانعت آئی ہے وہ ناجائز ہیں، جیسے: نرد، شطرنج، کبوتر بازی، اور جانوروں کو آپس میں لڑانا۔

۲- جو کھیل کسی حرام و معصیت پر مشتمل ہوں وہ اس معصیت یا حرام کی وجہ سے ناجائز ہوں گے، مثلاً کسی کھیل میں ستر کھولا جائے یا اس کھیل میں جو کھیلا جائے، یا اس میں مرد و زن کا مخلوط اجتماع ہو یا ساز اور موسیقی کا اہتمام کیا گیا ہو یا اس کھیل میں کفار کی نقالی کی جا رہی ہو۔

---

(۱) مسلم : باب غزوة ذی قرد ، حديث: ١٨٠٧

(۲) كنز العمال: جامع الخلفاء ، حديث: ٤٠٦٨١

۳۔ جو کھیل فرائض اور حقوقِ واجبہ سے غافل کرنے والے ہوں وہ بھی نہ جائز ہوں گے، وہ لہو میں داخل ہو کر عدم جواز کی وجہ بنیں گے، امام بخاریؒ نے ''کتاب الاستیذان'' میں باب قائم فرمایا ہے: ''كل لهو باطل اذا شغله عن طاعة الله '' یعنی ہر لہو جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دے تو وہ باطل ہے یعنی گناہ ہے۔

۴۔ جس کھیل کا کوئی مقصد نہ ہو، بلا مقصد محض وقت گذاری کے لئے کھیلا جائے، وہ بھی ناجائز ہوگا، کیونکہ یہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو ایک ''لغو'' کام میں ضائع کرنا ہے، قرآن حکیم میں کامیاب مؤمنین کی تعریف کرتے ہوئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ '' اور یہ وہ لوگ ہیں جو لغو یعنی فضول باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔(۱)

جن میں یہ خرابیاں نہ ہوں وہ کھیل جائز ہیں:

اس بارے میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنے ایک فتویٰ میں قرآنی آیات، احادیثِ طیبہ اور فقہاء کی عبارات کی روشنی میں اصول تحریر کئے ہیں وہ نقل کئے جاتے ہیں:

(الف) وہ کھیل جس سے دینی یا دنیوی کوئی معتد بہ فائدہ مقصود نہ ہو وہ ناجائز ہیں اور وہی حدیث کا مصداق ہیں۔

(ب) جس کھیل سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ معتد بہ مقصود ہو وہ جائز ہیں، بشرطیکہ اس میں کوئی امر خلافِ شرع ملا ہوا نہ ہو، منجملہ اس کے تشبہ بالکفار (کفار کی نقالی) بھی ہو۔

(ج) کھیل سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ مقصود ہو، لیکن اس میں کوئی ناجائز اور خلافِ شرع چیز مل جائے تو وہ بھی ناجائز ہو جاتا ہے، جیسے تیر اندازی یا گھوڑ سواری وغیرہ جب اس میں قمار (جوے) کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، اور دونوں طرف سے

---

(۱) المؤمنون: ۳

کچھ مال کی شرط لگائی جائے تو وہ بھی ناجائز ہو جاتی ہے، یا کوئی کھیل کسی خاص قوم کفار کا مخصوص سمجھا جاتا ہو وہ بھی ناجائز ہوگا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ گیند کی کھیل خواہ کرکٹ وغیرہ ہو یا دوسرے دیسی کھیل فی نفسہ جائز ہیں، کیونکہ ان سے تفریح طبع اور ورزش مقصود ہوتی ہے، جو دنیوی اہم فائدہ بھی ہے اور دینی فوائد کیلئے سبب بھی، لیکن شرط یہی ہے کہ یہ کھیل اس طرح پر ہوں کہ ان میں کوئی امر خلاف شرع اور تشبہ بالکفار نہ ہو، نہ لباس اور طرز و وضع میں انگریزیت ہو، اور نہ گھٹنے کھلے ہوں نہ اپنے اور نہ دوسروں کے اور نہ اس طرح اشتغال ہو کہ ضروریات اسلام نماز وغیرہ میں خلل آئے، اگر کوئی ان شرائط کے ساتھ کرکٹ، ٹینس وغیرہ کھیل رہا ہے تو اس کیلئے جائز ہے، ورنہ نہیں۔ آج کل چونکہ عموماً یہ شرائط موجودہ کھیلوں میں موجود نہیں، اس بناء پر ناجائز کہا جاتا ہے۔(۱)

کھیل کے بارے میں بنیادی اصول کی وضاحت کرتے حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی فرماتے ہیں:

۱۔ کھیل کھیلنے والے ایسا لباس اختیار کریں جو ساتر ہو یعنی مرد ہو تو ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ڈھکا ہوا ہو، خواتین مردوں کے درمیان نہ کھیلیں، خواتین کیلئے خواتین کے سامنے پردہ کی حدود وہی ہیں جو مردوں کیلئے ہیں کہ ناف سے گھٹنے تک کا حصہ چھپا ہوا ہو، اس کی رعایت کے بغیر کھیلنا حرام ہے، کیوں کہ حصہ ستر کو چھپانا شرعاً واجب ہے۔

۲۔ ایسا کھیل ہو جو مختصر وقت میں پورا کیا جا سکتا ہو جیسے فٹبال، والی بال، ایسا طویل کھیل نہ ہو جو آدمی کو شرعی فرائض اور اپنی متعلقہ ذمہ داریوں سے غافل کر دے، جیسے شطرنج اور فی زمانہ کرکٹ، ایسے کھیل مکروہ ہیں، لوڈو بھی کراہت سے خالی نہیں۔

۳۔ ایسا کھیل نہ ہو جو اپنے یا دوسروں کیلئے ایذا رسانی کا باعث ہو اور جسم کو شدید نقصان پہنچنے کا کافی امکان ہو، جیسے فری اسٹائل کشتی اور باکسنگ وغیرہ، ایسے کھیل بھی جائز نہیں ہیں۔

---

(۱) امداد المفتیین: ۱۰ تا ۱۰۰، طبع کراچی

۴- مردوں کیلئے زنانہ کھیل اور عورتوں کیلئے مردانہ کھیل جیسے کشتی، کبڈی درست نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

۵- کھیل خواہ کوئی بھی ہو، اگر اس میں جوا ہو تو جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ جوا حرام ہے۔

۶- ایسے کھیل جس سے جسمانی ریاضت ہوتی ہو، جو صحتِ جسمانی کیلئے مفید ہو، اور جس سے انسان کے اندر قوت مدافعت بہم پہنچتی ہو مستحب ہے، اور اسلام ایسے کھیل کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

☆ دورِ حاضر کے چند معروف کھیل یہ ہیں:

۱- کرکٹ: یہ ہمارے یہاں کا معروف اور مقبول کھیل ہے، اس میں وقت کا ضیاع بہت ہوتا ہے، یہ حقیقی مسائل سے غفلت پیدا کرتا ہے، کیرم بورڈ، اور لوڈو وغیرہ شطرنج کی طرح غیر مناسب کھیل ہیں۔

۲- ہاکی، فٹ بال، والی بال، لان ٹینس، بیڈمینٹن، اور ٹیبل ٹینس، ان کھیلوں میں پیسہ اور وقت کم خرچ ہوتا ہے۔ اس کھیل کو شرعی امور کی رعایت کے ساتھ کھیلا جائے تو درست ہے، محض تماشہ بیں کی حیثیت سے دیکھنا وقت کا ضیاع ہے۔

۳- کبوتر بازی: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک کبوتر کے پیچھے دوڑ رہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک شیطان دوسرے شیطان کے پیچھے بھاگ رہا ہے "شيطان يتبع شيطانا" (۱)

اس میں مشغولیت سے نماز اور دیگر حقوق کی ادائیگی سے غفلت ہوتی ہے، دوسروں کے کبوتر لینا ظلم ہے، اور گھروں پر چڑھنے سے بے پردگی ہوتی ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب اللعب بالحمام، حديث: ٤٧٣٧، منذری کہتے ہیں کہ: اس کی سند میں محمد بن علقمہ اللیثی ہیں اور ان سے مسلم نے استشہاد کیا ہے اور ان کی یحییٰ بن معین نے توثیق کی ہے: عون المعبود: باب في اللعب بالحمام: ١٣/١٩٤

۴۔ **مرغ بازی، بٹیر بازی:** دیہاتوں میں جانوروں کو آپس میں لڑانے کی تفریح ہوتی ہے، یہ لڑانا ناجائز ہے، خوامخواہ جانوروں کو تکلیف دینا اور وقت کا ضیاع ہے، اس میں بہت سے مفاسد ہیں اور حضور ﷺ نے جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع کیا بھی ہے " نهى رسول الله عن التحريش بين البهائم " (۱)

۵۔ **پتنگ بازی:** بعض جگہوں پر خاص موسم میں اس کھیل کا رواج ہے:

پتنگ کے پیچھے دوڑنا اس کا وہی حکم ہے جو کبوتر کے پیچھے دوڑنے کا ہے جس میں حضور ﷺ نے دوڑنے والے کو شیطان کہا ہے "شيطان يتبع شيطانا " (۲)

اس کے علاوہ دوسروں کے مال (پتنگ) کو لوٹنا، دوسرے کی پتنگ کاٹ کر اس کو نقصان پہنچانا، بے پردگی، چھت پر سے گرنے پر جان کا نقصان، پتنگ بازی اور خریداری میں بے جا روپیوں کا خرچ، اس کی وجہ سے یہ کھیل ناجائز ہے۔

۶۔ **گانا سننا:** وقتی تفریح طبع کیلئے اچھے اشعار پڑھ لینا نہ صرف جائز بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحینؒ کا عمل ہے، مگر گانا بجانا جس میں آلاتِ موسیقی استعمال کئے جائیں یا نامحرم عورت کی آواز ہو، یہ نہ صرف حرام ہے بلکہ حضور ﷺ کی بعثت کے مقصد کے خلاف بھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے مومنین کی ہدایت اور رحمت کیلئے بھیجا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں باجوں اور تانتوں کو مٹاؤں اور صلیب اور جاہلیت کے رسوم کو ختم کروں " وبعثني لمحق المزامير والمعازف وأمر الجاهلية والأوثان" (۳)

---

(۱) ترمذی: باب كراهية التحريش بين البهائم، حدیث: ۱۷۰۹، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو مجاھد سے متصلا اور مرسلا روایت کیا ہے اور مرسل ہی زیادہ صحیح ہے۔

(۲) ابوداود: باب اللعب بالحمام، حدیث: ۴۷۳۷، منذری کہتے ہیں کہ: اس کی سند میں محمد بن علقمہ اللیثی ہیں اور ان سے مسلم نے استشہاد کیا ہے اور ان کی یحیی بن معین نے توثیق کی ہے: عون المعبود: باب في اللعب بالحمام: ۱۳/۱۹۴

(۳) كنز العمال: من فضائل متفرقة، حديث: ۳۲۰۹۶

۷- حضور ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ عذاب قیامت کے دن تصویر بنانے والے کو ہوگا ”ان أصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيامة ويقال لهم احيوا ما خلقتم “ (۱)

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری طرح (یعنی اللہ کی طرح) تخلیق کرنے لگا (وہ کسی جاندار کی تخلیق تو کیا کرسکتا؟) ذرا ایک دانہ اور ذرہ تو بنا کر دکھاوے ” ومن أظلم ممن ذهب يخلق كخلقه فليخلقوا ذرة أو ليخلقوا حبة أو شعيرة “ (۲)

البتہ پاسپورٹ وغیرہ (مثلاً شناختی کارڈ) کی شدید ضرورت کیلئے فوٹو کھنچوانے کی اجازت ہے۔

۸- فلم بینی: فلم بیک وقت کئی گناہِ کبیرہ کا مجموعہ ہوتا ہے:

الف: تصویر کشی: یہ ناجائز اور حرام ہے۔

ب: گانا بجانا: یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔

ج: رقص اور ناچ

د: نامحرم کو دیکھنا۔

ہ: مرد و عورت کا اختلاط و مخرب اخلاق مناظر جن کا بیان کرنا اور جن کی اشاعت ناجائز اور حرام ہے چہ جائیکہ ان مناظر کی باقاعدہ تصویر کشی ہو، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ “ (۳) جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو، ان کیلئے دنیا و آخرت میں سزائے دردناک ہے۔

ز: علاوہ ازیں مجرمانہ ذہنیت سازی بھی ان فلموں کی دین ہے، جو نوجوان نسل میں مجرمانہ ذہنیت پیدا کر کے ملک کے اندر جرائم پھیلانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

---

(۱) بخاری: کتاب اللباس، باب قول الله تعالى: والله خلقكم وما تعملون، حدیث: ۷۱۱۹

(۲) بخاری: کتاب اللباس، باب قول الله تعالى: والله خلقكم وما تعملون، حدیث: ۷۱۲۰

(۳) النور: ۱۹

بڑا عجیب زمانہ ہے کھیل نہ صرف ذریعہ تجارت؛ بلکہ مقصد حیات بن چکا ہے، ملک اور قوم کھیل کے میدان میں اپنی ٹیم کے جیتنے کو اپنی سربلندی کا ذریعہ سمجھ رہی ہے، ایشیائی ممالک تو بالخصوص دو دو دن، تین تین دن کے لمبی مدت والے کھیل کھلا کر امتحانات کے دنوں میں اور تعلیمی ایام میں اپنی نوجوان نسل کا نقصان کر رہے ہیں (جیسے کرکٹ) جبکہ یورپ کے کھیل مختصر ہوتے ہیں (باکسنگ) اور یورپی ممالک کے ایام تعطیل میں کھیلے جاتے ہیں، سائنسدانوں، دانشوروں، قوم وملک کے خادموں کی وہ ہمت افزائی، مدح سرائی نہیں ہوتی جو کھلاڑیوں اور رقصاؤں کی ہو رہی ہے، یہ عقل وفہم کا دیوالیہ پن ہی تو ہے کہ کھیل کے ذریعے سے دنیا کے چند تاجر اپنی مصنوعات کو پھیلانے کا ذریعہ بنا رہے ہیں، کوکا کولا، پیپسی جیسے چند تاجروں کی چھاپ دنیا بھر پر بٹھا رہے ہیں اور اس کیلئے ساری عوام آلۂ کار بنتی جا رہی ہے۔

شاعری: آداب واحکام

☆ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں اور اس سے پہلے بھی شعروشاعری عام تھی اور شاذ ونادر ہی ایسے لوگ تھے جو اس کا ذوق نہ رکھتے ہوں، لیکن خود حضور ﷺ کو اس سے بالکل مناسبت نہیں تھی، بلکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیتِ الٰہی نے خاص حکمت کے تحت آپ ﷺ کو اس سے بالکل محفوظ رکھا سورہ یٰس میں فرمایا گیا ہے: "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ "(۱) ہم نے آپ ﷺ کو شعروشاعری کا علم نہیں دیا اور وہ ان کیلئے مناسب اور سزاوار نہیں تھا۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ، اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ، وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (۲) اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں، اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ لوگ (خیالی مضمون کے) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔

اور ان شاعروں کا حال یہ ہے کہ بے راہ اور بدچلن لوگ ہی ان کی راہ چلتے ہیں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور وہ جو نہیں کرتے وہ کہتے ہیں۔

☆ جو شاعری اچھی ہے وہ اچھی ہے اور جو بری ہے بری ہے:

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے شعروشاعری کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا وہ مطلقاً قابلِ مذمت ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا نہیں ہے، بلکہ اگر شعر کا مضمون اچھا ہے تو وہ اچھا ہے اور اگر وہ برا ہے تو وہ برا ہے۔

---

(۱) یٰس: ٦٩

(۲) الشعراء: ٢٢٥

اشعار میں عورتوں کا اور ان کے حسن وجمال کا اس طرح ذکر جس سے سفلی جذبات غیر معتدل ہوجائیں جائز نہیں، البتہ اگر مطلق عورت کے اوصاف بیان کئے جائیں، زندہ عورت کے نہیں اور یہ اشعار جذبات کو برانگیختہ کرنے والے نہ ہوں تو جائز ہے۔ (۱)

☆ البتہ بعض وہ اشعار جو پرحکمت اور موعظت اور نصیحت پر مشتمل ہوتے ہیں ان اشعار کو حضور پاک ﷺ نے حکیمانہ اشعار قرار دیا ہے۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: بعض شعر (اپنے مضمون کے لحاظ سے) سراسر حکمت ہوتے ہیں "اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَةً" (۲)

☆ آپ ﷺ نے بعض زمانۂ جاہلیت شعراء کے اشعار کو پسند فرمایا اور ان کے سنانے کا مطالبہ کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید بن ربیعہ شاعر کی بات (یعنی یہ مصرعہ) ہے "اَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلُ" آگاہی ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ (۳)

یہ لبید زمانۂ جاہلیت کا مشہور ومقبول شاعر تھا، لیکن اس کی شاعری اُس زمانہ میں بھی خدا پرستانہ اور پاکیزہ تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس کے مصرعہ "أَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلُ" کو "شعری دنیا کا سب سے سچا کلمہ" فرمایا ہے، یہ اس لئے کہ یہ قرآن مجید کے اس ارشاد کے بالکل ہم معنی ہے "كُلُّ شَيْئٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" اس کے ساتھ اس کا دوسرا مصرعہ ہے "وَكُلُّ شَيْئٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلُ" (یعنی یہاں کی ہر نعمت ایک دن ختم ہوجانے والی ہے) لیکن قبول اسلام کے بعد وہ کہا کرتے تھے "يَكْفِينِي الْقُرْآنُ" (بس اب قرآن میرے لئے کافی ہے)۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية : ۳۵۱/۵

(۲) بخاری : باب ما یجوز من الشعر، حدیث: ۵۷۹۳

(۳) بخاری : باب أيام الجاهلية ، حديث: ۳۶۲۸

حضرت عمرو بن شرید اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ: میں ایک دن (سفر میں) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آپ ہی کی سواری پر تھا، آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں امیہ کے کچھ شعر بھی یاد ہیں، میں نے عرض کیا: ہاں یاد ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: سناؤ، تو میں نے ایک بیت آپ ﷺ کو سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا: اور سناؤ، میں نے ایک اور بیت سنایا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: اور سناؤ، میں نے سو بیت (اشعار) سنائے، اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ امیہ اپنے اشعار میں اسلام سے بہت قریب ہوگیا تھا، "لقد کاد یُسلم فی شعرہ" (۱)

☆ آپ ﷺ نے کبھی کبھی بے ساختہ مقفیٰ مسجع جملے بطورِ اشعار کہے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر حضور ﷺ خندق سے مٹی منتقل کر رہے تھے، آپ ﷺ کا پیٹ مٹی سے اٹا ہوا تھا اور زبانِ مبارک پر یہ شعر تھے:

وَاللّٰهِ لَوْ لَا اللّٰهُ مَا هْتَدَيْنَا   وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
اللہ کی قسم! اگر اللہ کی ذات نے رہنمائی نہ کی ہوتی تو
ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے، نہ خیرات کرتے، نہ نماز پڑھتے۔

فَاَنْزِلْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا   وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَا قَيْنَا
اے اللہ! ہم پر سکینت نازل فرما اور کافروں سے جنگ میں ہمیں ثابت قدم فرما۔

اِنَّ الْاُوْلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا   اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا (۲)

ان کافروں نے ہم پر چڑھائی کیا ہے، اگر یہ لوگ ہمیں فتنوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کریں کہ (یعنی اسلام سے پھیرنے کی) تو ہم انکار کریں گے۔

---

(۱) مسلم: کتاب الشعر، حدیث: ۲۲۵۵

(۲) بخاری: باب حفر الخندق، حدیث: ۲۶۸۲

اسی غزوۂ خندق کے موقع سے جب انصار جوش میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدَا   عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا (۱)

ہم لوگ وہ ہیں جنہوں نے حضرت محمد ﷺ سے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک کہ ہم زندہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةِ   فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ
اے اللہ آخرت کے سوا کوئی زندگی نہیں   انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما (۲)

ایک غزوہ کے موقع سے آپ ﷺ کی انگلی زخمی اور خوں آلود ہوگئی تھی تو اس موقع سے ارشاد فرمایا تھا:

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ   وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَابَقِيْتِ
اے انگلی! تو اللہ کے راستہ میں زخمی اور خون آلود ہوئی
کوئی بڑی آزمائش سے دوچار نہیں ہوئی۔ (۳)

یہ اس طرح کے مصرعے جو زبانِ مبارک سے جاری ہوئے یہ شعر گوئی کا مصداق نہیں، بلکہ بے ارادہ و بے تکلف اور بے ساختہ فقرے ہیں جو موزوں ہوگئے ہیں۔ (۴)

البتہ آپ کے متعدد صحابہ جیسے حضرت علی، حضرت حسان، حضرت کعب، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم وغیرہ بلند پایہ شعراء میں سے تھے، اور ان کے سامنے ہمیشہ اسلام کی سربلندی ہوا کرتی تھی، اس لئے فقہاء نے مباح اشعار پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

اگر آدمی دوسرے بہتر اور ضروری کاموں کو چھوڑ کر مشقِ سخن میں لگا رہے تو یہ بھی مکروہ ہے۔ (۵)

☆ حضراتِ صحابہؓ بھی بسا اوقات اچھے اشعار تفریحِ طبع اور نصیحت وموعظت کیلئے سنتے

---

(۱) بخاری : باب التحريض على القتل، حديث: ٢٦٧٩
(۲) بخاری : باب التحريض على القتل، حديث: ٢٦٧٩
(۳) بخاری : باب من ينكب في سبيل الله، حديث: ٢٠٤٨
(۴) مرقاة المفاتيح : ٦١٣/٤
(۵) الفتاوى الهندية : ٣٥١/٥

حضرت خوات بن جبیر فرماتے ہیں کہ: ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک قافلہ میں حج کیلئے روانہ ہوئے، جن میں حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، راستے میں لوگوں نے فرمائش کی کہ اے خوّات! کچھ اشعار ترنّم میں سناؤ، میں نے اشعار سنائے، کچھ لوگوں نے فرمائش کی کہ ضرار (شاعر) کے اشعار سناؤ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: خوّات کو اپنے دل کی آواز (یعنی اپنے اشعار) سنانے دو، "دعوا أبا عبد الله يتغنى من هنيات فؤاده" يعني من شعره" چنانچہ میں ساری رات اشعار سناتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہونے لگی، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بولے: اے خوّات! اپنی زبان روک لو، کیونکہ اب صبح ہو رہی ہے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن وحدیث کے علوم میں طویل عرصہ تک منہمک رہتے، پھر تفریح طبع کیلئے اپنے ساتھیوں سے فرماتے: آؤ منہ کا ذائقہ تبدیل کریں، چنانچہ اخبار واشعار کا تذکرہ کر کے نشاط حاصل کرتے۔

حضرت ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عطاء بن رباحؒ سے اشعار پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: اگر اشعار فحش نہ ہوں تو میں ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ بلکہ نصیحت اور موعظت کیلئے موزوں اور مقفع اشعار بہت جلد اثر کرتے ہیں۔

☆ آپ ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو کفار کی ہجو میں اشعار کہنے کی ترغیب دی تھی اور آپ ﷺ نے ان کیلئے مسجدِ نبوی میں منبر بچھایا تھا اور فرمایا تھا: اهجم أو هاجمهم (ان پر حملہ کرو، ان پر حملہ کرو) اور فرمایا تھا: اے اللہ! ان کی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ مدد، تائید اور تقویت فرما" اللّٰهم أيده بروح القدس " (۲)

ایک موقع پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ اسلام کی طرف سے مدافعت کے اشعار پڑھ رہے تھے،

---

(۱) کنز العمال: مباح الغناء، حدیث: ٤٠٦٩٧

(۲) مجمع الزوائد: باب هجاء المشركين، حديث: ١٣٣٣٢، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

آپ ﷺ نے ان کیلئے مسجد نبوی میں منبر رکھوائے "كان رسول الله يضع لحسان منبرًا في المسجد يقوم عليه قائمًا يفاخر عن رسول الله أو ينافح " (۱)

☆ اچھے اشعار پر انعام دیا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر عنایت فرمائی تھی، لیکن اشعار پڑھ کر اجرت طلب کرنا اور اس کو ذریعہ معاش بنانا جائز نہیں۔ (۲)

---

(۱) ترمذی: باب انشاد الشعر، حدیث: ۲۸٤٦، امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح غریب کہا ہے۔
(۲) الفتاوی الهندية

رسوم کی مذمت، دلائل ووجوہات

آج انسان نے پیدائش سے زندگی کے آخری مرحلے یعنی موت تک (مہد سے لے کر لحد تک) اتنے رسوم ورواج ایجاد کر لئے ہیں کہ ان کا پیٹ بھرنے کیلئے، لوگوں میں اپنا بھرم رکھنے اور دم خم دکھانے کیلئے خواہی نہ خواہی ان رسوم کو ادا کرنا ہی ہوتا ہے، خواہ اس کی راہ میں کس قدر اپنا دینوی اور اخروی ہر اعتبار سے نقصان ہو جائے، لیکن اپنی شان کو جتانا اور لوگوں میں ان رسوم کی ادائیگی کے ذریعہ اپنا وقار اور اعتبار قائم رکھنا ضروری باور کیا جاتا ہے، خصوصاً شادی بیاہ کے موقع سے اتنی رسوم ادا کی جاتی ہیں الامان والحفیظ۔ ہم نے اس تحریر میں رسوم کی مذمت، دلائل اور وجوہات کی روشنی میں پیش کرنے کوشش کی ہے۔

۱- اسراف اور فضول خرچی:

دین اسلام تو وہ مذہب ہے جو ہر موقع سے فضول خرچی سے بچنے، عدل واعتدال کو قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے، اس نے تو مطلقاً فضول خرچی کی مذمت کی ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اسراف نہ کرو، اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ”لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ“ (۱)

ایک موقع سے فضول خرچی سے روکتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ“ (۲) بے ہودہ مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں، یعنی جیسے شیطان نے عقل کی دولت کو اللہ کی نافرمانی میں خرچ کیا، یہ لوگ بھی مال کی نعمت کو معصیت میں صرف کر رہے ہیں۔

اسلام فضول خرچی کو نہایت ناپسندیدہ نظر سے دیکھتا ہے اور اس نے ہر باب میں فضول خرچی کو ناپسند کیا ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دنیا میں جو جتنا زیادہ آسودہ ہو کر

---

(۱) الانعام: ۱۴۱ (۲) الاسراء: ۲۷

کھاتا ہوگا، قیامت کے دن وہ اسی قدر بھوکا ہوگا "انّ أكثر النّاس شبعا في الدنيا أطولهم جوعا يوم القيامة" (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کچھ طبیعت چاہے اسے کھا گذرنا اسراف ہی کی ایک صورت ہے "انّ من السرف أن تأكل كلّ ما اشتهيت" (۲)

اور ایک روایت میں فرمایا: کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو؛ البتہ فضول خرچی نہ ہو اور تکبر نہ ہو "كلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا ما لم يخالطه اسراف أو مخيلة" (۳)

نہ صرف کھانا، پینا اور پہننا اوڑھنا؛ بلکہ دینی امور میں بھی آپ ﷺ نے فضول خرچی کو پسند نہیں فرمایا، ثابت بن قیس نامی ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک دن پانچ سو کھجور کے درختوں کے پھل کاٹے اور اسی دن پورے تقسیم کردیے، اہل وعیال کیلئے کچھ نہیں رکھا، تو آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا اور اسی موقع سے حکم ربانی نازل ہوا "ولا تسرفوا" (۴)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "نعم: وان كنت على نهر جار" ہاں اگر چہ تم بہتی نہر پر ہو۔ (۵)

جو تین مرتبہ کے بجائے چار مرتبہ اپنے اعضاءِ وضو کو دھوئے اس نے ظلم کیا اور حد سے تجاوز کیا "فمن زاد على هذا فقد أساء أو تعدّى وظلم" (٦)

---

(۱) ابن ماجة: باب الاقتصاد في الأكل، حديث: ٣٣٩٤، بوصیری کہتے ہیں کہ: اس کی سند میں سعید بن وراق ثقفی ہیں، ان کی بیشتر لوگوں نے تضعیف کی ہے، اور ان کی ابن حبان اور حاکم نے توثیق کی ہے، اور البانی اس روایت کو حسن کہا ہے۔

(۲) ابن ماجة: باب الاقتصاد في الأكل، ٣٣٩٥، زوائد میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے، چونکہ نوح بن ذکوان نے ضعف پر اتفاق ہے، اور دمیری کہتے ہیں کہ اس حدیث کو منکر کہا گیا ہے۔

(۳) ابن ماجة: حديث: ٣٦٥٠، البانی نے اس رویت کو حسن کہا ہے۔

(۴) الجامع لاحكام القران: ١١٠/٧

(۵) ابن ماجه: باب ما جاء في القصر، حديث: ٢٤٥، بوصیری کہتے ہیں کہ: حیی بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن لہیعہ کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے: مصباح الزجاجة: كتاب الطهارة والسنن: ٢٧/١

(٦) السنن الكبرى للبيهقي: باب كراهية الزيادة على الثلاث، حديث: ٨٧٣، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: یہ حدیث صحیح ہے، اس کو ابوداؤد اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے اور تمام کی تمام سندیں صحیح ہیں: شرح مسلم: باب وجوب غسل الرجلين بكمالهما: ١٢٩/٣

۲- ریاء اور نمود

رسوم اور رواج کی ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اس سے مقصود صرف دکھلاوا اور نمائش ہوتی ہے، عزت کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی بغیر نفع یا نقصان کی امید کے دوسرے کا کام کرے، اور یہ صرف دین کی بنیاد پر ہوسکتا ہے، عہدے یا کرسی یا ظاہری ٹھاٹ باٹ کی بنیاد پر جو اعزاز ہوتا ہے وہ حقیقت میں اس صاحبِ منصب یا مالک ثروت کا احترام نہیں ہوتا؛ بلکہ کرسی اور روپیئے کا ہوتا ہے، اور وہ جب چلا جائے تو ساری واہ واہ اور ختم ہوجاتی ہیں، اس سے بھی آگے حقیقت یہ ہے کہ کرسی اور روپیئے کے سامنے بھی اپنے اغراض کی وجہ سے گھٹنے ٹیک دیئے جاتے ہیں، حقیقی عزت حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت سمیہؓ، حضرت زنیرہؓ، حضرت رابعہ بصریہؒ، حضرت شعوانہ رحمہا اللہ کو ملی، جو صرف غلام تھے، مگر آج ان کے تذکرے قائم و دائم ہیں، ”وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ“ (۱)

ایک قادرِ مطلق ذوالجلال والاکرام کو راضی کرلے یہ آسان ہے، سارے بے دین، خود غرض، خدا و آخرت سے بے خوف لوگوں کو کبھی راضی نہیں کیا جاسکتا ہے جیسا کہ مشہور لطیفہ ہے: باپ بیٹے گدھے کی سواری پر ایک ساتھ بیٹھ گئے، یا دونوں بیٹھ گئے یا دونوں اتر گئے یا باپ بیٹھا یا بیٹا بیٹھا تب بھی لوگوں نے طعنہ دینا نہیں چھوڑا، اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا: من التمس رضا الناس بسخط اللہ وکّله الله الی الناس، ومن التمس رضا الله بسخط الناس كفاه الله مؤنة الناس (۲)

پھر اسی کے مثل ایک ”عبدالرحمٰن“ ہے ”انّ أحبّ أسمائكم الى الله“ (۳)

---

(۱) المنافقون : ۸

(۲) ترمذی: کتاب الزهد: باب منه، حدیث: ٢٤١٤، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے، اس میں ایک شخص کا نام ذکر نہیں کیا، پھر اس کو ایک دوسری سند سے غیر مرفوع طریقے سے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے: الترغیب الترهیب: کتاب القضاء: حدیث: ٣٤٠٤،

(۳) مسلم: باب النهی عن التکنی بأبی القاسم، حدیث: ٢١٣٢، اس روایت کو منذری نے طبرانی کے حوالے سے سندِ جید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کیلئے اللہ کو ناراض کردے تو اللہ عزوجل اس کو لوگوں کے حوالے کردیتے ہیں، جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کو راضی کرنے میں لگ جائے تو اللہ عزوجل لوگوں کی طرف سے اس کیلئے کافی ہوجاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”من سمّع النّاس بعمله ، سمّع اللّٰه به سامع خلقه وصغّره وحقّره“ جو شخص اپنے عمل کو لوگوں کے درمیان مشہور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اس ریاء والے عمل کو اپنی مخلوق کے کانوں تک پہنچادیں گے، (کہ یہ ریاکار ہے) اور اس کو لوگوں کی نگاہ میں چھوٹا اور ذلیل کردیں گے۔(۱)

چنانچہ اور ایک روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من لبس ثوب شهرة فى الدنيا ألبسه اللّٰه ثوب مذلّة يوم القيامة ، ثمّ الهب فيه نارًا“ جس شخص نے میں دنیا شہرت کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ذلت کا لباس پہنا کر اس میں آگ بھڑکادیں گے۔(۲)

ابو نعیم نے ”الحلیۃ“ میں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ: میں نے اپنے کپڑے پہن لئے اور گھر میں چل پھر کر اپنے کپڑوں اور دامن کو دیکھنے لگی کہ اسی دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آمد ہوئی، انہوں نے کہا: اے عائشہ! کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اس وقت اللہ عزوجل کی نظر تمہاری طرف نہیں تھی ”أما تعلمين أن اللّٰه لا ينظر اليك الاٰن“(۳)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہیں پتہ نہیں کہ بندے میں جب دنیا کی بناؤ سنگھار کی وجہ سے خود پسندی آتی ہے تو اس کا رب اس سے ناراض ہوجاتا ہے،

---

(۱) المعجم الكبير: من اسمه القاسم، حديث: ٤٩٨٤، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ: احمد اور طبرانی الکبیر کے رجال صحیح کے رجال ہیں: مجمع الزوائد: باب ما جاء فى الرياء: حديث: ١٧٦٦٠

(۲) ابن ماجه : باب من لبس ثوب شهرة ، حديث : ٣٦٠٧ ، منذری نے کہا ہے کہ: اس کو ابن ماجہ نے سند حسن کے ساتھ ذکر کیا ہے: الترغيب والترهيب : كتاب اللباس، حديث: ٣١٧٧

(۳) حلية الأولياء: ابوبكر صديق: ١/٣٧، دار الكتاب العربى، الطبعة الرابعة: ١٤٠٥ھ

جب تک وہ اس زینت کو اپنے سے علاحدہ نہیں کرتا "انّ العبد اذا دخلہ العجب بزینۃ الدنیا مقتہ ربّہ حتّی یفارق تلك الزینۃ" حضرت عائشہ؄ فرماتی ہیں کہ: میں نے اسے نکال دیا اور اس کو صدقہ کر دیا۔(۱)

۳۔ غیر ضروری چیزوں کا التزام:

ہماری شادیوں اور روزمرہ کی زندگیوں میں بہت سے طور وطریقے اور بہت سی اپنی بنائی ہوئی رواجی چیزیں ایسی داخل ہو گئیں ہیں، جن کا التزام نہایت ضروری سمجھا جاتا ہے؛ جب شریعت اور اسلام سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہوتا، فرائض وواجبات اور نمازیں اور اللہ عزوجل کے دیگر احکام وغیرہ کیوں نہ چھوٹ جائیں؛ لیکن یہ رواجی طریقے ہرگز چھوٹنے نہ پائیں؛ ورنہ ساری عزت ملیامیٹ ہو جائے گی اور ساری تقریب نحوست کا شکار ہو جائے گی، اس طرح کی غیر ضروری چیزوں کا التزام یہ بدعت ہے: نبی کریم ﷺ نے بدعت کی مذمت اور اس کی برائی اور اس کے انجام بد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: بدترین چیز (دین میں) نئی چیزوں کا ایجاد کرنا ہے، ہر نئی ایجاد کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے "وشرّ الأمور محدثتها، وكلّ محدثةٍ بدعة، وكلّ بدعة ضلالة، وكلّ ضلالة فی النّار" (۲)

رسوم وبدعات اور سنتوں میں ایک اہم فرق یہ بھی ہوتا ہے کہ ہر علاقہ کی رسمیں الگ الگ ہوتی ہیں؛ کیونکہ مزاج اور اس سے بننے والے رواج وسماج مختلف ہوتا ہے، قرآن وسنت ایک ہونے کی وجہ سے سنتیں سارے عالم کی ایک ہوتی ہے، بدعت کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ: بدعت ورسم آکر اس عمل کی سنت کو مٹا دیتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ان غیر ضروری چیزوں کو اپنانے کی مذمت کرتا ہے

---

(۱) کنز العمال: ادب اللباس حدیث: ٤١٨٣٢

(۲) صحیح ابن حبان: باب الاعتصام بالسنة وما يتعلق، حدیث: ١٠، محقق شعیب الارنؤط نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

’’اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بناؤ کہ نماز پڑھ کر داہنی طرف پھرنے کو ضروری سمجھنے لگو، حالانکہ نماز پڑھ کر دونوں طرف دائیں اور بائیں پھرنا جائز ہے ’’لا تجعل أحدکم نصیبًا للشیطٰن من صلاته، الّا عن یمینه‘‘ (۱)

موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ آدمی رسم و رواج کے بندھن اور خاندان و روایات کے خلاف کھڑے ہونے کی ٹھان لے، حدیث میں ہے ’’أفضل الجهاد کلمة حقّ عند سلطان جائر‘‘ (۲)

سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہی جائے؛ ظالم بادشاہ فردِ واحد ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ بے بنیاد خرافات و بدعات کی شکل میں بھی ہوتا ہے۔

۴۔ بدفالی اور نحوست کا تصور:

ان رسوم و رواج کی ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے تقریب کی تاریخ کی تعیین کے سلسلے میں سعد و نحس (اچھے اور منحوس) ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے، بعض مہینوں اور تاریخوں میں شادی کے منعقد کرنے کو اچھا اور بابرکت تصور کیا جاتا ہے، اسی طرح بعض رسموں کے پورا نہ کرنے پر بھی نحوست کے در آنے کا اعتقاد رکھا جاتا ہے، اس طرح کی بدفالی اور بدشگونی کا اعتقاد یا کسی بھی رسمِ بد کے پورا نہ کرنے کو منحوس سمجھنا یہ سب شرکیہ اور کفریہ اعمال ہیں جو خدا کے غضب اور ناراضگی کو دعوت دیتے ہیں۔

زمانے اور دنوں میں نحوست کے نہ ہونے کو بیان کرتے ہوئے حدیث قدسی ہے:

حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ عز و جل فرماتا ہے: ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے، وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے اور زمانہ میں خود ہوں، میں زمانے کے رات و دن کو

---

(۱) بخاری: باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال: حدیث: ۸۱۴

(۲) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور غریب ہے: ترمذی: افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر: حدیث: ۲۱۷۴

الٹتا پلٹتا ہوں " یؤذینی ابن ادم یسُبّ الدھر وأنا الدھر ، أقلّب لیله ونھاره" (۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدفالی شرک ہے، بدفالی شرک ہے، "الطّیرة شرك قاله ثلاثًا " (۲)

اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے، زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا، حضرت عائشہ ؓ کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

۵۔ تحفے وتحائف کا بادل نخواستہ تبادلہ

تحفے وتحائف یہ طرفین کی جانب سے تعلقات کی گہرائی، ایک دوسرے سے محبت وعقیدت اور دلی وابستگی کے غماز ہوتے ہیں، اگر یہ تحفے واقعۃً خلوص ومحبت، رشتے وناتے کے احترام میں دیئے جاتے ہیں تو ٹھیک ہے، حضور اکرم ﷺ نے بھی آپس میں تحفے تحائف کے تبادلے کی ترغیب دی ہے، اور اسے تعلقات میں اضافہ کا سبب قرار دیا ہے " تھادّوا تحابّوا " ہدایا کا یہ تبادلہ محبت کا باعث ہوتا ہے۔ (۳)

حضرت عائشہ ؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آپس میں ہدیہ دیا کرو؛ کیونکہ ہدایا کا تبادلہ دلوں کے کینہ اور کپٹ کو دور کردیتا ہے "فانّ الھدیة تذھب الضغائن" (۴)

---

(۱) مسلم : باب النھی عن سبّ الدھر حدیث : ٢٢٤٦

(۲) ابوداؤد : باب فی الطیرة ، حدیث : ۳۹۱۰، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے: الترغیب والترھیب : الترھیم من الطیرة : حدیث : ٤٦٨٤

(۳) الأدب المفرد: باب قبول الھدیة، حدیث : ٥٩٤، دار البشائر الاسلامیه ، بیروت، علامہ حجر عسقلانی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے: بلوغ المرام : ١٩٤/١

(۴) التلخیص الحبیر: حدیث: ١٣١٤، دار الکتب العلمیة، الطبعة الأولی، ابن الملقن کہتے ہیں کہ: اس حدیث کو صاحب مشکاۃ نے ذکر کیا ہے اور حضرت عائشہ سے صحیح سند کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے: البدر المنیر : ١١٣/٧

اگر اس حد تک یہ تحائف آپس میں لئے دیئے جاتے ہیں تو ٹھیک ہے؛ لیکن اگر تحائف کے لین دین میں جبر و اکراہ کا دخل ہو تو یہ چیز شرعاً درست نہیں، بایں طور جو شخص ہدیہ نہ دے سکے اس کو لعنت و ملامت کی جائے، اسے برا بھلا کہا جائے، اور تحائف کا یہ تبادلہ بھی یاد کر کے اسی انداز اور اسی قیمت کی شکل میں ہو جس قیمت اور شئی کی شکل میں اولاً اس نے ہدیہ دیا تھا، یہ تمام چیزیں شرعاً ناجائز ہیں، تحفے اور ہدیئے تو دلی خوشی و مسرت کے اظہار کے طور پر دیئے جاتے ہیں، اس میں زور زبردستی کا بالکل دخل نہیں ہوتا، لینے والا تو لیتا ہے؛ لیکن دینے والا دل کی رضا سے نہیں دیتا؛ بلکہ سماج اور رواج کے دباؤ میں آ کر دیتا ہے، جس کیلئے اسے کچھ نہ ہونے پر بھی بسا اوقات قرض وغیرہ لینا پڑتا ہے، حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”لا یحلّ مال امرأی الّا بطیب نفس منه“ کسی مسلمان کا مال اس کی دلی رضا کے بغیر حلال نہیں۔(۱)

ہدایا کے اس ناخوش دلی کے ساتھ تبادلہ پر حضور ﷺ نے بعض عرب سے جنہوں نے حضور ﷺ سے اپنے ہدیہ کے مثل کی طلب کی تمنا رکھنے اور اس کے نہ دیئے جانے پر ان کی ناراضگی اور ناخوشی کے اظہار پر بعض عرب سے آپ ﷺ ہدایا قبول کرنے سے ہی رک گئے تھے اور اس ہدیہ کے اسی کے مثل تبادلہ کے رواج پر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ بنو فزارہ کے ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کی خدمتِ مبارکہ میں ایک اونٹنی ہدیہ کی، حضور اکرم ﷺ نے اس کے عوض میں اس کو ہدیہ دیا جس سے وہ ناخوش ہو گیا، تو حضور اکرم ﷺ نے ممبر پر فرمایا: ایک شخص ہدیہ دیتا ہے، میں اپنی حیثیت کے مطابق اس کا عوض عطا کرتا ہوں تو اس کو برا لگتا ہے، اللہ کی قسم! اس سال کے بعد میں کسی عرب کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا، مگر یہ کہ ہدیہ دینے والا قریشی ہو یا انصار میں سے یا ثقفی یا دوسی ”وأیم اللّٰه ! لا اقبل بعد عامی هذا من العرب هدية الّا من قريش أو انصاریّ أو ثقفی أو دوسیّ “(۲)

---

(۱) السنن الكبرى: باب من غضب لوحًاء حديث: ۱۱۳۲۵

(۲) ترمذی: باب مناقب ثقیف وبنی حنیفة: حدیث: ٣٩٤٦، اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔

اگر معمولی سا معمولی تحفہ بھی خوش دلی کے ساتھ دیا جائے تو وہ قدر و احترام کے اور قبول کے لائق ہے، اصل دل کی رضا کا اظہار ہے، تحفے کا بڑا ہونا ضروری نہیں، حضور اکرم ﷺ نے معمولی ہدیہ کو حقیر جاننے کو منع کرتے ہوئے فرمایا: اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنے پڑوسن کے ہدیہ کو حقیر اور معمولی نہ جانے، گرچہ وہ بکری کے کھر ہی کیوں نہ ہو" ولو فرسن شاة " (۱)

۶- بے پردگی

اللہ رب العزت نے کائنات میں کچھ چیزوں کو چھپا کر رکھا ہے اور کچھ چیزوں کو بہت سی مصلحتوں سے نمایاں رکھا ہے، اسی طرح دوسرا اصول یہ بھی کارفرما معلوم ہوتا ہے کہ نازک اور قیمتی چیز کو چھپا کر رکھا ہے جیسے: آنکھ، دل، دماغ اور دیگر قیمتی اعضاء جسمانی کو مضبوط ہڈیوں میں چھپا کر رکھا ہے، یہ عورت بھی اسلام میں باعزت اور عالی مقام کی حامل ہے؛ اس لئے اسے پردہ اور حیاء کا زیور دیا گیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی " أبرّها قلوبًا " انبیاء علیہ السلام کے بعد سب سے پاکیزہ جماعت کو رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے بارے میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ "وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ، وَذٰلِكَ أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ " (۲) جب تمہیں کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو اس میں تمہارے اور ان کے دل پاکیزہ رہیں گے۔

معلوم ہوا کہ بے پردگی کے ساتھ دل کبھی پاک نہیں رہیں گے۔

موجودہ زمانے کے رسوم و رواج کی ادائیگی میں عورتیں اکٹھا ہوتی ہیں اور نہایت سج دھج کر اور ساری زیب و زینت کا اظہار کرتے ہوئے مردوں میں بے تحاشا آمد و رفت رکھتی ہیں، اس قدر ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ بسا اوقات نامحرم لوگوں کے اس اجتماع کے موقع سے بہت سارے منچلے لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے دل لگی اور ہنسی مذاق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، نازیبا و نامناسب حرکات و سکنات کا تبادلہ ہوتا ہے۔

---

(۱) بخاری: باب لا تحقرنّ جارة لجارتها: حديث: ۵۶۷۱

(۲) الأحزاب: ۵۳

حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "لعن الله الناظر والمنظور اليه" یعنی اللہ نے لعنت کی ہے اس پر (جو عورت کو بری نظر سے) دیکھے اور اس پر جس کی طرف دیکھا جائے۔ (۱)

ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ: آنکھیں (زنا کرتی ہیں) آنکھ کا زنا دیکھنا ہے اور کان (زنا کرتے ہیں) کہ ان کا زنا سننا ہے اور زبان (زنا کرتی ہے) کہ اس کا زنا بولنا ہے اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں کہ ان کا زنا پکڑنا ہے، " فالعينان تزنيان وزناهما النظر، واليدان تزنيان وزناهما البطش، والرجلان تزنيان وزناهما المشي، والفم يزني وزناه القبل " (۲)

ایک روایت میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں: بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو بظاہر تو کپڑے پہنے ہوئی ہوتی ہیں؛ لیکن حقیقت میں ننگی ہوتی ہیں، دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے اور دوسروں کی طرف مائل ہونے میں بڑی مشاق ہوتی ہیں، نہ صرف یہ جنت سے دور ہوں گی؛ بلکہ اس کی خوشبو سے بھی محروم رہیں گی، اور جنت کی خوشبو پانچ سو میل کی مسافت کی دوری سے محسوس ہوتی ہے "النساء كاسيات، عاريات، مائلات، مميّلات، لا يدخلن الجنّة ولا يجدن ريحها، وريحها يوجد من مسيرة خمس مائة عام " (۳)

اور ایک موقع سے حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: (نظرِ بد ڈالنے والی) ہر آنکھ زنا کار ہے اور کوئی عورت جب عطر لگا کر (مردوں کی) مجلس کے قریب سے گذرے تو ایسی ویسی ہے یعنی زنا کار ہے "والمرأة اذا استعطرت فمرّت بالمجلس فهي كذا أو كذا يعني زانية " (۴)

---

(۱) سنن کبری للبیهقی: باب ما جاء فی الرجل ينظر، حدیث: ۱۳۳٤٤، یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۲) مسند احمد: مسند ابی هریره، حدیث: ۸٥۰۷، محقق شعیب الارنؤط کہتے ہیں کہ: اس کی سند مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(۳) موطا مالك: باب ما يكره للنساء لبسه من الثياب، حديث: ۳۳۸، مؤسسة زائد بن سلطان آل نهيان

(۴) ترمذی: باب كراهية خروج المرأة متعطرة، حديث: ۲۷۸٦، امام ترمذی کہتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گذرا کہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے " وزناهما النظر " اس حدیث میں آنکھ کا زنا بیان فرما کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کی مجلس کے پاس سے گذرے اس کا یہ عمل بھی زنا ہے؛ کیونکہ کسی مرد و عورت میں زنا کاری کے جو تعلقات ہوتے ہیں یکلخت نہیں ہو جاتے؛ بلکہ اصل زنا سے پہلے ایسے کام ہوتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کو قریب تر کرتے چلے جاتے ہیں؛ اس لئے شریعت نے جو چیزیں اصل زنا کا سبب بنتی ہیں اسے بھی زنا کا حکم دیا اور اسے بھی حرام قرار دیا۔

پہلے ہی افسوس کا مقام ہے کہ ہماری بہنوں کا پردہ خوشیوں کے موقعہ پر باقی رہتا ہے اور نہ غمی کے موقع پر، حضرت زینبؓ نے اپنے ولیمہ کے موقع پر چھوٹے کمرے میں دیوار کی طرف منہ کر کے آنے والے مہمان صحابہ رضی اللہ عنہم سے پردہ فرمایا اور ام خلادؓ نے جب ان کا بیٹا شہید ہو گیا اور وہ اس مقتول بیٹے کے بارے میں حالتِ نقاب میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرنے لگیں تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: تم اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہو اور چہرے پر نقاب بھی؟ اس خاتون نے جواب دیا: " انّ أرزأ فلم أرزأ حيائي " کہ میرے بیٹے پر مصیبت آئی ہے تو میری حیاء پر تو مصیبت نہیں آئی۔(۱)

امام بیہقیؒ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک عدالت میں بیوی نے شوہر پر مقدمہ دائر کیا کہ وہ مجھے پانچ سو درہم دینا باقی ہے، شوہر نے انکار کیا، بیوی سے قاضی نے گواہ طلب کئے، اس نے دو مرد گواہ پیش کر دیئے، گواہوں کے لئے شریعت میں چہرہ دیکھنا جائز ہے، انہوں نے کہا کہ: جب تک ہم اس خاتون کا چہرہ نہ دیکھ لیں اس وقت تک بھروسہ مند طریقے سے گواہی نہیں دے سکتے، قاضی نے چہرہ کھولنے کی اجازت دی، شوہر کی رگِ حمیت پھڑ پھڑائی، اس نے کہا: میں رقم دینے تیار ہوں، گرچہ میرے ذمے نہیں؛ مگر بیوی کو بے پردہ نہیں کر سکتا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ نامحرم ویٹروں، ڈرائیوروں اور ان خالہ زاد، چچازاد رشتہ داروں سے پردہ کیا جائے جن سے اللہ نے پردہ کا حکم دیا ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: كتاب الجهاد: باب فضل قتال الروم، حدیث: ٢٤٨٨، فرج بن فضالہ کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔

۷- بلا ضرورت قرض لینا:

ان رسوم ورواج کی ادائیگی کیلئے قرض کے بوجھ کے تحت بوجھل ہویا جاتا ہے، حالانکہ ان رسوم کی ادائیگی سے دنیا تو مال اور وقت کے ضیاع کی شکل میں تباہ ہوتی ہی ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ سودی قرض اور بلا ضرورت قرض لینے کے تعلق سے جو وعیدیں شریعت میں آئی ہیں اس کا بھی مستحق ہوا جاتا ہے۔

بلا ضرورت قرض لینے کی مذمت پر یہ روایت دلالت کرتی ہے، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ: آپ ﷺ عموماً قرض سے پناہ چاہتے تھے، حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ: آپ اس سے اس قدر پناہ کیوں مانگتے ہیں؟ فرمایا: ”آدمی جب قرض لیتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرتا ہے ”انّ الرجل اذا غرم حدّث فکذب، ووعد فأخلف“ (۱)

اور ایک روایت حضور ﷺ نے کفر سے اور قرض سے پناہ چاہی ہے، ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا قرض کفر کے برابر ہوتا ہے؟“ أتعدل الدّین بالکفر“؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ (۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ قرض سے یوں پناہ چاہتے تھے: ”اللّٰھمّ انّی أعوذ بك من غلبة الدین، وغلبة العدوّ، وشماتة الأعداء“ (۳)

ان تمام روایتوں سے پتہ چلا کہ بلا ضرورت محض اپنی خود ساختہ رسموں کی ادائیگی کیلئے قرض کے بوجھ تلے دبے جانا یہ شرعاً ممنوع ہے، اور خصوصاً اگر یہ قرض سودی ہو تو اس کی مذمت اور زیادہ ہو جاتی ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سودی معاملات کرنے والوں پر سخت وعیدیں فرمائی ہیں:

---

(۱) بخاری: باب من استعاذ من الدین، حدیث: ۲۲٦۷

(۲) النسائی: الاستعاذة من الدین، حدیث: ۵٤۷۳، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

(۳) سنن النسائی: الاستعاذة من غلبة الدین، حدیث: ۵٤۷۵، علامہ حجر نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ: اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے: بلوغ المرام: ۱/۳۳

ارشادِ خداوندی ہے ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ“ (۱) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، پھر اگر تم (اس پر عمل) نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہوگا)۔

آپ ﷺ نے ایک روایت میں سود لینے والے، سود دینے والے، سودی معاملہ لکھنے والے اور ایسے معاملہ پر گواہ بننے والے، سبھوں پر اللہ کی لعنت بھیجی ہے ”لعن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم آکل الربا، ومؤکله وکاتبه وشاهده“(۱)

۸۔ کفار سے مشابہت:

ہندوستانی معاشرے میں خصوصاً بہت ساری رسمیں وہ ہیں جو یہاں کے غیر اقوام کے ساتھ رہائش اور بود و باش کے نتیجہ میں در آئی ہیں، شادی بیاہ کے موقع سے بہت ساری رسومات ادا کی جاتی ہیں جو یہاں اس ملک کی ہندو اقوام کے اختلاط اور رہن سہن کے نتیجہ میں مسلم معاشرے میں وجود میں آئی ہیں، ان رسوم و رواج میں ان کی نقالی یہ ان کے ساتھ مشابہت میں داخل ہے اور حدیث میں غیر اقوام کی ساتھ مشابہت پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں، حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ”من تشبّه بقوم فهو منهم“ جو غیر اقوام کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے تو اس کا شمار ان ہی میں ہوتا ہے۔(۳)

ہمارے حضور ﷺ تو اتفاقی طور پر کسی معاملے میں غیروں سے مشابہت ہو جائے اس کو بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے، آپ ﷺ نے جب رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے محرم کا روزہ فرض تھا اور آپ ﷺ کو یہ پتہ چلا کہ یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے

---

(۱) البقرۃ: ٢٧٨

(۲) مسلم: حدیث: باب لعن آکل الربا ومؤکله، ١٥٩٨

(۳) ابوداؤد: باب فی لبس الشهرۃ، حدیث: ٤٠٣١، علامہ حجر نے کہا ہے کہ: اس کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے: بلوغ المرام: ٣٠١/١

فرمایا: اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا کر رکھونگا یا تو نویں تاریخ کا روزہ یا گیارہویں کا روزہ، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو؛ بلکہ ان سے علاحدگی اور امتیاز ہو جائے " خالفوا اليهود : صوموا التاسع والعاشر " (۱)

ایک اور حدیث میں فرمایا: " صوموا قبله يوما أو بعده يومًا " (۲)

ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خالفوا المشركين" (۳) یعنی مشرکین کے طریقوں کی مخالفت کرو یعنی انہوں نے جیسے طریقے اختیار کئے ہیں ان سے الگ طریقہ اپناؤ۔

۹- نماز کا چھوٹ جانا یا باجماعت نماز سے رہ جانا:

عموماً ان رسموں کی ادائیگی میں اتنا مشغول ہو یا جاتا ہے کہ یا تو نمازوں کی ادائیگی ہی نہیں ہو پاتی ہے، یا آدمی باجماعت نماز سے رہ جاتا ہے، حالانکہ اسلام نے نماز کو کفر اور شرک کے درمیان حدِ فاصل بتایا ہے، ارشاد باری عزوجل ہے "اَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ " یعنی نماز قائم کرو اور مشرکین میں نہ بنو، اور ایک حدیث میں فرمایا: "العهد الذی بيننا وبينهم الصلوة ، فمن تركها فقد كفر" (۴) یعنی ہمارے اور کافروں کے درمیان جو اصلی اور واقعی فرق ہے وہ نماز پڑھنے کا فرق ہے، پس جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔

اور ایک جگہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الذی تفوته صلاة العصر فكأنّما وُتر أهله وماله " (۵)

---

(۱) شعب الايمان : تخصيص عاشوراء بالذكر ،حديث: ۳۷۸۸

(۲) ابن خزيمة : باب الأمر بأن يصام قبل

(۳) بخاری: باب تقليم الأظفار ، حديث: ۵۵۵۳

(۴) ترمذی: باب ما جاء فی ترك الصلوة ،حديث: ۲۶۲۱ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

(۵) مسلم : باب التغليظ فی تفويت ،حديث: ۱۴۴۸

جس کی عصر کی (ایک) نماز جاتی رہی (اُس کا اس قدر نقصان ہوا کہ) جیسے اس کے اہل وعیال اور سارا مال ختم ہوگیا۔

اور ایک موقع سے حضور ﷺ نے جماعت سے نماز کے رہ جانے پر سخت وعید ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”میرا ارادہ یہ ہوا کہ اول لکڑیاں جمع کراؤں، اور پھر نماز کیلئے اذاں کہلواؤں، پھر جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوئے ان کی طرف چلوں اور ان کے گھر کو جلادوں، ”ثم أحرّق علی أقوام لا یشهدون الصلاة“ (۱)

سنت سے محرومی:

رسموں کی ادائیگی کی وجہ سے آدمی اس عمل کی سنت کی ادائیگی سے رہ جاتا ہے، اور اس طرح سنت کے مقابلہ گناہ پر اصرار کرنے لگتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا دل لگ جاتا ہے اور حضور ﷺ نے ایمان کا معیار یہ بتلایا ہے کہ: جب نیکی کرنے سے تیرا جی خوش ہو اور برا کام کرنے سے جی برا ہو تو تو مومن ہے ”اذا سرّتك حسنتك وساءتك سيئتك فأنت مؤمن“ (۲)

بیشتر رسومات تو وہ ہیں جن کی اصل یا تو قرآن وحدیث واجماع امت سے ثابت ہی نہیں اور اگر ہے تو ہیئت مروجہ کے ساتھ نہیں ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ جب کوئی رسم مخصوص علاقائی مزاج سے پیدا ہوکر پھر سماج ورواج میں آجاتی ہے تو اس عمل کی سنتیں ضرور متروک ومردہ ہوجاتی ہیں، چونکہ مسنون طریقہ قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہوتا ہے، اس لئے ساری دنیا کے کلمہ گو مسلمانوں کیلئے ہر عمل میں ایک ہی منقول ومسنون وقت وکیفیت ادا، شروط وواجبات ہوں گے؛ لیکن رسوم وبدعات ہر علاقہ کے مخصوص ماحول وفضا کی پیداوار ہوتی ہیں، اس لئے پوری دنیا کے مسلمانوں کی غیر شرعی رسومات دوسرے علاقہ کے مخصوص ماحول وفضا کی پیداوار ہوتی ہیں، اس لئے پوری دنیا کے مسلمانوں کی غیر شرعی رسومات

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فیمن سمع النداء، حدیث: ۲۱۷، اس روایت کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) مسند احمد: حدیث ابی امامۃ الباہلی، حدیث: ۲۲۲۵۳، محقق شعیب الارنوط نے اس روایت کو صحیح اور اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔

دوسرے علاقہ کے مسلمانوں کی روایات سے یکسر مختلف ہوتی ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجر وثواب کا وعدہ نہیں ہے، مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر کمال آپ کی شریعت کی اتباع سے وابستہ ہے مثلاً سنت نبوی کے طور پر دوپہر کا سونا کروڑوں رات جاگنے سے بہتر اور افضل ہے، جب کہ شب بیداری شریعت کی پیروی کے بغیر ہو۔ (۱)

حضرت عثمان ابن العاص رضی اللہ عنہ کو کسی ختنہ میں دعوت دی گئی تو انہوں نے جانے سے صاف انکار کردیا، جب ان سے انکار کی وجہ دریافت کی گئی تو صاف الفاظ میں یہ جواب ارشاد فرمایا کہ: "إنا لا نأتي الختان على رسول الله ولا ندعى له " (۲)

ہم زمانہ رسالت میں نہ ختنوں میں جایا کرتے تھے اور نہ اس کیلئے دعوت دی جاتی تھی۔

حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر کیا ہی خوب ارشاد فرمایا: جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اولاد نہیں ہوتی تھی، گھر میں کسی بیوی نے کہا: اگر عبدالرحمٰن کے بچہ پیدا ہوا تو ہم (عقیقہ میں) ایک اونٹ ذبح کریں گے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: " لا بل السنة أفضل، عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة " (۳) نہیں بلکہ سنت ہی افضل ہے، وہ یہ کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے (عقیقہ) میں ایک بکری کافی ہے۔

حضرت عائشہؓ بکریوں کے بجائے اونٹ پر صرف اسی لئے راضی نہیں ہے کہ ان کے نزدیک یہ سنت کے خلاف ہے؛ اس لئے کہ اس کی قیمت یا گوشت زیادہ ہے تو پھر اس کی چنداں قدر نہیں، سنت ہی افضل ہے اور اسی کی پابندی لازم ہے۔

---

(۱) مکتوب: ۱۱۴، ج ۱/۱۳۵

(۲) مجمع الزوائد: باب في الختان، حديث: ٦٢٠٨، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(۳) مستدرك: كتاب الذبائح، حديث: ٧٥٩٥، حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اسلامی معاشرہ اور عملیات

نبی کریم ﷺ سے ہر موقع سے جو دعائیں منقول ہیں، یہ دراصل شیطان کی سازشوں اور کرتوتوں کے مقابلے میں ہیں، اسی طرح ہر سنت شیطان کے حربے کے توڑ کیلئے ہیں اس لئے دعاؤں اور سنتوں کا خوب اہتمام کریں، جو شخص ہر موقع کی سنتوں اور دعاؤں کا اہتمام کرتا ہے وہ کسی بھی طرح کی پریشانی سے دوچار ہو ہی نہیں سکتا، ہماری پریشانیوں کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہم ہر موقع کی سنت اور دعاء کا اہتمام ہی نہیں کرتے، جب ہم جادو، جنات اور شیاطین اور آسیب کے اثرات میں مبتلا ہوتے ہیں تو دردر کی خاک چھانٹی پڑتی ہے۔

شیطان سے استعاذہ (شیطان سے پناہ چاہنا)

بے شمار مواقع ایسے ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے شیطان سے پناہ چاہنے کیلئے فرمایا ہے:

۱- جب غلط خیالات اور وساوس آنے لگیں تو شیطان سے پناہ چاہنے کیلئے کہا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری ہے: "وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ" (۱) اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

۲- تلاوتِ قرآن کے وقت بھی استعاذہ اور شیطان سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے، کیوں کہ شیطان طاعات اور معروفات اور نیکیوں سے روکتا ہے: "فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" (۲) تو جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔

---

(۱) الأعراف: ۲۰۰ (۲) النحل: ۹۸

۳- بیت الخلاء میں جاتے وقت شیطان سے پناہ :

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ بیت الخلا میں داخل ہوتے تو یہ کہتے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" (۱) اے اللہ میں ناپاک چیزوں اور ناپاکیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

۴- نماز میں شیطان سے پناہ چاہی جائے :

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نوافل میں نبی ﷺ کو تین مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، تین مرتبہ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا اور تین مرتبہ سُبْحٰنَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! میں شیطان مردود کے ہمز، نفث اور نفخ سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں " اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرحیم من نفخه ونفثه وهمزه " (۲)

حضرت عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! شیطان میری نماز اور قرات کے درمیان حائل ہوتا اور مجھ پر نماز میں شبہ ڈالتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے جب تو ایسی بات محسوس کرے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کر اور اپنے بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دیا کر پس میں نے ایسے ہی کیا تو شیطان مجھ سے دور ہو گیا۔ (۳)

اہل اولاد اور مال کیلئے شیطان سے پناہ مانگی جائے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی خادم خریدے تو یوں کہے

---

(۱) سنن الترمذی : باب ما یقول إذا دخل الخلاء ، حدیث: ٦، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب ما یستفتح به الصلاة من الدعاء، حدیث: ٧٦٤

(۳) مسلم : باب التعوذ من شیطان الوسوسة فی الصلاة ، حدیث: ٥٨٦٨

"اللّٰهم إني أسئلك خيرها وخير ما جبلتها عليه وأعوذ بك من شرها ، وشر ما جبلت عليه " اے اللہ میں اس کی ذات کی اور اس کی طبیعت کی جو تو نے بنائی ہے بھلائی چاہتا ہوں اور اس کی ذات کی اور اس کی طبیعت کی جو تو نے بنائی ہے برائی سے پناہ چاہتا ہوں اور جب اونٹ خریدے تو اس کے کوہان پر ہاتھ رکھ کر یہی کلمات کہے۔ (۱)

بیوی سے وظیفۂ زوجیت کے وقت ان الفاظ سے شیطان سے پناہ چاہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ تک اس حدیث کو پہنچاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس آئے تو " اللّٰهم جنبنا الشيطٰن وجنِب الشيطان ما رزقتنا " کہہ دے، پھر ان دونوں کے درمیان کوئی لڑکا مقدر کیا جائے، تو اس کو شیطان ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ (۲)

نومولود کے کان میں اذان بھی شیطان کے شر سے پناہ کیلئے ہے، اسی لئے نومولود کے کان میں اذان کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسين بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة " نبی کریم ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت پر ان کے کان میں نماز کی اذان کہی۔ (۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حسن و حسین رضی اللہ عنہما پر یہ کلمات پڑھ کر پھونکا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے باپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) بھی اسماعیل واسحاق علیہما السلام پر یہ کلمات پڑھ کر دم کیا کرتے تھے "اعوذ بكلمٰت الله التامات مِن كلِ شيطٰن وهامة ومِن كلِ عين لامة "

---

(۱) سنن ابن ابي ماجة : ما يقول الرجل إذا دخلت عليه ، حديث : ۱۹۱۸، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) بخاری، باب صفة ابليس وجنوده ، حديث: ۳۹۰۸

(۳) بخاری : باب الأذان في أذن المولود ، حديث: ۹۵۱٤

میں اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کے ذریعہ ہر شیطان و جاندار اور ہر ضرر رساں نظر کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ (۱)

☆ سورہ بقرہ کی تلاوت شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ؛ کیونکہ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس گھر میں سورۃ البقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے ”البيت الذى تقرأ فيه سورة البقرة لا يدخله شيطٰن“ (۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر چیز کیلئے رفعت و بلندی ہوتی ہے اور قرآن کی رفعت و بلندی سورت بقرہ ہے، اور جب شیطان کسی گھر میں سورہ بقرہ پڑھتے ہوئے سنتا ہے تو وہاں سے نکل جاتا ہے ”خرج من البيت الذى تقرأ فيه سورة البقرة“ (۳)

☆ آیت الکرسی کا ورد شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے رمضان کی زکوۃ (یعنی صدقہ عید الفطر) کی نگہبانی اور جمع کرنے پر مجھے مامور فرمایا تاکہ جمع ہونے کے بعد آپ ﷺ اسے فقراء میں تقسیم فرمادیں چنانچہ اس دوران ایک شخص میرے پاس آیا اور اپنے ہاتھوں سے اپنے دامن اور اپنے برتن میں غلہ بھرنا شروع کردیا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ: میں تجھے رسول کریم ﷺ کے پاس لے چلوں گا اور تجھے اس غلط حرکت کی سزا دلواؤں گا، اس نے کہا کہ میں ایک محتاج ہوں میرے اوپر میرے اہل وعیال کا نفقہ ہے اور میں سخت حاجتمند ہوں یعنی میرے ذمہ قرض وغیرہ بھی ہے حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ: میں نے اس کی یہ

---

(۱) بخاري : باب يزفون ، حديث: ۳۱۹۱

(۲) ترمذي : فضل سورة البقرة وآية الكرسي ، حديث: ۲۸۷۷

(۳) مستدرك حاكم : من سورة البقرة ، حديث: ۳۰۲۹، حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے، ذہبی نے اسے بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

خستہ حالت سن کر اسے چھوڑ دیا، جب صبح ہوئی تو رسول کریم ﷺ مجھ سے فرمانے لگے کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! تمہارے گزشتہ رات کے قیدی کا کیا ہوا؟ (اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دے دی تھی) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ مجھ سے اپنی سخت حاجت اور عیال داری کا رونا رونے لگا؛ اس لیے مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار رہنا! اس نے اپنے حالات کے اظہار میں تم سے جھوٹ بولا ہے وہ پھر آئے گا اس لئے آئندہ احتیاط رکھنا، میں سمجھ گیا کہ ضرور آئے گا، چنانچہ میں اس کا منتظر رہا وہ آیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے غلہ بھرنا شروع کر دیا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اب تو میں تجھے رسول کریم ﷺ کے پاس لے جاؤں گا، اس نے کہا کہ: مجھے چھوڑ دیجئے میں ضرورت مند ہوں میرے اوپر کنبہ کا نفقہ ہے اب آئندہ میں نہیں آؤں گا مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور اس مرتبہ میں نے یہ سلوک اس لیے کیا کہ اس نے آئندہ نہ آنے کا وعدہ کیا تھا ورنہ تو اپنی حاجت وضرورت کے بارے میں اس کا جھوٹ مخبر صادق یعنی آنحضرت ﷺ کی زبانی معلوم ہو ہی چکا تھا، جب صبح ہوئی تو رسول کریم ﷺ نے مجھ سے پھر فرمایا کہ: ابو ہریرہ! تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ میرے سامنے اپنی شدید ضرورت وحاجت اور عیالداری کا دکھڑا رونے لگا، اس لیے مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے اس کے اس وعدہ پر کہ آئندہ پھر کبھی نہیں آؤں گا اس کو چھوڑ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا ہوشیار رہنا! اس نے اس مرتبہ بھی جھوٹ بولا ہے کہ میں آئندہ نہیں آؤں گا وہ پھر آئے گا چنانچہ میں اس کا منتظر رہا اور وہ پھر آیا جب اس نے غلہ بھرنا شروع کیا تو میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں آج تو تجھے ضرور ہی رسول کریم ﷺ کے پاس لے جاں گا یہ آخری تیسرا موقع ہے تو نے تو کہا تھا آئندہ نہیں آؤں گا اسی لئے میں نے تجھے اس مرتبہ چھوڑ دیا تھا مگر تو پھر آ گیا، اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں تمہیں ایسے کلمات سکھاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے نفع پہنچائے گا (اور وہ یہ کہ) جب تم (سونے کیلئے) اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی (البقرۃ: ۲۵۵) پڑھو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک نگہبان فرشتہ رہا

کرے گا اور صبح تک تمہارے پاس کوئی شیطان خواہ وہ انسان میں سے ہو یا جنات میں سے دنیوی تکلیف واذیت پہنچانے کیلئے نہیں آئے گا، میں نے یہ سن کر اسے اس مرتبہ بھی چھوڑ دیا، جب صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے پھر فرمایا کہ تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ قیدی نے (جب) مجھ سے یہ کہا کہ وہ مجھے کچھ کلمات سکھائے گا جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع پہنچائے گا (تو میں نے اس مرتبہ بھی اس کو چھوڑ دیا) آپ ﷺ نے فرمایا آگاہ رہو (اگرچہ) اس نے تم سے (ان کلمان کے بارے میں) سچ کہا ہے (مگر) وہ (دوسری باتوں میں) جھوٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ "صدقك وهو كذوب" تم ان تین راتوں میں کس سے مخاطب تھے؟ میں نے کہا کہ نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا وہ شیطان تھا جو اس طرح مکر وفریب سے صدقات کے مال میں کمی کرنے آیا تھا۔ (۱)

☆ سورہ بقرہ کی دس آیتیں شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص رات کے وقت سورۃ بقرہ کی دس آیات پڑھ لے گا اس گھر میں شیطان صبح تک داخل نہیں ہوگا "لم يدخل ذلك البيت شيطٰن تلك الليلة" ان دس آیتوں میں چار سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات ہیں، ایک آیت الکرسی ہے دو اس کے بعد والی آیات ہیں، اور تین سورۃ البقرہ کی آخری جن کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے "لله ما في السموات" (۲)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے کتاب لکھی اس میں دو آیتیں نازل کر کے سورۃ البقرہ کو ختم کیا گیا، اگر یہ آیتیں کسی گھر میں تین رات تک پڑھی جائیں تو

---

(۱) بخاری: باب إذا وكل رجلا فترك الوكيل شيئا، حديث: ۲۱۸۷

(۲) سنن الدارمي: باب فضل أول سورة البقرة، وآية الكرسي، حديث: ۸۶۷۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں؛ لیکن شعبی کا سماع ابن مسعود سے ثابت نہیں، مجمع الزوائد: حديث: ۱۷۰۱٤

شیطان اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا " لا یقرآن فی دار ثلاث لیال فیقربها شیطان " (۱)

☆ معوذات کا اہتمام بھی شیطان سے محفوظ رکھتا ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب بستر پر تشریف لاتے تو دونوں ہتھیلیاں جمع کرتے پھر سورۃ اخلاص، الفلق اور سورۃ الناس تینوں سورتیں پڑھ کر ان میں پھونکتے اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو جہاں تک ہوسکتا بدن پر مل لیتے پہلے سر اور چہرے پر پھر جسم کے اگلے حصے پر اور یہ عمل تین مرتبہ کرتے " ثم یمسح بهما ما استطاع " (۲)

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم برسات کی اندھیری رات میں نبی اکرم ﷺ کی تلاش میں نکلے تا کہ آپ ﷺ ہماری امامت کریں، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو تلاش کر لیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہو، میں خاموش رہا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہو، میں اس مرتبہ بھی خاموش رہا۔ تو آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ بھی فرمایا کہو، میں نے عرض کیا، کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس صبح و شام تین تین مرتبہ پڑھا کرو، یہ تمہاری ہر چیز کیلئے کافی ہیں " ثلاث مرات یکفیك من کل شیء " حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنوں اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے یہاں تک کہ قل أعوذ بربِ الفلقِ اور قل أعوذ بربِ الناس نازل ہوئیں، جب یہ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے علاوہ سب کچھ ترک کر دیا " وترك ما سواهما " (۳)

---

(۱) مجمع الزوائد: باب سورة البقرة، حديث: ۱۰۸۲۶، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) ترمذی: فیمن یقرأ القرآن عند المنام، حدیث: ۳۴۰۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۳) ترمذی: الرقبة بالمعوذتين، حديث: ۲۰۵۸

☆ اذکار کے ذریعہ شیطان سے حفاظت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے روزانہ سو مرتبہ یہ دعا پڑھی " لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریك له ، له الملك ، وله الحمد ، وهو على كل شيء قدير " اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کی حکومت ہے اور اسی کیلئے تمام تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اسے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا سو نیکیاں اس کیلئے لکھی جائیں گی اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جائیں گی اور وہ اس دن شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا " وكانت له حرزا من الشيطان " اور کوئی شخص اس سے بہت ثواب کا عمل پیش نہیں کر سکے گا ہاں وہ شخص کر سکے گا جس نے اس دعا کو اس سے زیادہ پڑھا ہو۔ (۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص فجر کی نماز کے بعد اس طرح بیٹھ کر (جیسے نماز میں تشہد میں بیٹھتا ہے) کسی سے بات کئے بغیر دس مرتبہ " لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شئ قدير " پڑھے گا اس کیلئے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی، اس کے دس گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اس کے دس درجات بلند کئے جائیں گے اور وہ اس دن ہر برائی سے محفوظ رہے گا اور اسے شیطان کی پہنچ سے دور کر دیا جائے گا اور اسے اس دن شرک کے علاوہ کوئی گناہ ہلاک نہیں کر سکے گا۔ (۲)

☆ گھر میں شیطان کی آمد سے حفاظت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے، داخل ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا ہے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) سے کہتا ہے کہ: یہاں تمہیں رات میں

---

(۱) بخاری : باب صفة ابليس وجنوده ، حديث: ۳۱۱۹

(۲) ترمذی: باب ، حديث: ۳٤٧٤ ، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

رہنے کی جگہ مل گئی اور جب کھانے کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے کہ یہاں تمہیں کھانا بھی مل گیا " واذا لم یذکر اللّٰہ عند طعامه قال : ادرکتم المبیت والعشاء "(۱) اس لئے گھر میں دعا پڑھ کر داخل ہو۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے " اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ ، بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا، وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا " (اے اللہ! میں آپ سے گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کی خیر مانگتا ہوں یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور باہر نکلنا میرے لئے خیر کا ذریعہ ہو، اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ ہی کے نام کے ساتھ ہم گھر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ ہی پر جو ہمارے رب ہیں ہم نے بھروسہ کیا) پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔(۲)

☆ ہر ضرر اور نقصان سے حفاظت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے رات بچھو نے کاٹ لیا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو شام کے وقت " أعوذ بِكلماتِ اللهِ التاماتِ مِن شرِ ما خلق " پڑھ لیتا تو تمہیں یہ تکلیف نہ پہنچاتا " لم تضرك " (۳)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص روزانہ صبح وشام تین تین مرتبہ یہ کلمات (دعا) پڑھے تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی "بسم اللّٰه الذی لا یضر مع اسمِهِ شئ فی الأرضِ ولا فِی السماء وهو السمِیع العلِیم" تک

---

(۱) مسلم : باب اداب الطعام والشراب وأحكامها ، حدیث : ۵۲۶۲

(۲) ابوداؤد: باب مایقول الرجل ذا دخل بیته ، حدیث: ۵۰۹۶ ، علامہ نووی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے ضعیف نہیں کہا ہے: الاذکار: ۱/۲۳ ، دار الفکر، بیروت، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن ہے۔

(۳) مسلم : باب فی التعوذ من سوء القضاء ودرك الشقاء ، حدیث: ۲۷۰۹

اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ آسمان وزمین کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (۱)

☆ رات کے شرور وفتن سے پناہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب سفر کرتے اور رات ہو جاتی تو آپ ﷺ فرماتے تھے، "يا ارض ربى وربك الله اعوذ بالله من شرك وشر ما فيك وشر ما خلق فيك ومن شر ما يدب عليك واعوذ بالله منأسد واسود ومن الحى والعقرب ومن ساكن البلد ومن والد وما ولد" اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے میں تیرے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اور اس شر سے جو تیرے اندر ہے اور اس چیز کے شر سے جو تجھ میں پیدا ہوئی اور اس چیز کے شر سے جو تیرے اوپر چلتی ہے اور میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیر سے اور کالے سانپ اور کالے بچھو سے اور زمین کے رہنے والوں سے اور برائی کے منبع سے اور خود برائی سے۔ (۲)

☆ سوتے وقت کی دعا شیطان سے حفاظت کا ذریعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جب بستر پر تشریف لاتے تو فرمایا کرتے "اللّٰهم رب السموات ورب الأرض ورب كل شيء فالق الحب والنوى منزل التوراة والإنجيل والقرآن أعوذ بك من شر كل ذى شر أنت آخذ بناصيته أنت الأول فليس قبلك شى وأنت الآخر فليس بعدك شى وأنت الظاهر فليس فوقك شى وأنت الباطن فليس دونك شيء" (۳) اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے اور تمام اشیاء کے پروردگار دانہ اور بیج کے پھاڑنے والے تورات وانجیل اور قرآن کریم کو نازل کرنے والے ہیں آپ کی

---

(۱) ترمذی: الدعاء إذا أصبح وإذا أمسى، حديث: ۳۳۸۸

(۲) ابوداؤد: باب ما يقول الرجل إذا نزل المنزل، حديث: ۲۶۰۵

(۳) ابوداؤد: باب ما يقال عند النوم، حديث: ۵۰۵۳

پناہ مانگتا ہوں ہر شر والی چیز کے شر سے آپ اسے اس کی پیشانی سے پکڑنے والے ہیں آپ ہی اول ہیں آپ سے پہلے کچھ نہیں۔

☆ بسم اللہ کا کہنا شیطان کے دفاع کا ذریعہ ہے:

ایک صحابی ؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نبی ﷺ کے پیچھے دراش گوش پر سوار تھا اچانک گدھا بدک گیا میرے منہ سے نکل گیا کہ شیطان برباد ہو نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کیونکہ جب تم یہ جملہ کہتے ہو تو شیطان اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اسے اپنی طاقت سے پچھاڑا ہے اور جب تم بسم اللہ کہو گے تو وہ اپنی نظروں میں اتنا حقیر ہو جائے گا کہ مکھی سے بھی چھوٹا ہو جائے گا، ”حتی یکون أصغر من الذباب“(۱)

حضرت امیہ بن مخشی ؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص کھانا کھانے بیٹھا تو اس نے اللہ کا نام نہیں لیا (یعنی بسم اللہ کہے بغیر کھانا کھانے لگا) یہاں تک کہ جب اس کھانے میں سوائے ایک لقمہ کے کچھ باقی نہیں رہا (اور اس کو یاد آیا کہ میں کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ کہنا بھول گیا ہوں) تو اس نے وہ آخری لقمہ اپنے منہ میں لے جاتے وقت کہا ”بسم اللہ اولہ واخرہ“ رسول کریم ﷺ کو (یہ دیکھ کر) ہنسی آگئی اور پھر فرمایا کہ شیطان اس شخص کے ساتھ برابر کھانا کھا رہا تھا لیکن جب اس نے اللہ کا نام لیا تو اس (شیطان) نے وہ سب کچھ اُگل دیا جو اس کے پیٹ میں تھا ”فلما ذکر اسم اللہ استقاء ما فی بطنہ“ (۲)

☆ اذان شیطان کو بھگاتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب نماز کیلئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان ریاح خارج کرتا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ اذان سنائی نہ دے جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو واپس آ جاتا ہے اور جب نماز کیلئے اقامت کہی جاتی ہے تو بھاگ جاتا ہے اور جب اقامت پوری ہو جاتی ہے تو آ جاتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے

---

(۱) مسند احمد: الملئکۃ المتفرقۃ من الإکمال، حدیث: ۱۵۱۷۵

(۲) ابوداؤد: باب التسمیۃ علی الطعام، حدیث: ۳۷۷۰

دلوں میں خیالات ڈالتا ہے اس کو کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر حالانکہ اس کو وہ باتیں پہلے یاد ہی نہیں تھیں یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے اور وہ نہیں جانتا ہے اس نے کتنی رکعتیں نماز پڑھی ہے "حتی یظل الرجل ما یدری کم صلی" (۱)

حضرت سہیل سے روایت ہے کہ مجھے میرے والد نے بنی حارثہ کی طرف بھیجا میرے ساتھ ایک لڑکا یا نوجوان تھا تو اس کو ایک پکارنے والے نے اس کا نام لے کر پکارا اور میرے ساتھی نے دیوار پر دیکھا تو کوئی چیز نہ تھی، میں نے یہ بات اپنے باپ سے ذکر کی تو انہوں نے کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہارے ساتھ یہ واقعہ پیش آنے والا ہے تو میں تجھے نہ بھیجتا؛ لیکن جب تو ایسی آواز سنے تو اذان دیا کرو میں نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے سنا وہ نبی کریم ﷺ سے حدیث بیان کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیرتا ہے اور اس کیلئے ریاح کا خروج ہوتا ہے "إن الشیطان ذا نودی بالصلاۃ ولی ولہ حصاص" (۲)

☆ فجر کی نماز شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ ہے:

حضرت عبداللہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص کا ذکر آیا تو کہا گیا کہ وہ سوتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور نماز کیلئے کھڑا نہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کردیا "بال الشیطان فی أذنیہ" (۳)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے سر کے پیچھے گرہ لگاتا ہے جب کہ وہ سوتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک دیتا ہے کہ ابھی رات بہت باقی ہے اس لئے سویا رہ، اگر وہ بیدار ہوا، اور اللہ کی یاد کی تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اگر وضو کیا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، اگر نماز پڑھ لی تو تیسری گرہ

---

(۱) مسلم: باب فضل الأذان وهرب الشیطان عند سماعه، حدیث: ۳۸۹
(۲) مسلم: باب فضل الأذان وهرب الشیطان عند سماعه، حدیث: ۳۸۹
(۳) بخاری: باب صفة إبلیس وجنوده، حدیث: ۳۰۹۷

کھل جاتی ہے، تو اس کی صبح اس حال میں ہوتی ہے کہ خوش اور چست و چالاک ہوتا ہے ورنہ بد باطن اور سست ہو کر اٹھتا ہے "وإلا أصبح خبيث النفس كسلان" (۱)

اللہ کا ذکر شیطان سے پناہ گاہ:

حضرت حارث اشعری ؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالی نے یحیی بن زکریا کو پانچ چیزوں کا حکم کیا..... (اس میں ایک یہ بھی ہے) میں تمہیں اللہ کے ذکر کی تلقین کرتا ہوں اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے دشمن اس کے تعاقب میں ہوں اور وہ بھاگ کر ایک قلعے میں گھس جائے اور ان لوگوں سے اپنی جان بچا لے۔ اسی طرح کوئی بندہ خود کو شیطان سے اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے نہیں بچا سکتا "لا يحرز نفسه إلا بذكر الله" (۲)

حضرت ابوالاسمر عبدی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رات کے دوران کوفہ کی جانب چلا تو تخت کی شکل کی کوئی چیز سامنے آ گئی اور اس کے گرد کچھ جماعت بھی تھی جو اس کو گھیرے میں لے رہی تھی تو یہ شخص ٹھہر کر ان کو دیکھنے لگ گیا، ایک شخص آیا اور اس تخت پر بیٹھ گیا، اس نے ایک بات کی جس کو یہ سن رہا تھا کہ عروہ بن مغیرہ کیسے ہیں؟ تو ایک شخص اس مجمع میں سے کھڑا ہوا، اور کہا کہ اس کو میں آپ کے سامنے پیش کروں لا، تو اس نے کہا: ابھی اور اسی وقت پیش کرو تو اس نے اپنا رخ مدینہ شریف کی طرف کیا اور تھوڑی دیر میں واپس آ گیا اور کہا میرا عروہ پر کوئی بس نہیں چلا، اس نے کہا: کس وجہ سے؟ کہا کیونکہ وہ صبح وشام ایک کلام پڑھتا ہے اس لئے اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا، پھر یہ مجمع بکھر گیا اور یہ آدمی اپنے گھر واپس آ گیا، جب صبح ہوئی تو اس آدمی نے ایک اونٹ خریدا اور چل پڑا، یہاں تک کہ مدینہ منورہ پہنچ گیا اور جب حضرت عروہ بن مغیرہ سے ملاقات کی اور کلام کے متعلق سوال کیا کہ وہ صبح وشام کے وقت کیا پڑھتے ہیں، پھر اس نے ان کے سامنے وہ قصہ سنایا تو انہوں نے

---

(۱) بخاری: باب صفة ابليس وجنوده، حديث: ۳۹۰۷

(۲) ترمذی: مثل الصلاة والصيام والصدقة، حديث: ۲۸۶۳، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

فرمایا: میں صبح وشام کے وقت (تین مرتبہ) پڑھتا ہوں " اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَاسْتَمْسِكْ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ، لَا انْفِصَامَ لَهَا ، وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ میں اللہ واحد پر ایمان لایا بت کاہن، جادوگر اور غیر اللہ کا انکار کرتا ہوں اور مضبوط رسی اسلام کو تھامتا ہوں جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ تعالی خوب سننے جاننے والے ہیں۔ (۱)

جنات وشیاطین کے شر سے حفاظت کی دعا

حضرت ابو تیاح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدالرحمن بن خنبش ؓ سے جو کہ انتہائی عمر رسیدہ تھے، پوچھا کہ کیا آپ نے نبی ﷺ کو پایا ہے، انہوں نے کہا: ہاں میں نے پوچھا کہ لیلۃ الجن میں نبی ﷺ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا، انہوں نے فرمایا کہ: اس رات مختلف وادیوں اور گھاٹیوں سے جنات اتر اتر کر نبی ﷺ کے پاس آئے اور ان میں سے ایک شیطان کے ہاتھ میں آگ کا شعلہ تھا جس سے اس کا ارادہ تھا کہ نبی ﷺ کے چہرے کو جلا دے، اتنی دیر میں حضرت جبرئیل نبی ﷺ کے پاس آسمان سے اتر کر آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! کہئے، نبی ﷺ نے پوچھا کیا کہوں؟ انہوں نے کہا، آپ کہے کہ " اعوذ بكلمات الله التامات التى لا يجاوزهن بر ولا فاجر من شر ما خلق وذرأ وبرأ ومن شر ما ينزل من السماء، ومن شر ما يعرج فيها، ومن شر ما ذرأ فى االأرض ومن شر ما يخرج منها ومن شر فتن الليل والنهار ومن شر طارق لا طارقا يطرق بخير يا رحمن " میں اللہ کی مکمل تمام صفات کے ذریعہ ان تمام چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے انہیں وجود عطا کیا اور موجود کیا ان تمام چیزوں کے شر سے جو آسمان سے اترتی ہیں اور جو آسمان کی طرف چڑھتی ہیں رات و دن کے فتنوں کے شر سے اور رات کو ہر آنے والے کے شر سے سوائے اس کے جو خیر کے ساتھ آئے نہایت رحم کرنے والے) نبی ﷺ نے فرما: ان کلمات کے پڑھتے ہی اس کی آگ بجھ گئی اور اللہ نے انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔ (۲)

---

(۱) ابن ابی الدنیا ، هواتف الجنان ، باب هواتف الجان : ۱/ ۱۲۵ ،المكتب الإسلامى

(۲) مسند احمد، حديث: ۱۳۱۹

شیطان کے شر سے حفاظت کی تدبیر

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب رات کی تاریکی آجائے یا تمہارے سامنے شام ہوجائے، تو اپنے بچوں کو باہر نکلنے سے روکو، اس لئے کہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں، جب رات کی ایک گھڑی گذر جائے تو ان کو چھوڑ دو، اور اللہ کا نام لے کر دروازے بند کردو، اس لئے کہ شیطان بند کئے ہوئے دروازے نہیں کھولتا "فان الشیطان لا یفتح بابا مغلقا" اور اپنے مشک کے منہ بسم اللہ پڑھ کر بند کرلیا کرو، اور اللہ کا نام لے کر برتن ڈھانک دیا کرو، اگرچہ عرض میں ہی کوئی چیز کیوں نہ ہو، اور اپنے چراغوں کو بجھادیا کروتا کہ کہیں سوتے میں آگ لگ جانے کا سبب نہ بن جائے۔ (۱)

سحر وغیرہ سے بچنے کی دعا

حضرت قعقاع کہتے ہیں کہ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر میں وہ کلمات نہ کہا کرتا تو یہود مجھے گدھا بنا ڈالتے، ان سے پوچھا گیا وہ کلمات کیا ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ کلمات یہ ہیں: اعوذ بوجہ اللّٰہ العظیم الذی لیس شی اعظم منہ وبکلمات اللہ التامات التی لایجاوزھن بر ولا فاجر وباسماء اللہ الحسنی ما علمت منھا وما لم اعلم من شر ما خلق وذرا و برا میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی ذات کے ذریعہ جو بہت بڑا ہے وہ اللہ کہ کوئی چیز اس سے بڑی نہیں، اس کے کامل کلمات کے ذریعہ کہ ان سے نہ کوئی نیک تجاوز کرتا ہے اور نہ کوئی بد، اللہ کے ناموں کے ذریعہ جو پاک ونیک ہیں اور ان میں سے جو کچھ میں جانتا ہوں اور جو کچھ میں نہیں جانتا اس چیز کی برائی سے جو اس پیدا کی اور پراگندہ وبرابر کی) یعنی متناسب الاعضا بنائی۔ (۲)

---

(۱) بخاري : باب الصوم كفارة ، حديث: ١٧٩٦

(۲) مؤطا مالك: ما يؤمر به من التعوذ ، حديث: ٣٥٠٢

چند مسنون طریقۂ علاج

نظرِ بد کا رقیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”العین حق ولو کان شیئ یسبق القدر لسبقه العین، فاذا استغسلتم فاغسلوا“ نظر حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر پر غالب آسکتی تو بدنظری غالب آسکتی جب تم سے غسل کرنے کو کہا جائے تو غسل کرو۔ (۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے گھر ایک لڑکی کے چہرے پر زردپن دیکھا تو فرمایا: ”استرقوا لها، فانّ بها نظرة“ اس کو جھاڑ پھونک کرو؛ کیونکہ اس کو نظر ہوئی ہے۔ (۲)

نظر لگانے والوں کو وضو کرنے کو کہا جائے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیوں تم میں کا کوئی شخص اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے، کیوں اس کیلئے برکت کی دعا نہیں کرتا؟ نظر بد کا لگنا حق ہے، وہ شخص اس کیلئے وضو کرے، چنانچہ ان کیلئے عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا، چنانچہ سہل کو آرام ہوگیا، ایسا جیسا کہ ان کو کچھ تھا ہی نہیں۔ (۳)

ایک روایت میں ہے نظر بد لگنے والے کے سینے پر ہاتھ مار کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ” اَللّٰهُمَّ اِذْهَبْ حَرَّهَا وَبَرْدَهَا وَصَبَّهَا “ اس حدیث کے شواہد موجود ہیں۔ (۴)

---

(۱) مسلم : باب الطب والمرض والرقی، حدیث : ٢١٨٨

(۲) بخاری : باب رقیة العین : حدیث : ٥٧٣٩

(۳) موطا مالك : الوضوء من العین، حدیث: ٣٤٥٩

(۴) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی العین، حدیث : ٨٤٢٩

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: نظر لگانے والے کے نفس کی بری کیفیت جب پیدا ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے اس کی آنکھ سے ایک زہریلی قوت کا اخراج ہوتا ہے جو نظر لگنے والے کو لگتا ہے تو اس سے نقصان ہو جاتا ہے، اس کا اس طرح انکار نہیں کیا جا سکتا جس طرح زہریلے سانپ کے اثرات انسانی جسم سے متصل ہو کر اس کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں، یہ بات بہت مشہور ہے کہ کچھ سانپ ایسے ہیں کہ جب اس کی نظر انسان پر پڑتی ہے تو اس کے زہریلے اثر کی وجہ سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔

"قل هو الله احد" معوذتین، سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرۃ کی آخری آیتیں اور جھاڑ پھونک کی سحر کے تحت ذکر کردہ مشروع دعائیں پڑھتا رہے اور اس کو ہاتھ پر پھونک مار کر داہنے ہاتھ سے درد اور تکلیف کی جگہ پر پونچھے، حضور ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ عمل کیا تھا۔ (۱) یا زیتون کے تیل میں اس کو پڑھ کر اس کو سر میں استعمال کرلے۔ (۲) اگر زمزم کا پانی میسر ہو تو اس میں ان کا پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا۔ (۳) یا آسمان کا پانی۔

مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ شریفہ کو لکھ کر اس سے غسل کرانے اور پلانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (۴)

بہرحال علماء نے تین شرطوں کے ساتھ جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے:

۱- یہ جھاڑ پھونک کلام اللہ، اس کے اسماء وصفات اور رسول اللہ ﷺ کے کلام پر مشتمل ہو۔

۲- عربی یا کوئی اور معروف زبان میں ہو۔

۳- اور یہ اعتقاد اور یقین کرنا کہ ان جھاڑ پھونک اور دعاؤں سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ اللہ عزوجل کی قدرت سے ہوتا اور یہ جھاڑ پھونک تو بس ایک سبب اور ذریعہ ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ما جاء في الرقى: حديث: ٣٨٨٧

(۲) مسند احمد: ٤٩٧/٣

(۳) سلسلة الاحاديث الصحيحة: ٧٨

(۴) زاد المعاد لابن قيم: ١٧٠/٤

جادو کا علاج

جادو کے شرعی علاج کے دو طریقے ہیں:

الف: جادو ہونے سے پہلے بطورِ احتیاط اختیار کئے جانے والے امور:

۱- تمام واجبات کا اہتمام کرے، محرمات اور گناہوں سے تائب ہو جائے

۲- بکثرت قرآن کریم کی تلاوت کرے اور اس کا روزانہ کے اعتبار سے پڑھنے کا معمول بنائے۔

۳- اور دعاؤں، تعوذات اور مشروع اذکار وادعیہ کے ذریعہ حفاظتی اقدامات کرے:

☆ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ الَّذِیْ لَا يَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَيْئٌ فِیْ الْاَرْضِ وَلَا فِیْ السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" اس کو ہر صبح وشام تین دفعہ پڑھے۔(۱)

☆ صبح وشام، سوتے وقت اور ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی کا معمول رکھے۔(۲)

☆ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اور معوذتین صبح وشام اور سوتے وقت پڑھنا اور "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْـدَهٗ لَا شَـرِيْكَ لَـهٗ ، لَـهُ الْمُلْكُ وَلَـهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ" اس کو ہر دن سو مرتبہ پڑھے۔

☆ صبح وشام کے اذکار، نماز کے بعد کے اذکار، گھر میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت کے اذکار، سواری کے وقت کے اذکار، مسجد میں داخل ہوتے وقت کے اذکار، بیت الخلاء میں

---

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی الدعاء اذا أصبح ، حدیث: ۳۳۸۸، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن، صحیح غریب ہے۔

(۲) مستدرک حاکم، اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

جاتے اور آتے وقت کے اذکار، اور مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھنے کی دعاء اور ان تمام مواقع سے جو ادعیہ اور اذکار ہیں جن کا دعاؤں کی کتابوں میں مفصل ذکر ہے اہتمام کرے، تو ان دعاؤں کے اہتمام کے ذریعہ جادو، بدنظری اور جنات وغیرہ کے اثرات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ (۱)

☆ صبح نہار پیٹ ممکن ہو سکے تو سات عجوہ کھجور کھایا کرے، چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ "من اصطبح بسبع تمرات عجوة لم يضرّه ذلك اليوم سُمٌّ وَلَا سحرٌ" (۲) جو شخص نہار پیٹ سات عجوہ کھجور کھائے تو اس کو اس دن زہر کے علاوہ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

بہتر یہ ہے کہ یہ کھجور مدینہ کے ہوں جیسا کہ روایت میں ہے، علامہ ابن بازؒ کا کہنا ہے کہ: یہ صفت مدینہ کے علاوہ تمام کھجوروں میں ہوتی ہے۔

چونکہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ "من أكل سبع تمرات ممّا بين لابتيها حين يصبح لم يضره شيئ حتّى يمسى" (۳) یعنی ان کی یہ رائے ہے کہ یہ فضیلت اور شفا مدینہ کے علاوہ ہر کھجور میں ہوتی ہے۔

ب : جادو کے واقع ہونے کے بعد علاج

۱- جادو کردہ چیزوں کو نکال کر سحر کے عمل کو باطل کیا جائے اگر جگہ معلوم ہو، یہ طریقہ جادو کے علاج میں بہت مؤثر ہے۔ (۴)

۲- مشروع جھاڑ پھونک کا اہتمام :

☆ ہری سات بیری کی پتیوں کو دو پتھروں کے بیچ کوٹا جائے، پھر اس میں غسل کئے جانے کے مقدار پانی شامل کیا جائے اور اس میں یہ پڑھا جائے :

---

(۱) زاد المعاد : ١٢٦/٤

(۲) مسلم :

(۳) مسلم: باب فضل تمر المدينة : حديث: ٤٧

(۴) زاد المعاد : ١٢٤/٤، بخاری مع الفتح : ١٢٣/١٠

”اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (۱)

☆ وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ، فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صَاغِرِيْنَ، وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِيْنَ، قَالُوْا آمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، رَبِّ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ (۲)

☆ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ، فَلَمَّا اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ، وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (۳)

☆ قَالُوْا يٰمُوْسٰى اِمَّا اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّا اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى، قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى، فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى، قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى، وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سَاحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى، فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ هَارُوْنَ وَ مُوْسٰى (۴)

اور چاروں قل پڑھ کر اس سے تین مرتبہ پیئے اور باقی پانی سے غسل کرے اس سے انشاء اللہ بیماری جاتی رہے گی، اور یہ عمل دو یا تین دفعہ کرنا پڑے بھی تو کوئی حرج نہیں،

---

(۱) البقرة: ۲۵۵ (۲) الاعراف: ۱۱۷–۱۲۲
(۳) یونس: ۷۹–۸۲ (۴) طه: ۶۵–۷۰

مرض کے ختم ہونے تک بھی یہ معمول رکھا جا سکتا ہے اس کا بہت تجربہ کیا گیا ہے اور یہ اس شخص کیلئے بھی مفید ہے جس کو بیوی کے پاس جانے سے روک دیا گیا ہو۔(۱)

۲۔ سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں، سورۂ اخلاص، معوذتین تین مرتبہ پڑھ کر اس کو ہاتھ میں پھونک مارے اور اس سے داہنا جسم میں جہاں تک پہنچ سکتا ہو وہاں تک پھونکے۔(۲)

۳۔ ان جامع تعوذات، رقیے اور دعاؤں کا اہتمام کرے:

۱۔ ”اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اَنْ يَشْفِيْكَ“(سات دفعہ)(۳)

۲۔ جسم کی جس جگہ میں تکلیف ہو مریض اس جگہ ہاتھ رکھے اور ”بسم اللّٰہ“ تین دفعہ کہے، اور کہے: ”اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ“ (سات دفعہ)۔(۴)

۳۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهَبِ الْبَاْسَ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُ وَلَا يُغَادِرُ سُقْمًا“ (۵)

۴۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (۶)

۵۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ هَامَّةٍ (۷)

---

(۱) مصنف عبد الرزاق: ۱۳/۱۱، فتح الباری: ۲۳۳/۱۰

(۲) بخاری مع الفتح: ۶۲/۹

(۳) ترمذی: باب، حدیث: ۳۱۰۶

(۴) مسلم: باب استحباب وضع یدہ علی موضع المرض، حدیث: ۲۲۰۲

(۵) بخاری: باب مسح الراقی الوجع بیدہ، حدیث: ۵۷۵۰

(۶) مسلم: باب فی التعوذ من سوء: حدیث: ۷۲۰۸

(۷) بخاری: باب: حدثنا اسحاق بن، حدیث: ۳۱۹۱

۶- اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ (۱)

۷- اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ، وَبَرَاَ وَذَرَاَ ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا ، وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَاَ فِي الْاَرْضِ ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا، وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ اِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ " (۲)

۸- " بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ يُؤْذِيْكَ وَمِنْ كُلِّ نَفْسٍ أَوْعَيْنٍ حَاسِدَةٍ يَشْفِيْكَ ، بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ "(۳)

۹- " بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ حَسَدِ حَاسِدٍ وَمِنْ كُلِّ ذِيْ عَيْنٍ يَشْفِيْكَ " (۴)

۴- جس جگہ جادو کا اثر ہے ممکن ہو تو حجامت کے ذریعہ وہاں کے خون کو نکال لیا جائے۔

۵- طبعی دواؤں کا اہتمام کرے۔

قرآن کریم اور احادیث میں وارد شدہ فطری اَدویہ اگر یقین اور صدق اور اعتقادِ کامل کے ساتھ ان کو لیا جائے تو انشاء اللہ اس سے نفع حاصل ہوگا، دیگر مرکب ادویات جن کا مؤثر اور نفع بخش ہونا تجربہ کی روشنی میں ثابت ہو تو اس کے استعمال میں بھی کوئی حرج نہیں جیسے:

---

(۱) ترمذی : باب ، حدیث : ٢٠٦٠، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے۔

(۲) مسند احمد : حدیث عبد الرحمن بن خنبش ، حدیث : ١٥٤٦١، علامہ عراقی نے تخریج الاحیاء میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۳) مسلم : باب الطب والمرض والرقی ، حدیث : ٢١٨٦

(۴) ابن ماجة : باب ما عوّذ به النبی صلی الله علیه وسلم ، حدیث : ٣٥٢٣

۱- شہد ۲- کلونجی ۳- ماءِ زمزم ۴- آسمان کا پانی: اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی وجہ سے: "وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَآءً مُّبَارَكًا" (۱)

۵- زیتون کا تیل: حضور ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے ''زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کو سر میں استعمال کرو؛ چونکہ یہ مبارک درخت ہے۔''

۶- ان طبعی دواؤں میں: غسل، نظافت اور خوشبو کا استعمال کرنا بھی ہے۔(۲)

جن چڑھنے کا علاج

اس کے علاج کے بھی دو طریقہ ہیں:

۱- احتیاطی تدابیر:

جنات کے اثر سے حفاظت کیلئے تمام فرائض وواجبات کا اہتمام اور محرمات سے اجتناب کرے، تمام گناہوں سے توبہ کرے، اذکار وادعیہ، مشروعہ تعوذات کے ذریعہ اپنی حفاظت کرتا رہے، اور ہمیشہ پاک وصاف رہے۔

۲- جن کے اثر کے بعد علاج :

اس کا سب سے بڑا علاج سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہے۔(۳)

آیۃ الکرسی، سورۂ بقرۃ کی آخری دو آیتیں، قل ھو اللہ احد، معوذتین یہ اذکار جنات کے اثر زدہ شخص پر پڑھ کر پھونک مارے، تین مرتبہ یا اس سے زیادہ پڑھے، اور اس کے علاوہ دیگر آیاتِ قرآنیہ بھی پڑھی جاسکتی ہیں، چونکہ قرآن تمام کا تمام شفاء ہے، اور سحر کے تحت مذکور ادعیہ کا اہتمام بھی مؤثر ہوتا ہے۔

اگر جن چڑھے شخص کے کان میں اذان دی جائے تو بہتر رہے گا؛ چونکہ شیطان اس سے بھاگ جاتا ہے۔(۴)

---

(۱) سورہ ق: ۹

(۲) فتح الحق المبین فی علاج الصرع والسحر والعین : ۱۴۲

(۳) ابوداؤد، مسند احمد : ۵/۱۲۰

(۴) فتح الحق المبین فی علاج الصرع والسحر والعین: ۱۱۲، بخاری، حدیث: ۸۷۴

نفسیاتی امراض کا علاج

نفسیاتی امراض اور تنگی وضیق نفس کے مندرجۂ ذیل علاج ہیں:

الف: راہِ ہدایت اور راہِ توحید کو اپنائے، چونکہ کفر وشرک یہ تنگی اور گھٹن کے اسباب میں سے ہیں۔

ب: انسان کے دل میں اعمالِ صالحہ کے ساتھ نورِ ایمان کی روشنی بھی ہو

ج: علم نافع حاصل کرے، بندے کا علم جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کے دل میں وسعت اور کشادگی پیدا ہوتی ہے۔

د: اللہ کی جانب انابت اور توجہ اختیار کرے اور پورے دل سے اللہ عز وجل سے محبت کرے اور اس کی بندگی سے آرام حاصل کرے۔

ہ: ہر وقت اس کے ذکر سے اپنی زبان کو تر رکھے، ذکر کو انشراحِ صدر اور دل کی آسائش وآرام اور ھموم وغموم کے ازالہ میں بہت اثر ہوتا ہے۔

و: مخلوق کے ساتھ احسان اور ہر طریقہ سے اچھا سلوک کرے اور ان کو نفع پہنچانے کی کوشش کرے، دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے والا بہت خوش وخرم ہوتا ہے۔

ز: شجاعت اور بہادری کے امور کو اختیار کرے اور کینہ حسد اور کپٹ سے اپنے آپ کو دور رکھے۔

ح: ان ادعیہ کا اہتمام کرے:

”اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَدُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ، وَاٰخِرَتِیْ فِیْهَا مَعَادِیْ، وَاجْعَلِ الْحَیَاةَ لِیْ فِیْ كُلِّ خَیْرٍ وَالْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ“ (۱)

---

(۱) مسلم: باب التعوذ من شر ما عمل، حدیث: ۲۷۲۰

پھوڑے اور زخم کا علاج

حضور اکرم ﷺ اگر کسی شخص کو تکلیف ہوتی یا اسے کوئی پھوڑا یا زخم ہوتا اپنی اس طرح کی انگلی لیتے، حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کی انگلی زمین پر رکھی، پھر اسے اٹھایا اور کہا:

بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا ، يُشْفِىْ سَقِيْمَنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا (۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنا تھوک خود اپنی انگلی پر لیتے، پھر اس کو مٹی پر رکھتے، پھر جب اس سے کچھ مٹی لگ جاتی تو اسے زخم کی جگہ یا بیماری کی جگہ لگاتے۔ (۲)

بے چینی کا علاج

۱۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (۳)

۲۔ اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا لَا تَكِلْنِىْ اِلٰى نَفْسِىْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِىْ شَاْنِىْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ " (۴)

۳۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۵)

۴۔ اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّىْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْـئًا (۶)

---

(۱) بخاری: باب رقیة النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، حدیث: ٥٤١٣

(۲) شرح النووی علی مسلم: ١٤ / ١٨٤

(۳) بخاری: باب الدعاء عند الکرب، حدیث: ٥٩٨٦

(۴) فتح الباری: ١١ / ١٤٨، حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اس کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

(۵) ترمذی: باب، حدیث: ٣٥٠٥، امام منذری کہتے ہیں کہ: اس کو حاکم نے صحیح کہا ہے: الترغیب والترہیب: کتاب البیوع وغیرہا: حدیث: ٣٨٤

(۶) ابوداؤد: باب فی الاستغفار، حدیث: ١٥٢٥

مریض خود اپنا علاج کیسے کرے

جس جگہ تکلیف ہے وہاں اپنا ہاتھ رکھ کر کہے "بِسْمِ اللّٰہِ" تین مرتبہ اور سات مرتبہ کہے: "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ" (۱)

بے چینی اور نیند میں گھبراہٹ کا علاج

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ، وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنَ (۲)

بخار کا علاج

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "بخار جہنم کی گرمی سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔"

بچھو اور سانپ کے ڈسے ہوئے کا علاج

۱- تھوک کو جمع کر کے اس کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کو ڈسے ہوئے جگہ تھوک دے۔ (۳)

۲- سورۂ "کافرون" اور معوذتین پڑھ کر پانی اور نمک سے اس کو پوچھے۔ (۴)

اصل یہ ہے کہ شیطان کا بس ایمان و توکل والوں پر نہیں چلتا، شیطان شرکیہ اعمال کرنے والوں کو وہ مزید ڈراتا ہے، چنانچہ ارشادِ باری ہے:

---

(۱) مسلم: باب استحباب وضع یدہ، حدیث: ۲۲۰۲

(۲) مستدرك حاكم: كتاب الدعاء والتكبير، حديث: ۲۰۱۰، حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۳) بخاری مع الفتح: ۲۰۸/۱۰

(۴) مجمع الزوائد: ۱۱۱/۵، اس کی سند حسن ہے۔

"اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ، اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ" (۱)

یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر (دل سے) بھروسہ رکھتے ہیں۔ بس اس کا قابو تو صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے تعلق رکھتے ہیں اور ان لوگوں پر جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

"هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ، تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ، يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ" (۲)

(اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دیجئے) کیا میں تم کو بتلاؤں کس پر شیاطین اترا کرتے ہیں (جو پہلے سے) دروغ گفتار بڑے بدکردار ہوں اور جو (شیاطین کی خبریں سننے کیلئے) کان لگا دیتے ہیں اور وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہیں۔

---

(۱) النحل: ۱۰۰ (۲) الشعراء: ۲۲۱

جانوروں کے حقوق

اسلام میں جانوروں اور حیوانات کی اہمیت اور ان کے حقوق کے پاس ولحاظ کی تاکید کو بتلانے کیلئے یہ بتلا دینا کافی ہے کہ اللہ عزوجل نے نہ صرف قرآن کریم میں جانوروں اور حیوانات کا ذکر کیا؛ بلکہ متعدد قرآنی سورتیں ان کے نام سے موسوم کیں، جیسے: سورۃ البقرہ (گائے)، الأنعام (چوپائے)، النحل (شہد کی مکھی)، النمل (چیونٹی)، العنکبوت (مکڑی)، الفیل (ہاتھی)۔

اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں جانور کے فوائد اور اس کے مقام ومرتبہ اور اس کے موقع استعمال کو بتلایا ہے "وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ، وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ، وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ، وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَّيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" (۱)

اور اس نے چوپائے پیدا کئے، جن میں تمہارے لئے گرم لباس ہیں اور بھی بہت سے منافع ہیں اور بعض تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں، ان میں تمہاری رونق بھی ہے جب چرا کر لاؤ تب بھی اور جب چرانے لے جاؤ تب بھی، اور وہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم آدھی جان کئے نہیں پہنچ سکتے تھے، یقیناً تمہارا رب بڑا شفیق اور نہایت مہربان ہے۔

☆ حضور اکرم ﷺ نے بعض جانوروں کے صفات حمیدہ اور ان کے معنوی اور اخلاقی خوبیوں کے حامل ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ احسان اور سلوک کا حکم کیا ہے، "الخیل معقود بنواصیها الخیر الی یوم القیامة" (۲)

---

(۱) النحل: ۵–۸

(۲) مسلم: باب الخیل فی نواصیها: حدیث: ۴۹۵۵

گھوڑے کے ساتھ روزِ قیامت تک خیر وابستہ ہے، اور ایک روایت میں فرمایا: "الابل عز لأهلها ، والغنم بركة "(۱)

اونٹ اپنے مالک کیلئے عزت کا باعث ہوتا ہے اور بکری میں خیر و برکت ہے۔

اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " لا تسبوا الديك فإنه يوقظ للصلوة " (۲) مرغ کو گالی نہ دو چونکہ وہ نماز کیلئے جگاتا ہے۔

☆ جانوروں کے ساتھ احسان وسلوک اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ یہ بھی ایک درجہ کی عبادت اور اجر و ثواب کا باعث اور مغفرت خداوندی کا بڑا ذریعہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: بدکار عورت کی بخشش صرف اس وجہ سے کی گئی کہ ایک مرتبہ اس کا گذر ایک ایسے کنویں پر ہوا جس کے قریب ایک کتا کھڑا پیاس کی شدت سے ہانپ رہا تھا، اور قریب تھا کہ وہ پیاس کی شدت سے ہلاک ہو جاتا، کنویں سے پانی نکالنے کو کچھ تھا نہیں، اس عورت نے اپنا چرمی موزہ نکال کر اپنی اوڑھنی سے باندھا اور پانی نکال کر اس کتے کو پلایا، اس عورت کا یہ فعل بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوا، اور اس کی بخشش کر دی گئی " فنزعت له بموقها ، فغفر لها "(۳)

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے حوض میں پانی بھرتا ہوں اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کیلئے، کسی دوسرے کا اونٹ آ کر اس میں سے پانی پیتا ہے تو کیا مجھے اس کا اجر ملے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" ان في كل ذات كبد أجرا " (۴)

---

(۱) ابن ماجة : باب اتخاذ الماشية ، حديث: ۲۳۰۵، بوصیری نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے، مصباح الزجاجة: كتاب التجارات :۲٤/۲

(۲) ابوداؤد: باب ما جاء في الديك ، حديث: ۵۱۹۱، عجلونی نے کشف الخفاء: ٤۱۳/۱ ، میں اس روایت کے تعلق سے کہا ہے: اس کو ابوداؤد، ابن ماجہ نے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۳) مسلم: باب فضل ساقی البهائم، حديث:۵۹۹۷

(۴) مسند احمد: مسند عبد الله بن عمرو، حديث: ۲۰۷۵، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

☆ اسلام نے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کو عبادت قرار دیا، ان کے ساتھ برے سلوک اور ان کی ایذارسانی کو معصیت اور انتہائی درجہ کا گناہ بتلایا، چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے روایت نقل کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عورت کو اس لئے عذاب دیا گیا کہ وہ بلی کو باندھی رکھتی نہ کھلاتی نہ پلاتی اور نہ اس کو چھوڑ دیتی کہ چر چگ کر کھائے "عذبت امرأة فی هرة، لم تطعمها ولم تسقها، ولم تتركها تأكل من خشاش الأرض "(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک گدھا گذرا جس کے منہ پر داغا گیا تھا، آپ ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: اس شخص پر لعنت ہو جس نے اس کو داغا ہے "لعن الله الذی وسمه " (۲)

اور ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے چہرے پر مارنے اور داغنے سے منع فرمایا ہے "نهی رسول الله عن الضرب فی الوجه وعن الوسم فی الوجه "(۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ غیلان بن جنادةؓ کہتے ہیں کہ: میں نبی کریم ﷺ کے پاس اونٹ پر آیا جس کی ناک کو میں نے داغ دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جنادہ! کیا تمہیں داغنے کیلئے صرف چہرے کا عضو ہی ملا تھا تم سے تو قصاص ہی لیا جائے "يا جنادة فما وجدت عضوا تسمه إلا فی الوجه ، أما أن أمامك القصاص"(۴)

☆ جانوروں کو آپس میں لڑانا، ان کو پریشان کرنا اور ان کو کسی بھی طرح کی تکلیف دینے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو ایک دوسرے پر شکار

---

(۱) مسلم : باب تحریم قتل الهرة : حدیث: ۵۹۸۹

(۲-۳) مسلم : باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه ، حدیث: ۵۶۷۴

(۴) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی وسم الدواب، حدیث :۱۳۲۴۳ ، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو میں نہیں جانتا تو فرمایا: تمہارا معاملہ تمہارے حوالہ ہے (اس کو چھوڑ دیا)۔

(یعنی ان کو آپس میں لڑانے) سے منع فرمایا ہے "نهى عن التحريش بين البهائم" (۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے جب ایک موقع پر آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک حمرہ کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے ہم نے ان دونوں بچوں کو پکڑ لیا، اس کے بعد حمرہ (ایک قسم کی چڑیا) آئی اور اپنے بچوں کی گرفتاری پر احتجاج شروع کیا جب نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے جب حمرہ کو اس طرح بیتاب دیکھا تو فرمایا کہ کس نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اس کو مضطرب کر رکھا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو "من فجع هذه بولدها ؟ ردوا ولدها اليها" (۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا گذر قریش کے چند نوجوانوں کے پاس سے ہوا جو کسی پرندہ یا مرغی کو نشانہ بنا رہے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو وہ وہاں سے منتشر ہو گئے، اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی جاندار چیز کو باندھ کر اس پر نشانہ لگائے "لعن من اتخذ شيئا فيه الروح غرضا" (۳)

حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چوپایوں کے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے "ينهي عن لطم خدود الدواب" (۴)

☆ اسلام نے مذبوح جانوروں کے ساتھ نرمی کی تاکید کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ترمذی: باب كراهية التحريش بين البهائم: حدیث: ۱۷۰۹، منذری کہتے ہیں: اس کو امام ترمذی نے مرسلا اور مرفوعا دونوں طرح سے نقل کیا ہے اور مرسل کو اصح کہا ہے: الترغيب: كتاب القضاء، حدیث: ۳۴۳۷

(۲) ابوداود: باب في كراهية قتل الذر، حدیث ۵۲۶۸، علامہ نووی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے: رياض الصالحين: ۱/۴۶۸

(۳) مسلم: باب النهي عن صبر البهائم، حدیث: ۱۹۵۷

(۴) مجمع الزوائد: باب النهي عن الضرب علي الوجه والنهي عن سبه، حدیث: علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک نامعلوم راوی ہے، اور بقیہ مدلس ہیں۔

جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، اپنی چھری کو تیز کرلو، اور جانور کو آرام دو ”احسنوا الذبح ، وليحد أحدكم الشفرة ، وليرح ذبيحته “ (۱)

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: جانور کے ساتھ احسان اور بھلائی یہ ہے کہ اس کو مذبح تک کھینچ کر نہ لے جایا جائے ”ان لا تجر الذبيحة الى من يذبحها“ (۲)

فقہاء نے ذابح کو ذبیحہ کے سامنے چھری تیز کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اس کو بری طرح سے لٹانے سے منع کیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بکری کو لٹایا اور اپنی چھری کو تیز کرنے لگا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ” اتريد أن تميتها مرتين ، هلا أحددتك شفرتك قبل أن تضجعها“ کیا تم اس کو دو موت مارنا چاہتے ہو، کیوں تم نے اپنی چھری کو اس کے لٹانے سے پہلے تیز نہیں کرلیا۔ (۳)

ایک حدیث میں ہے کہ: ایک صحابیؓ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! جب میں بکری کو ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو خدا تم پر رحم کرے گا“ ”إن رحمتها رحمك الله “ (۴)

حضرت حسن بن عطاء سے مروی ہے کہ فرمایا کہ: ایک قصاب نے بکری کو ذبح کرنے کیلئے اس کے کوٹھے کا دروازہ کھولا، تو وہ بھاگ پڑی، اس نے اس کا پیچھا کیا، اور اس کو اس کے پیر سے کھینچ کر لانے لگا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”يا جزار سقها سوقا رفيقا “ (۵)

☆ اسلام نے موذی جانوروں کو مارنے کی اجازت ضرور دی ہے، سانپ، بچھو، دیگر تکلیف دہ جانور وغیرہ، البتہ مارنے میں احسان اور بھلائی کا حکم ضرور دیا ہے۔

---

(۱) ترمذی: باب النهى عن المثلة، حديث: ۱٤۰۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(۲) مجلة الجامعة الإسلامية ، حقوق الحيوان : ٤٦١/١١

(۳) مستدرك حاكم: كتاب الذبائح، حديث: ۷۵۷۰، حاکم نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۴) مجمع الزوايد: باب النهى عن صبر الدواب والتمثيل بها، حديث: ٦۰۲۹، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۵) مصنف عبد الرزاق: باب سنة الذبح، حديث: ۸٦۰۹، منذری کہتے ہیں: اس کو عبد الرزاق نے روایت نے محمد بن راشد سے نقل کیا ہے اور یہ معضل ہے، الترغيب: كتاب القضاء، حديث: ٣٤٢٦

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إن اللّٰه كتب الإحسان في كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة" (۱)

اللہ نے ہر چیز میں احسان کرنا فرض کیا ہے، اس لئے جب تم لوگ کسی جانور کو مارو تو اچھے طریقے سے مارو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔

آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کس نے جلایا؟ ہم نے کہا ہم نے جلایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کسی کیلئے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ آگ سے تکلیف پہنچائے سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے۔ "إنه لا ينبغي أن يعذب بالنار إلا رب العلمين" (۲)

رسول اللہ ﷺ نے چھپکلی کو مارنے کا حکم فرمایا ہے، لیکن اس کے مارنے میں بھی نرمی اور احسان کا حکم کیا ہے، اس کو ایک ہی وار میں مارے، اس کو متعدد مار میں مارنے پر کم اجر حاصل ہونے کی بات کہی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے چھپکلی کو پہلی ضرب میں مار ڈالا تو اس کیلئے اتنی اتنی نیکیاں ہیں "من قتل وزغة في أول ضربة فله كذا وكذا حسنة" (۳)

اور جس نے اسے دوسری ضرب سے مارا، اس کیلئے اتنی اتنی نیکیاں ہیں مگر پہلی دفعہ مارنے والے سے کم اور اگر اس نے تیسری ضرب سے مارا تو اس کیلئے اتنی اتنی نیکیاں ہیں لیکن دوسری ضرب سے مارنے والے سے کم۔

مسلم کی روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص گرگٹ کو ایک ہی وار میں مار ڈالے، اس کیلئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی، دوسرے وار میں اس سے کم اور تیسرے وار میں اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی "من قتل وزغا في أول

---

(۱) مسلم: باب الأمر بإحسان الذبح، هديث ۱۹۵۵

(۲) ابوداؤد: باب في كراهية حرق العدو بالنار، حديث: ۲۶۷۵، علامہ شوکانی نے نیل الأوطار: باب قتل المرتد: ۲/۸، میں فرماتے ہیں کہ: حافظ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

(۳) مسلم: باب استحباب قتل الوزغ، حديث: ۲۲۳۹۰

ضربة كتبت له مائة حسنة وفي الثانية دون ذلك وفي الثالث دون ذلك"(۱)

☆ اسلام نے جانور کو سواری کا ذریعہ بنایا ہے، اور اس کو حمل ونقل کیلئے انسان کے تابع بنایا ہے، ارشادِ خداوندی ہے "لِتَرْكَبُوهَا وَزِيْنَةً" اس کو تمہارے لئے سواری کا ذریعہ بنایا ہے ہاں البتہ اس کے ساتھ احسان وسلوک کا حکم کیا ہے، اور اس کے حقوق کی رعایت کا حکم کیا ہے۔

۱۔ طویل سفر میں اس کیلئے آرام لینے اور چرنے چگنے کا موقع فراہم کرنے کو کہا ہے،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم سبزہ والی زمین میں سفر کرو تو اونٹوں کو انکا حصہ دو "إذا سافرتم في الخصب فأعطوا الابل حظها من الأرض"(۲)

یعنی اثنائے راہ اگر ہریالی نظر آئے تو ان کو کچھ چرنے اور آرام لینے کا موقع دو، بھوکا، پیاسا مسلسل چلا کر ان کو تھکاؤ نہیں۔

۲۔ ایک جانور پر تین آدمیوں کو سوار ہونے سے منع فرمایا ہے، " نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يركب ثلاثة على دابة " (۳)

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ: انہوں نے تین لوگوں کو خچر پر سوار دیکھا تو فرمایا: تم میں سے ایک شخص اتر جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تیسرے شخص پر لعنت فرمائی ہے : فان رسول الله ﷺ لعن الثالث " (۴)

یہ اُس صورت میں ہے جبکہ وہ جانور تین آدمیوں کے بوجھ کو اٹھانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اگر استطاعت رکھتا ہو تو جائز ہے۔ (۵)

---

(۱) مسلم : باب استحباب قتل الوزغ، حديث: ٢٢٤٠

(۲) مسلم: باب مراعاة مصلحة الدروس، حديث: ١٩٢٦

(۳) مسلم: باب فضائل عبد الله بن جعفر، حديث: ٢٤٢٨

(۴) مصنف ابن ابي شيبة: من كره ركوب ثلالة عل الدابة، حديث: ٢٦٣٨٠

(۵) فتح الباري: ١٢/٥٢٠

۴۳- رسول اللہ ﷺ نے جانور پر اس طرح کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے کہ جس سے اس کو تکلیف ہو۔

سنن ابی داؤد میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ "إياكم أن تتخذوا ظهور دوابكم منابر" (۱)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو محض اس لئے تمہارے تابع کیا ہے کہ وہ تمہیں ان شہروں اور علاقوں میں پہنچا دیں جہاں تم (پیدل چلنے کے ذریعہ) جانی مشقت ومحنت کے ساتھ ہی پہنچ سکتے تھے یعنی جانوروں سے مقصود ان پر سواری کرنا اور ان کے ذریعہ اپنے مقصد کو حاصل کرنا ہے لہٰذا ان کو ایذا پہنچانا روا نہیں ہے۔

جس جانور کی خلقت سواری کیلئے نہیں ہوئی جیسے گائے وغیرہ تو ان کی سواری کرنا جائز نہیں۔

☆ جانور پر اس کی طاقت اور قوت سے زیادہ بوجھ لادنا جائز نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بات کا علم تھا کہ جو شخص جانور پر اس کی طاقت اور قوت سے زیادہ بوجھ لادے گا تو اس کو روزِ قیامت حساب کتاب دینا ہوگا، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے اونٹ سے کہا: اے اونٹ تم اپنے رب کے یہاں میرے سلسلہ میں مخاصمہ نہ کرنا، میں نے تم پر تمہاری طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں لادا "فإني لم أكن أحملك فوق طاقتك" (۲)

ایک دن نبی ﷺ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہوئے، اچانک ایک اونٹ آیا اور آپ ﷺ کے قدموں میں لوٹنے لگا، اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، نبی ﷺ نے اس کی کمر پر اور سر کے پچھلے حصے پر ہاتھ پھیرا جس سے وہ پرسکون ہوگیا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو وہ دوڑتا ہوا آیا، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

---

(۱) ابوداؤد: باب في الوقوف على الدابة، حديث: ۲۵٦۷

(۲) احياء علوم الدين: الباب الثالث في الآداب: ۱/۲٦٤

اس کے بارے میں اللہ نے تمہاری ملکیت میں کر دیا ہے، اللہ سے ڈرتے نہیں، یہ مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو، اور اس سے محنت ومشقت کا کام زیادہ لیتے ہو" أفلا تتقي اللّٰه في هذه البهيمة التي ملك الله إياها، فإنه شكى إلى أنك تجيعه وتدئبه " (۱)

حضرت سہل ابن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک اونٹ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ بھوک وپیاس کی شدت اور سواری وبار برداری کی زیادتی سے اس کی پیٹھ پیٹ سے لگ گئی تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان پر ایسی حالت میں سواری کرو جب کہ وہ قوی اور سواری کے قابل ہوں اور ان کو اس اچھی حالت میں چھوڑ دو کہ وہ تھکے نہ ہوں " اتقوا الله في هذه البهائم فاركبوها صالحة " (۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک آدمی بیل پر بوجھ ڈالے ہوئے اسے ہانک رہا تھا کہ اس بیل نے اس آدمی کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں اس کام کیلئے پیدا نہیں کیا گیا ہوں بلکہ مجھے تو کھیتی باڑی کیلئے پیدا کیا گیا ہے "إني لم أخلق لهذا ولكن أنما خلقت للحرث" لوگوں نے حیرانگی اور گھبراہٹ میں سبحٰن اللّٰہ کہا اور کہا کیا بیل بھی بولتا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تو اس بات پر یقین کرتا ہوں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یقین کرتے ہیں۔ (۳)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ جانور پر اس کی طاقت سے زیادہ اور مقصدِ خلقت کے علاوہ دوسرے کاموں کیلئے اس کا استعمال نہ کیا جائے۔

---

(۱) ابوداؤد: باب ما يؤمر به من القيام، حديث: ۲۵٤۹، حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے: المستدرك: كتاب الجهاد: حديث: ۲٤۸۵

(۲) ابوداؤد: باب ما يومر به من القيام، حديث: ۲۵٤۸، علامہ نووی نے کہا اس کی سند صحیح ہے: رياض الصالحين: ۱/۳۰۷

(۳) مسلم: باب فضائل أبي بكر، حديث: ۲۳۸۸

مراجع

قرآنیات

القرآن الکریم	
تفسیر ابن کثیر	دار الفکر بیروت
درِ منثور للسیوطی	مرکز هجرة للبحوث والدراسات العربیة
احکام القرآن للجصاص	دار الکتب العلمیة، بیروت
روح المعانی للآلوسی	دار احیاء التراث العربی، بیروت
المحرر الجویز لابی محمد الاندلسی	دار الکتب العلمیة لبنان
بیان القرآن	مولانا اشرف علی تهانوی

کتبِ حدیث وشروحِ حدیث

بخاری محمد بن اسماعیل البخاری	دار ابن کثیر بیروت
مسلم: لمسلم بن الحجاج القشیری	دار احیاء التراث العربی
ترمذی محمد بن عیسی الترمذی	دار احیاء التراث العربی
ابو داؤد: لسلیمان بن اشعث	دار الفکر بیروت
نسائی لاحمد بن شعیب	مکتبة المطبوعات الاسلامیة
ابن ماجة احمد بن یزید القزوینی	دارالفکر بیروت
مؤطا مالک للامام مالک بن انس	مؤسسة زائد بن سلطان
مسند احمد للامام احمد بن حنبل	مؤسسة قرطبة القاهرة
مسند ابویعلی احمد بن علی	دارالمأمون للتراث، دمشق
مسند الشافعی محمد بن ادریس الشافعی	دارالکتب العلمیة بیروت
مسند البزار احمد بن عمر البزار	دار الکتب العلمیة بیروت
دار قطنی لعلی بن عمر	دار المعرفة بیروت

مصنف ابن أبی شیبه، ابوبکر ابن شیبة	دار الفکر بیروت
المعجم الکبیر	ابو القاسم سلیمان بن احمد مکتبه العلوم والحکم والموصل
المعجم الاوسط	ابو القاسم سلیمان بن احمد دار الحرمین القاهرة
السنن الکبری، احمد بن حسین البیهقی	دائرة المعارف حیدرآباد
شعب الایمان، احمد بن حسین البیهقی	دار الکتب العلمیة بیروت
المستدرک، ابو عبد الله حاکم نیشافوری	دار الکتب العلمیة بیروت
الترغیب والترهیب، عبد العظیم المنذری	دار الکتب العلمیة بیروت
کنز العمّال، علی بن حسام الدین المتقی	مؤسسة الرسالة بیروت
الطبقات الکبریٰ ، محمد بن سعد بن منیع	دار صلاء بیروت
مجمع الزوائد للهیثمی	دار الفکر بیروت
الأدب المفرد، محمد بن اسماعیل بخاری	دار البشائر الاسلامیة بیروت
الزهد لامام احمد بن حنبل	دار الریان للتراث القاهرة
الکبائر محمد بن عثمان الذهبی	دار الندوة الجدیدة بیروت
البرّ والصلة ، لابن الجوزی	دار الوطن الریاض
فتح الباری، احمد بن حجر عسقلانی	دار الفکر بیروت
شرح مشکل الآثار ، ابو جعفر الطحاوی	مؤسسة الرسالة بیروت
مرقاة المفاتیح ، علی بن سلطان القاری	دار الفکر بیروت
حجة الله البالغة شاه ولی الله محدث الدهلوی	دار الجیل، بیروت
شرح السنة ، حسین بن مسعود بغوی	المکتب الاسلامی دمشق
نفقة العیال لابن ابی الدنیا	دار ابن القیم ، السعودیة
بذل المجهود ، خلیل احمد سهارنفوری	
غریب الحدیث لابن عبید بن سلام	دائرة المعارف العثمانیة بحیدرآباد
جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر	دار ابن الجوزی ، السعودیة

کتب تخریج حدیث

مصباح الزجاجة ، شهاب الدين البوصيرى	دار الجنان بيروت
المقاصد الحسنة، عبد الرحمن السخاوى	دار الكتاب العربى
التلخيص الحبير، على بن حجر عسقلانى	دار الكتب العلمية بيروت
البدر المنير ابن الملقن سراج الدين	دار الهجرة للنشر والتوزيع الرياض
الفتاوى الحديثية ، احمد بن شهاب الدين الهيثمي	دار الفكر بيروت
اتحاف المهرة الخيرة احمد بن أبي بكر اسماعيل البوصيرى	دار الوطن للنشر الرياض
كشف الخفاء ، اسماعيل بن محمد الجراحى	دار احياء التراث العلمي
المغنى عن حمل الأسفار، ابو الفضل العراقى	مكتبه طبريه رياض
جامع العلوم والحكم لابن رجب الحنبلي	مؤسسة الرسالة ، بيروت
فيض القدير ، عبد الرؤف المناوى	المكتبة التجارية ، مصر
الجوهر النقى ، علاء الدين على بن سلطان	دار الفكر ، بيروت
جامع الأصول ، مجد الدين ابو السعادات	مكتبة الحلوانى
الإلمام بأحاديث الأحكام أبو الفتح محمد بن على	دار ابن حزم ، بيروت
تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في تفسير الكشاف	دار ابن حزم ، بيروت
كشف الشكل من حديث الصحيحين	دار الوطن ، الرياض

کتب فقہ

رد المحتار	مكتبة زكريا ديوبند
ابن عابدين محمد بن امين الدمشقى	دار الكتب العلمية بيروت
الفتاوى الهندية ، نظام الدين واصحابه	مكتبة دار الفكر بيروت
البحر الرائق ، زين الدين ابن نجيم المصرى	دار المعرفة بيروت

بدائع الصنائع ، علاء الدين الكاسانى	دار الكتب العربى بيروت
المغنى ، عبد اللّٰه بن احمد بن قدامة المقدسى	دار الفكر بيروت
الهداية ، ابو الحسن على بن بكر مرغينانى	المكتبة الاسلامية
خلاصة الأحكام ، يحى بن شرف النووى	مؤسسة الرسالة ، بيروت
المبسوط، محمد بن أحمد شمس الأئمة السرخسى	دار المعرفة ، بيروت
مجمع الأنهر ، عبد الرحمن محمد شيخ زاده	دار إحياء التراث العربى ، بيروت
الأم للشافعى ، محمد بن إدريس	دار المعرفة ، بيروت
تحفة المودود بأحكام المولود ابن القيم الجوزية	مكتبة القرآن ، القاهرة
التدابير الواقية من التشبة بالكفار عثمان أحمد وكيل	
أحكام أهل الذمة ، ابن القيم الجوزية ،	دار الكتب العليمة ، بيروت
ضوابط بناء المساكين ، احمد اسعد	
الجامع فى أحكام اللحية على بن احمد بن حسن الزازخى	دار الآثار للنشر والتوزيع
الأحكام الكبرى ، عبد الحق بن عبد الرحمن ابن الخراط	مكتبة الرشيد ، السعودية

سیرت، تاریخ اور رِجال

السيرة النبوية لابن كثير	دار المعرفة للطباعة والنشر
وفيات الأعيان، محمد بن أبى بكر خلكان	دار صادر بيروت
حياة الصحابة ، مولانا يوسف الكاندهلوى	المطبع الملية على
جمهرة أنساب العرب ،	دار الكتب العلمية ، بيروت
أخبار أبى حنيفة وأصحابه ، صميرى	عالم الكتب ، بيروت
قصص العرب ،	دار الكتب العلمية ، بيروت
حلية الاولياء ، ابو نعيم احمد بن عبد الله	دار الكتب العربى

الاستيعاب ، يوسف بن عبدالله بن عبد البر	دارالكتب العلمية
الاصابة ، احمد بن حجر العسقلانی	دارالكتب العلمية
عيون الأخبار لابن قتيبة الدينوری	دار الكتب العلمية ، بيروت
المطالب العالية ،	دار الغيث السعودية
احمد بن حجر العسقلانی ، در العاصم	
تاريخ دمشق ، علی بن الحسن بن العساكر	دارالفكر بيروت
سير أعلام النبلاء ، محمد بن احمد الذهبی	دارالحديث القاهرة
البداية والنهاية ، اسماعيل بن عمر بن كثير	مكتبة المعارف بيروت
تاريخ الطبری ، محمد بن جرير الطبری	مؤسسة الرسالة ، بيروت
سيرة خير العباد	دار الكتب العلمية ، بيروت
محمد بن يوسف الصالحی الشامی	
المتستطرف في كل فن مستظرف	دار الكتب العلمية ، بيروت
محمد بن احمد أبو الفتح الأشبيهی	
تاريخ ابن خلدون	دار الفكر ، بيروت
عبدالرحمن بن محمد خلدون	
موسوعة الصحابيات ، محمد سعيد مبيض	سوريا
تاريخ بغداد، احمد بن علی ابوبكر	دارالكتب العلمية بيروت
الخطيب البغدادی	
الروض الأنف	دار احياء التراث العربی،
عبد الرحمن بن عبد الله السهيلی	بيروت
ماذا قدم المسلمون إلي العالم	داراغب السرجانی مؤسسة
	اقرا للنشر والتوزيع ، القاهرة
تاريخ الخلفاء للسيوطی	مكتبة السعادة ، مصر

کتب اخلاقیات

زاد المعاد ، محمد بن ابوبكر ابن قيم	مؤسسة لرسالة بيروت
احياء علوم الدين	دارالمعرفة بيروت
ابو حامد محمد بن احمد الغزالی	
الآداب الشرعية ، محمد بن مفلح المقدسی	مؤسسة الرسالة ، بيروت

ادب الدين والدنيا ، ابو الحسن الماوردى	دار مكتبة الحياة
مدارة الناس لابن ابى الدنيا عبد الله بن محمد	دار ابن حزم بيروت
الدعاء للطبرانى	دار الكتب العلمية ، بيروت
عشرة النساء ، احمد بن شعيب النسائي	مؤسسة الرسالة ، بيروت
مكارم الاخلاق، سليمان بن احمد لطبرانى	دارالكتب العلمية بيروت
أين نحن من هؤلاء، عبد الملك قاسم	دار القاسم
آداب المعلمين لابن سحنون	
جامع الآداب ، ابن القيم الجوزية ،	دار الوفاء للطباعة والنشر
أدب الهاتف ، بكر بن عبد الله ابو زيد	دار العاصمة للنشر والتوزيع السعودية
أدلة الحجاب، محمد أحمد اسماعيل المقدم	دار الأيمان ، اسكندرية
عودة الحجاب ، محمد اسماعيل المقدم	دار طيبة للنشر والتوزيع
أحكام القبل والمعانقة والمصافحة والقيام عمرو عبد المنعم سليم،	مؤسسة الريان، بيروت
إشعار الحريض علي عدم جواز التقيص من اللحية ، عبد الكريم بن صالح الحميد	
الأحكام والآداب الشرعية لسائق السيارة محمد عبد الرزاق السيد ابراهيم الطبطبائى	
الاستيعاب لأدلة الحجاب حسن بن عبد الحميد بن محمد	مكتبة التوعية الإسلامية، جيزه
الحجاب أدلة الموجبين وشبه المخالفين مصطفى بن العدوى، مكتبة الظرفين، الطائف	
وجوب إعفاء اللحية ، محمد زكريا الكاندهلوى	
كتاب النقاب عن ضعف حديث عائشة فى الحجاب صالح بن عبد الله العصيمى	
مجموعة رسائل فى الحجاب والسفور جماعة من العلماء	إدار البحوث ، الرياض
فصل الخطاب فى مسألة الحجاب والنقاب	دار الاعتصام

درويش مصطفى حسن	
دفع الصائل علي مشروعية الحجاب الكامل	دار طيبة الخضراء
محمد اسماعيل المقدم	
حراسة الفضيلة ، بكر بن عبد اللّٰه	دار العاصمة
تاديب الطفل باستخدام العقوبة	
فی الفقه الإسلامی، أحمد بن ذيابب شويدخ	
عاطف محمد أبو هربيد وغيرهم	
الحجاب والسفور، احمد عبد الغفور عطار	مكة المكرمة
الجامع فی أحكام اللحية	دار الآثار
الشيخ مقبل بن هادی الوادعی	
تربية الأولاد فی الإسلام	دار السلام للطباعة والنشر
عبد اللّٰه ناصح علوان	
فن تربية الأولاد فی الإسلام	دار التوزيع والنشر ،
محمد سعيد مرسی	
نضرة النعيم فی مكارم أخلاق الرسول الكريم	دار الوسيلة للنشر والتوزيع الجدة ،

اُردو کتابیں

معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
معارف الحدیث	حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ
احکام المال	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
حقوق المال	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
احکام پردہ	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
خوابوں کی شرعی حیثیت	افادات حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
اصلاحی نصاب	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
احکام المساجد	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

نشر الطیب فی ذکر الحبیب	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
بہشتی زیور	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
اصلاح الرسوم	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
حیات المسلمین	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
شریعت وطریقت	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
اسلامی تہذیب	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان۔
تشریحات حکیم الاسلام	حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ
توضیحات حکیم الاسلام	حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ
سیرت عائشہ	حضرت مولانا شبلی نعمانیؒ
سیر الصحابیات	شاہ معین الدین ندویؒ
سیر الصحابہ	شاہ معین الدین ندویؒ
شرح ادب المفرد	ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ
تحفہ خواتین	حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ
سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا شبلی نعمانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ
تاریخ المشاہیر	قاضی سلیمان منصور پوریؒ
تجدید معاشرت	مولانا عبدالباری ندویؒ
اختلاف امت صراط مستقیم	حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ
امداد المفتیین	حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ
خیر القرون کی درسگاہیں	قاضی اطہر مبارک پوریؒ
اسوۂ رسول اکرم	ڈاکٹر عبدالحیؒ
فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ
اصلاحی خطبات	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

مغربی ممالک کے چند فقہی مسائل	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ
ذکر وفکر	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ
قاموس الفقہ	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
حلال وحرام	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
اسلام اور جدید فکری مسائل	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
راہِ عمل	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
دینی وعصر درسگاہیں اور تعلیمی مسائل	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
غیر مسلم بھائیوں سے تعلقات	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
کتاب الفتاوی	حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ
خطباتِ ذوالفقار	حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی مدظلہ
ازدواجی زندگی کے سنہرے اُصول	حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی مدظلہ
نفائس الفقہ	حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مدظلہ
داڑھی اور انبیاء کی سنتیں	مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری
بکھرے موتی	مولانا محمد یونس صاحب پالنپوری مدظلہ
مدنی معاشرہ	مولانا محمد یونس صاحب پالنپوری مدظلہ
سنہری کرنیں	عبد المالک مجاہد
آداب ملاقات	مولانا رفعت قاسمی
تحفۃ النساء	مولانا محمد شفیق صاحب
الدعاء المسنون	مولانا ارشاد قاسمی
الشمائل الکبری	مولانا ارشاد قاسمی
آدابِ زندگی	مولانا محمد یوسف اصلاحی
میاں بیوی کے حقوق	مولانا مفتی عبد الغنی
بہو اور داماد	اُمِ عبد منیب

دیور اور بہنوئی	اُمِّ عبدِ منیب
اُسوۂ نبوی اور خاندانی تعلقات	محمد موسیٰ خان ندوی
مکاتب کی اہمیت، اکابر امت کی نظر میں	مطبوعہ اہم چیرٹیبل ٹرسٹ، ممبئی
اپنی اصلاح کا مکمل نصاب	قطب الدین، الفرقان بک ڈپو
انبیاء علیہ السلام کی سنتیں	حضرت مفتی جمال الدین صاحب
داڑھی، مونچھ اور انبیاء کی سنتیں	مولانا فضل الرحمٰن اعظمی
حضور کے شام وسحر	ڈاکٹر حکیم سید قدرت اللہ حسینی
حضرت عائشہ کے سو قصے	مولانا شعیب سرور، بیت العلوم، لاہور
حضرت فاطمہ کے سو قصے	محمد اویس سرور، بیت العلوم، لاہور
اللباس المحمود	ابوالکلام شفیق المظاہری
پردہ	محمد اسحاق ملتانی
ارشادات ابرار	سید سلیم اللہ غوری
اسلامی معاشرہ کے خدوخال	شیخ الحدیث سمیع الحق صاحب، القاسم اکیڈمی پاکستان
حسن معاشرت	محترمہ خیر النساء (والدہ محترمہ ابوالحسن ندوی)
شمائل کبریٰ	حضرت مولانا ارشاد قاسمی بھاگلپوری
نظام تعلیم (دینیات)	
تذکار بڑے حضرت	دارالعلوم سبیل الرشاد، بنگلور